لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

امام حرم کی اقتدا میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں نماز جمعہ کا ایک منظر
مسجد اور اس کا احاطہ کیمرہ کی آنکھ سے اوجھل ہے۔

تاج المساجد ـ وسطی دروازہ

جامع مسجد شادی آباد (مانڈو)

Ashrafi Mahal اشرفی محل شادی آباد (مانڈو)

جہاز محل شادی آباد (مانڈو)

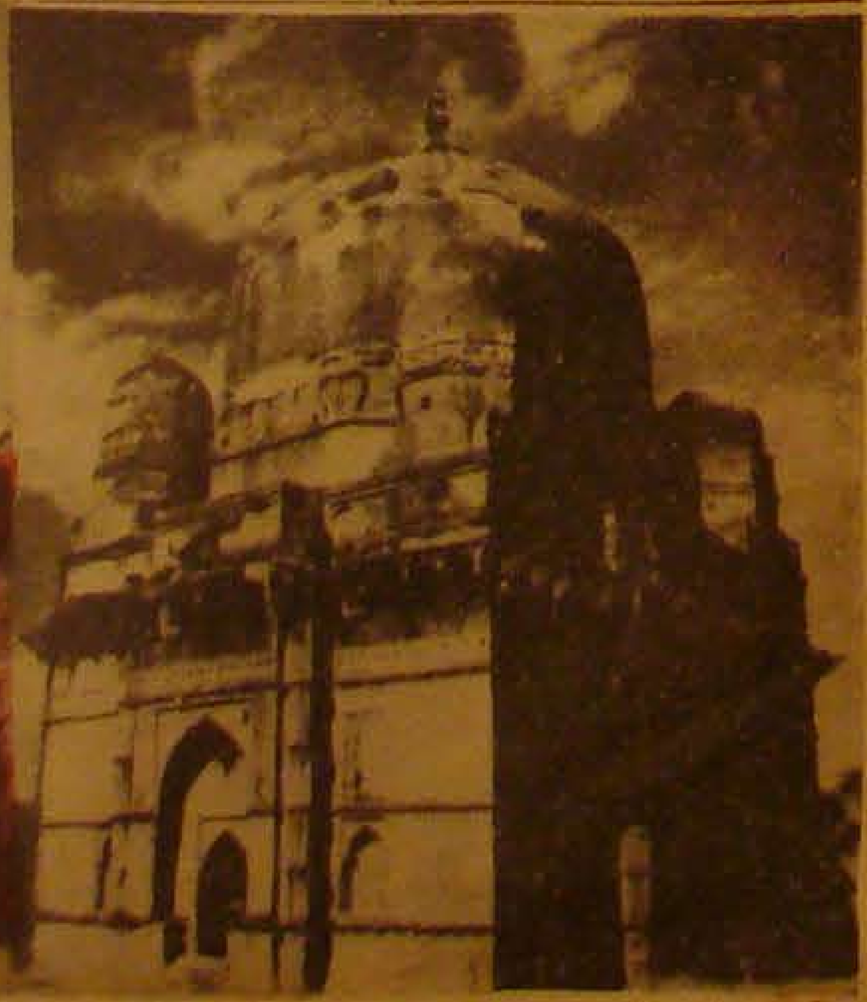

مقبرہ دریا خاں (مانڈو)

2/50 قیمت: ۲/۵۰ ـ اشاعتِ خاص

Regd. No. LWNP 56

Phone: 22948

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY

Nadwatul-ulama Lucknow-226007 (India)

اس کمیٹی کا جلسہ اسی دن بعد مغرب ہوا اور کمیٹی کے ارکان نے متفقہ طور پر موجودہ نصاب میں دیگر علوم کے اضافے کی ضرورت کو تسلیم کیا۔ نصاب درس میں علوم جدیدہ کے اضافے سے بعض علماء نے اختلاف کیا لیکن کثرت آراء سے اصلاح نصاب کی تجویز منظور ہوئی اور یہ بھی اتفاق طے پایا کہ مجوزہ نصاب کی مدت تعلیم دس برس ہو۔ اگرچہ یہ نصاب چند خامیوں کی باعث کسی قدر ناقص تھا تاہم اصلاح و ترقی کی طرف پہلا قدم تھا اور اس میں شک نہیں کہ اس وقت بعض دشواریاں بھی ایسی تھیں جو ہر حیثیت سے مکمل نصاب تجویز کرنے سے مانع تھیں۔

پانچویں نشست: ۱۸ر شوال ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۴ر اپریل ۱۸۹۵ء صبح ۶ بجے اس نشست کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ اس نشست کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ مولانا عبداللہ صاحب انصاری نے تمام حاضرین بالخصوص جناب صدر جلسہ سے خطاب کر کے یہ خوشخبری سنائی کہ مولانا شاہ امانت اللہ فصیحی غازی پوری اور مولانا ابراہیم صاحب آروی میں جو مدت دراز سے سخت نزاع ہو رہی تھی وہ ندوے کی برکت سے رفع ہو گئی۔ دونوں حضرات میں نہایت جوش و خروش سے ملاپ ہوا۔ اور ان دونوں نے اعلان کیا کہ آج ہم دونوں میں اتحاد ہو گیا ہم دونوں مل کر قوم کی حالت پر بہت روئے اور یہ قرار پایا کہ ہم اپنے حالات ندوہ کے سپرد کریں۔ رفع نزاع باہمی کے سلسلہ میں ندوۃ العلماء کی یہ پہلی کامیابی تھی اور پہلا ثمرہ تھا جو نمایاں صورت میں ظاہر ہوا۔ لوگوں نے یہ بات محسوس کی کہ موجودہ اختلافات کو ختم کرنے اور علماء میں صحیح شعور پیدا کرنے کے لئے ندوۃ العلماء موثر ذریعہ بن سکتا ہے۔

اس کے بعد صدر جلسہ مولانا سید محمد شاہ صاحب محدث نے عالمانہ تقریر فرمائی اور آخر میں کہا کہ :۔

"خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ جب ہماری قوم کی ذلت اپنے حد کمال کو پہونچ گئی تو اب ایسے آثار پائے جاتے ہیں کہ شاید یہ کمال ذلت بھی زوال کا منہ دیکھے اور اس ذلت کا زمانہ بھی آخر ہو۔ بڑی دلیل اس پر یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ندوۃ العلماء قائم کرنے کا خیال اور ارادہ اپنے بعض بندوں کے دل و دماغ میں مرکوز کر دیا۔ اس نیک ارادے کا منشاء یہی ہے کہ عہد سابق کا مرا ہوا اتفاق پھر زندہ ہو اور وہ پردے بیچ سے اٹھ جائیں جنھوں نے ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا ہے۔ باہمی اتفاق سے دلوں کی جمعیت اور جمعیت سے اسلام کو قوت ہو۔ ہمارے مسلمان بھائی خصوصاً علماء، صلحاء اور سادات کو چاہیے کہ ندوۃ العلماء میں حاضر ہونے کو ضروری سمجھیں"۔

باہمی اختلاف و رنجش اور ایک دوسرے پر سب و شتم کے ماحول میں ندوۃ العلماء کی دعوت اتحاد بین المسلمین نے اتفاق و محبت کی عام فضا پیدا کر دی۔ لوگوں میں باہمی اخوت کا ایسا جذبہ پیدا ہوا اور اس کی اہمیت کا اس شدت سے احساس ہوا کہ اس احساس و جذبہ کو عام کرنے کے لئے مختلف تدبیریں ہونے لگیں۔ اس نشست میں باضابطہ مولانا شبلی نعمانی نے خان بہادر چودھری نصرت علی صاحب کی طرف سے یہ تجویز پیش کی کہ جو صاحب "علماء اور عام مسلمانوں کے باہمی تعلقات بحیثیت دینی کیا ہونے چاہئیں" اس عنوان پر مضمون لکھیں اور مجلس ندوۃ العلماء اس کو پسند کرے تو ان کی خدمت میں مبلغ سو روپئے بطور ہدیہ پیش کئے جائیں گے۔ مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی نے اس تجویز کی پُر زور تائید کی، مولانا شاہ سلیمان پھلواروی نے ایک ایسی پُر اثر تقریر کی کہ حاضرین کا دل دہل گیا۔ مولانا حافظ محی الدین صوفی وکیل انجمن حمایت اسلام لاہور نے نا اتفاقی کے نقصانات ظاہر کر کے علماء کو اس طرف خاص طور پر متوجہ کیا کہ وہ اپنے مجالس وعظ میں اتحاد و اتفاق پر زور دیں۔ صوفی صاحب کی تقریر کے بعد وہ سپاسنامے پیش ہوئے جو مختلف انجمنوں کی طرف سے آئے تھے اس میں انجمن حمایت اسلام کا بھی سپاسنامہ تھا جس میں ندوہ کی بھرپور تائید کی گئی تھی۔

اس کے بعد ان اکیس مدارس کی فہرست پیش کی گئی جنھوں نے ندوۃ العلماء کے اجلاس میں شرکت کی یا اس کی ماتحتی قبول کی۔

قانون حجاج: ندوۃ العلماء نے روز اول سے مسلمانوں کے ان اجتماعی معاملات میں بھی رہنمائی کی جن کا تعلق مسلمانوں کی دینی، ملی یا تہذیبی امتیاز و خصوصیت سے تھا اور ان امور کی نشاندہی کی جن سے شریعت اسلامی میں مداخلت کا خطرہ ہوتا اس سلسلہ میں رائے عامہ کو ہموار کرنے اور بوقت ضرورت حکومت کو ان امور کی طرف موثر انداز میں ندوۃ العلماء متوجہ کرتا رہا۔ اس جلسے میں مولانا ابو محمد عبدالحق صاحب حقانی دہلوی نے یہ تجویز پیش کی کہ جو قانون حجاج گورنمنٹ کے زیر تجویز ہے وہ مسلمانوں کی مذہبی آزادی میں خلل ڈالنے والا ہے لہٰذا ندوہ درخواست کرے کہ ایسا قانون نافذ نہ کیا جائے جس سے مسلمانوں کو مذہبی دست اندازی کا خیال ہو۔ یہ تجویز جلسہ انتظامیہ اور بعد کو جلسۂ عام میں بھی منظور کی گئی۔

اس نشست میں خان بہادر منشی اطہر علی صاحب وکیل نے ندوہ کے لئے فراہمی سرمایہ کی تجویز پیش کرتے ہوئے ایک موثر تقریر کی جس کی تائید مولانا محمد یونس خانصاحب نے کی اور اپنی تقریر کے آخر میں پیشکش کی کہ :۔

"بھائیو! میں کچھ نہیں مانگتا بلکہ میں خود سو روپئے ندوۃ العلماء کی نذر کرتا ہوں"۔

اس تجویز کا مقصد عمومی چندہ نہ تھا مگر مولانا یونس خانصاحب اور چودھری محمد عظیم صاحب کی پیشقدمی نے ہمدردان قوم کو حرکت دیدی اور ایک گھنٹہ کے اندر ایک ہزار سے زائد چندہ جمع ہو گیا۔ اجلاس لکھنؤ میں راجہ تصدق رسول خانصاحب تعلقدار جہانگیر آباد نے مبلغ دو سو روپئے یکمشت عطا کئے اور وعدہ فرمایا کہ میری طرف سے دو سو روپئے سالانہ لکھ لیا جائے۔ راجہ صاحب پہلے شخص تھے جنھوں نے ندوہ کو دو سو روپئے دوامی دینے کا وعدہ کیا تھا۔

شعراء کا نذرانۂ عقیدت: اسی نشست میں عزیز لکھنوی کا فارسی قصیدہ مولانا شاہ سلیمان پھلواروی نے پڑھ کر سنایا، قصیدہ کے آخر میں ندوہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں :۔

یارب ایں ندوہ و ایں نادی و ایں بادی باد
شاد تا یوم تناد ایمن از ارباب عناد

دستور العمل کی منظوری: اجلاس ششم میں دستور العمل ندوۃ العلماء پیش ہوا جسے مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواروی نے پڑھ کر سنایا اور باتفاق آراء منظور ہوا۔ اس اجلاس میں ۴۴ افراد پر مشتمل ایک نئی مجلس انتظامی کی تشکیل بھی کی گئی۔ ندوۃ العلماء کے دستور العمل کی منظوری کے بعد اس پہلی مجلس انتظامی کے لائق ذکر ارکان حسب ذیل ہیں :۔

مولانا محمد علی مونگیریؒ ناظم ندوۃ العلماء، مولانا حافظ شاہ محمد حسین صاحب الٰہ آبادی، مولانا عبدالحق حقانی، مولانا شاہ سلیمان پھلواروی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا حکیم سید ظہور الاسلام، مولانا عبدالغنی صاحب، مولانا عبداللہ انصاری صاحب داماد مولانا قاسم نانوتوی صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی، مولانا محمد یونس صاحب، مولانا مشتاق علی صاحب فیض آبادی، مولانا فتح محمد تائب لکھنوی، مولانا محمد ابراہیم آروی، مولانا امانت اللہ فصیحی غازی پوری، مولانا حفیظ اللہ صاحب، مولانا خلیل الرحمٰن صاحب ابن مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، مولانا عبدالقیوم صاحب حیدر آبادی، مولانا مسیح الزماں صاحب شاہجہاں پوری، منشی اطہر علی صاحب اور چودھری نصرت علی صاحب رئیس سندیلہ۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات اراکین اعزازی نامزد ہوئے :۔

مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی، مولانا لطف اللہ صاحب علیگڈھی، شمس العلماء مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محل، مولانا محمد انوار صاحب استاذ نظام دکن، مولانا محمد عادل صاحب جانشین مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب، مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب رامپوری۔

جلسہ کے میزبان منشی اطہر علی صاحب کے شکریہ اور ندوۃ العلماء کی دعائے ترقی پر جلسہ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

۱۸ر شوال کو اجلاس ختم ہوا اور ۱۹ر کی صبح کو فرنگی محل میں مولانا شاہ عبدالوہاب صاحب جانشین شاہ محمد عبدالرزاق صاحبؒ نے تمام علماء کی پر تکلف دعوت کی اور اس مکان میں کھلایا جہاں استاذ الاساتذہ حضرت ملا نظام الدین صاحبؒ نشست فرمایا کرتے تھے، شام کو مولانا محمد نعیم صاحب کے یہاں تمام علماء مدعو ہوئے۔

۲، ۱۰ و ۲۵ فروری و ۱۰ و ۲۵ مارچ و ۱۰ اپریل ۸۲ء

ایڈیٹر :- اسحاق جلیس ندوی

جلد ۱۵ شمارہ ۵، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱

پندرہ روزہ

تعمیر حیات

لکھنؤ

اشاعتِ خاص قیمت: ۲/۵۰

دُعائے خلیل اور نوید مسیحا

اسحٰق جلیس ندوی

تاریخ عالم میں چھٹی صدی عیسوی میں انسانی دنیا موت وزیست کی کشمکش کا شکار اور تباہی کے نقطۂ عروج سے ہمکنار تھی، نسل انسانی اس دور کے دو بڑے سامراج، رومی شہنشاہیت اور ایرانی شہنشاہیت کی دریوزہ گر، غلام اور پوری سوسائٹی طبقاتی کشمکش سے دوچار تھی، روحانیت واخلاق کی مرجھائی کھیتی ابر رحمت کی منتظر تھی، اور مریض انسانیت کو کسی مسیحا کی تلاش،

خدا شناسی اور خدا پرستی، عدل وانصاف، اخلاق ومروت، ہمدردی وغمگساری، دیانت وامانت، خلوص ومحبت، ایثار وقربانی، حق وراستی کی شمعیں گل ہو چکی تھیں یا کہیں خال خال تھیں تو ان کی مدھم روشنی کا ہالہ انہی تک محدود تھا، دبیز تاریکی اور ظلمات بعضہا فوق بعض، تہہ در تہہ اندھیرے ہیں۔ ع

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں فاران کی چوٹیوں سے منور ہوئی۔ جہالت وبربریت، ظلم اور ناانصافی، الحاد وخدا فروشی، شرک واصنام پرستی، دختر کشی اور شراب نوشی، قتل اور خونریزی اور بندوں کی بندگی کے اندھیرے سے نکل کر انسانی قافلہ توحید وخدا پرستی، روحانیت واخلاق، عدل وانصاف اور امن ومساوات کی روشنی میں آگیا۔

بعثت محمدیؐ عالم انسانیت کے لئے حیاتِ نو کی پیامبر تھی، انسانی تاریخ کے اس نازک موڑ پر آپ تشریف لائے جب دنیا اپنے اردگرد کے سناٹے سے گھبرا کر کسی صوتِ ہادی، کسی صدائے مسیحا پر کان لگائے تھی، گذشتہ پیغمبروں کی دعاؤں اور چھٹی صدی مسیحی کی دنیا کی تمناؤں کا ظہور ہوا ؎

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیلؑ اور نویدِ مسیحاؑ

اور پھر یہ ابر رحمت ایسے برسا کہ جس سے۔ ع

ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

مسلمانانِ عالم ہر سال یوم میلاد النبیؐ مناتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے محبت وعقیدت کے اظہار کا یہ بھی ایک طریقہ ہے مگر یوم نبی رحمتؐ اور عید میلاد النبیؐ کے جلسے جلوس اور رنگ ونور سے زیادہ اہمیت اس پیام کی ہے، جس کو لیکر آپؐ مبعوث ہوئے جسکے ذریعہ انسانی دنیا میں ایک ایسا انقلاب آگیا، جس کی نظیر ومثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم جن کو شاعر نے یوں خراج عقیدت پیش کیا ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کردیا

آج کی دنیا اس مسیحائی کی محتاج ہے، محسن انسانیت کے نام لیوا اور امتی اس پیمانہ سے اپنا جائزہ لیں تو اندازہ ہوگا کہ ابھی ہم اپنے مقصد ومشن اور اصل منزل اور نصب العین سے بہت دور ہیں — اس شمارہ کے صفحہ ۲ پر صحیح منزل کی نشاندہی کی گئی ہے اسے ضرور پڑھیے، ان خیالات کی اشاعت کیجیے، اس خاکہ میں عمل کی رنگ آمیزی کیجیے، اسے اپنے غور وتوجہ کا موضوع بنائیے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے حبیب پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے حصول کی منزل تک امید ہے کہ ہماری رسائی ہوجائے۔ اور دنیا وآخرت کی سرخروئی ہمارا حصہ بن جائے۔ اسوۂ نبویؐ کی روشنی میں انسانیت کی چارہ سازی اور خدمت سے ہمیں محبوبیت نصیب ہوسکتی ہے۔ ع

کی محمدؐ سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں

دیدہ ودل فرش راہ

۲۷ جنوری ۸۲ء کو ریاض سے ایک تار موصول ہوا، "ہز ایکسیلنسی شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ، ہز ایکسیلنسی شیخ سعید جنید دل اور ڈاکٹر احمد توتونجی، نائب سکریٹری ورلڈ مسلم یوتھ آرگنائزیشن ۳ فروری کو ندوہ تشریف لا رہے ہیں" تار ڈاکٹر احمد توتونجی صاحب نے بھیجا تھا لیکن اسمیں صراحت نہیں تھی کہ شیخ عبدالعزیز امام حرم مکی اور خطیب عرفات ہیں — یہ وفد پاکستان ہوتے ہوئے ۳ فروری کو دہلی پہونچنے والا تھا، پاکستان ریڈیو سے جب اس کا علم ہوا کہ وفد میں امام حرم ہیں تو اسکی تصدیق کیلئے دہلی سے رابطہ پیدا کیا گیا، مگر وہاں سے کوئی صراحت نہیں ہوئی، تاہم ریڈیو پاکستان کی روزانہ خبروں سے تصدیق کی بنیاد پر ندوۃ العلماء کے کارکنوں نے لکھنؤ شہر کے سربرآوردہ حضرات اور مختلف دینی، تعلیمی، سماجی تنظیموں کے ذمہ داروں اور عہدہ داروں کی مشورتی نشست طلب کی — باہمی مشورہ سے پروگرام بنایا گیا، وامرھم شوریٰ بینھم، کی برکت تھی کہ لکھنؤ میں امام حرم مکی اور انکے معزز رفقاء کا ایسا زبردست استقبال ہوا اور ایسے عظیم الشان جلسے منعقد ہوئے کہ جنکی مثال لکھنؤ کی تاریخ میں شاید ہی ملے۔

امام حرم مکی وخطیب عرفات شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ اور انکے معزز رفقاء نے بار بار اپنے اس تاثر کا اظہار کیا کہ ہمارا سفر لکھنؤ ہمارے پورے دورے کی جان ہے۔ لاکھوں انسانوں کے ہجوم منظم وضبط کا جو مظاہرہ کیا، اس سے معزز مہمان اور حکومت کے ذمہ دار انگشت بدنداں تھے، استقبالیہ جلسوں میں، جو سپاسنامے پیش کئے گئے، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی جو تقریریں ہوئیں انمیں محبت کے اظہار کے ساتھ دعوت وپیام بھی تھا، ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی اس وفد کی آمد سے ایک روز قبل سفر حجاز سے واپسی ہوئی تھی، مخدوم موصوف ہر پروگرام میں معزز مہمانوں کے ساتھ رہے اور وفد کے معزز ارکان اپنی اس عزت افزائی سے بہت متاثر ہوئے — امام حرم مکی نے اپنی تقریروں میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو والدنا الشیخ ابوالحسن علی الندوی کہہ کر اپنے بزرگوں سے ان کے قریبی روابط وتعلق کے رشتہ کو مستحکم فرمایا۔ امام حرم کی لکھنؤ آمد کی مفصل روداد پر مشتمل تعمیر حیات کا خصوصی شمارہ جلد ہی شائع ہوگا۔

پندرہ روزہ "کاروان" کی مذموم حرکت

دہلی سے شائع ہونے والے انگریزی پندرہ روزہ "کاروان" نے اپنی ایک اشاعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان والا صفات کے متعلق ایک انتہائی مکروہ، مذموم اور گستاخانہ مضمون شائع کیا، اس سلسلے میں دینی اداروں، مسلم صحافت اور انفرادی واجتماعی احتجاج کا حکومت اور انتظامیہ نے کوئی نوٹس نہیں لیا، شاید کروڑوں کی

(بقیہ صفحہ ۵ پر)

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے ❊ غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا

ماہِ ربیع الاول اور مسلمان

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر مسلمان کا جزو ایمان ہے اور جو اس کا منکر ہے اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی محروم اور بدنصیب نہیں، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعقیدت ہر مسلمان کی زندگی کا گراں قدر سرمایہ ہے، عشق خدا اور محبت رسول کی بے بہا نعمت و دولت سے صحابہ کرامؓ، اولیائے عظامؒ اور بزرگان دین مالا مال تھے، اور ان کی زندگی لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین (تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک سچا مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اور اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں) کا عملی نمونہ تھی، والدین، اولاد اور دنیا کی تمام چیزوں کی محبت پر ہمارے اسلاف نے محبت رسول کو غالب کردیا تھا، عشق رسولؐ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر اور ایصال ثواب، مومن کا وہ امتیاز ہے جس میں ذرہ برابر کمی اس کے ایمان اور عقیدے کو مجروح کرسکتی ہے۔ مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے اپنے ان اشعار میں کچھ بھی مبالغہ سے کام نہیں لیا ؎

نماز اچھی، زکوٰۃ اچھی، حج اچھا، روزہ بھی اچھا ❊ مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی عزت پر ❊ خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

لیکن مسلمان بھائیو! اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچو!

کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہارِ محبت کا یہ طریقہ درست ہے کہ آرائشی پھاٹک لگائے جائیں، چراغاں کیا جائے، بے بار روشنی اور سجاوٹ میں ایک دوسرے سے مقابلہ کیا جائے اور پٹاخے چھوڑے جائیں۔

کیا اس کا جواز ہے کہ اس ذاتِ اقدس کے نام پر جس کے گھر میں تین تین دن چولہا نہیں جلتا تھا لاکھوں روپے اس غریب قوم کے صرف کئے جائیں جسکی سیکڑوں بیوہ عورتیں، ہزاروں یتیم بچے اور مفلس افراد کو اس گرانی کے دور میں پیٹ بھر کر کھانا اور تن بھر کپڑا نصیب نہیں۔

جس قوم کے ہزاروں طلبا تعلیمی سہولتوں سے محروم ہیں۔

جس قوم کے ہزاروں مریض دوا اور علاج سے محروم ہیں۔

جس قوم کے علمی، تعلیمی اور دینی ادارے سرمائے کی کمی کی وجہ سے موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا ہوں۔

اظہار عقیدت ومحبت کا یہ طریقہ صحیح ہے یا یہ کہ رحمۃ للعالمین محسنِ انسانیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وکردار کی پیروی کی جائے اور برادرانِ وطن کے سامنے آپ کا صحیح تعارف کرایا جائے۔

اگر صرف ایک بڑے شہر میں عید میلاد کی روشنی اور سجاوٹ پر ہونے والے خرچ کو کسی کار خیر میں لگایا جائے تو اس روپے سے سیرت پر علاقائی زبانوں میں ترجمہ اور تعارف کا ایک بڑا دار الاشاعت، یا ایک رفاہی اسپتال، یا بچوں اور بچیوں کا ایک اسکول، یا مسلم طلبا کا ایک ہوسٹل، یا نادار اور بے روزگار لوگوں کے لئے بیت المال اور بلاسودی بینک یا ایک مفید لائبریری اور دار المطالعہ قائم ہوسکتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: اللہ فی عون العبد مادام العبد فی عون اخیہ، (اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی اس وقت تک اعانت کرتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے)۔

ہندوستان میں مسلمان صدیوں سے برادرانِ وطن کے ساتھ رہتے ہیں لیکن افسوس کہ یہاں کی زبانوں میں سیرت نبویؐ کو ابھی تک منتقل نہیں کیا گیا، اور اس سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ آج ہمارے وہ بچے بھی جو اسکولوں میں پڑھتے ہیں سیرت النبیؐ سے زیادہ دوسری شخصیتوں سے واقف ہیں۔

ضرورت اس کی ہے کہ آسان اردو اور ہندی نیز علاقائی زبانوں مرہٹی، پنجابی، بنگالی، کنڑی، ملیالم وغیرہ میں سیرت کو منتقل کیا جائے اور اس کو پورے ملک میں بلاتفریق مذہب وملت پھیلایا جائے۔ دوسری طرف خدمت خلق کے ایسے کام کئے جائیں جن سے دیکھنے والوں کو اندازہ ہو کہ مسلمان صحیح معنی میں اس نبیؐ کا نام لیوا اور متبع ہے جو ساری دنیا کے لئے ابر رحمت تھا۔

اس لئے آج عہد کرو کہ اس سال "عید میلاد" ان تعمیری اور رفاہی کاموں سے منائیں گے جن سے رحمۃ للعالمین محسن انسانیتؐ کے اصل مقام اور پیام سے دنیا روشناس اور فیضیاب ہو۔

عید میلاد کی منتظم کمیٹیاں، چندہ دینے والے حضرات اور تمام دردمند افراد اور ادارے مل کر مشورہ سے طے کرلیں کہ اس سال اس کثیر رقم کو جو وہ بیجا روشنیوں اور آرائشوں میں لگا دیتے تھے، سیرت کے دار الاشاعت اور شعبۂ خدمت خلق پر صرف کریں گے اور اپنے محلّے کے غریب بھائیوں کی خبر گیری کریں گے خواہ وہ کسی بھی مذہب اور مسلک کے پیرو ہوں — یہ وہ صدقات جاریہ ہیں جنکا اجر وثواب دنیا اور آخرت میں ہمیں ملے گا — اور میلاد النبیؐ کے ساتھ ہر سال ایک نئے مدرسہ یا ایک نئے اسکول یا ایک نئے اسپتال یا مسلم طلباء کے لئے ایک نئے ہوسٹل یا ایک بلاسودی بینک کے افتتاح سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی سچی محبت کا عملی ثبوت دیں گے اور آپ کے پرچم ہدایت کو اپنے ضعیف اور ناتواں شانوں پر ہمیشہ بلند رکھیں گے۔

ان نمائشوں، کھو کھلے مظاہروں اور فضول خرچیوں سے اسلام کی سر بازار رسوائی ہو رہی ہے — ایک زندہ، باعمل، غیور، متحد، وفادار، جاں نثار اور حقیقت پسند قوم بن جائیے پھر خدا کی نصرت اور رحمت کا تماشہ دیکھیے۔

کی محمدؐ سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

آج کا دن ہماری تاریخ کی ان چند عظیم مسرّتوں اور مبارک تقریبوں میں شمار ہوگا جس کو ملّت اسلامی ہند کبھی فراموش نہیں کر سکتی — مسلمانوں کا یہ عظیم الشان اجتماع جس میں نہ صرف لکھنؤ بلکہ قرب و جوار اور دور دراز علاقوں کے مسلمان محض اپنے شوق اور دینی جذبہ سے شریک ہوئے ہیں، وہ کسی عہدہ و منصب کے نام پر جمع نہیں ہوئے۔ بیت اللہ کا نام نامی اور نسبت گرامی ان کو کشاں کشاں یہاں کھینچ کر لائی ہے — ہم آپ سے اس کے سوا کسی اور چیز کے سائل نہیں کہ آپ اس عظیم اور تاریخ ساز کردار کو دنیا کے اسٹیج پر پھر پیش کریں، جس کے ساتھ نسل انسانی کی قسمت وابستہ ہے، آپ سے عالم اسلام کی آنکھیں ایکبار پھر ٹھنڈی ہوں اور مجروح انسانیت کو اپنے زخم کا مرہم اور درد کا درماں ملے۔

عالی مرتبت امام حرم مکی الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ آل الشیخ کی خدمت میں ندوۃ العلماء کا سپاسنامہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

عالی مرتبت شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ آل الشیخ، عزت مآب شیخ سید جندول و ڈاکٹر احمد توتونجی!

ہمارے لئے بڑے فخر و مسرت کی بات ہے، بلکہ یہ کہنا کچھ بے جا نہ ہوگا کہ ہماری تاریخ کی اُن چند عظیم مسرتوں اور مبارک تقریبوں میں اس کا شمار ہے، جس کو ملت اسلامی ہند کبھی فراموش نہیں کر سکتی، آج ہم کو اس معزز و محبوب ملک کے لائق صد احترام مہمانوں کے خیر مقدم کا شرف حاصل ہو رہا ہے جن کے لئے تمام مسلمانوں کے دل فرش راہ ہیں۔ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ان معزز مہمانوں میں امام حرم مکی بھی جلوہ افروز ہیں، یہ وہ حرم مبارک ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کے لئے جائے امن اور جائے پناہ بنایا ہے اور جس کی محبت و عقیدت ہر مسلمان کے دل میں موجزن ہے اور حرم کعبہ کا لفظ سنتے ہی ایک برقی رو اس کے خوابیدہ و افسردہ جذبات کو زندہ و بیدار کر دیتی ہے۔ اس محبت و عقیدت کے نمونے، احسان شناسی کے یہ بیکراں جذبات اور کبھی کبھی عقیدت کے یہ حد سے بڑھے ہوئے مظاہرے آپ کو اس سفر میں جا بجا دیکھنے میں آئے ہوں گے۔

مہمانانِ عزیز! ہمارے اس ملک میں آغازِ اسلام کی داستان عرب کے قبیلۂ ثقیف کے ایک جواں سال، جواں ہمت، مرد مومن و مجاہد (محمد بن قاسمؒ) سے وابستہ ہے۔ یہی وہ نقطۂ آغاز ہے جب یہ ملک پہلی مرتبہ توحید خالص کے عقیدہ، انسانی مساوات کی تعلیم اور قرآن و سنت کی روشنی سے آشنا ہوا، پھر یہاں ایمان کی ایسی باد بہاری چلی جس کی نظیر قریب کے دوسرے ملکوں میں نہیں ملتی۔ آج ہم اس زرّیں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کے اس عظیم احسان کا اعتراف کرتے ہیں، آپ کو اپنی محبت و وفاداری کا خراج پیش کرتے ہیں اور آپ کے سامنے اس عہد کی دوبارہ تجدید کرتے ہیں کہ انشاء اللہ دین کے ساتھ وفاداری، جادۂ حق پر استقامت اسلام کی ابدیت پر یقین محکم ہمارا شعار رہے گا۔

ہندوستان کا شاندار اسلامی تمدن اور اسلامی تاریخ دراصل اسی روشنی کی رہین منت ہے جس کو لے کر آپ کے اسلاف اور اوّلین رہنما دنیا میں نکلے تھے، آج مملکت عربیہ سعودیہ میں اسلامی احکام کا نفاذ، کتاب و سنت اور عقیدہ کی صحت و درستگی پر زور اور اسلامی اتحاد و اخوت کی جو دعوت ہمیں نظر آرہی ہے اور مسلمانوں کے مسائل سے مملکت سعودیہ کی جو دلچسپی و وابستگی ہے وہ سب اسی نورِ ایمان کی کرنیں ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں آل سعود کا بڑا حصہ ہے جنھوں نے بارہویں صدی ہجری کی اس دینی دعوت کو اپنا لیا جو اس عہد کی عظیم ترین اصلاحی تحریک اور کوشش تھی۔ اور اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ ان کو حرمین شریفین کی خدمت اور اسلام کی نصرت کی توفیق و سعادت عطا کی۔ اس میں اس مشہور علمی و دینی خاندان کا برابر حصہ رہا ہے جو آل الشیخ کے نام سے موسوم و معروف ہے۔

مہمانانِ کرام! ہمارا یہ دار العلوم جو آپ کی آمد آمد کی خوشی میں آج اپنے نصیب پر خود رشک کر رہا ہے آپ کے ساتھ کئی رشتوں سے وابستہ ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ قلب و نظر کی جامعیت وسائل و مقاصد کی ہم آہنگی، اصول پر اصرار، اور انسانی تجربات سے استفادہ کی صلاحیت پر قائم کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس نے دینی علوم کے ساتھ اپنی توجہ عربی زبان و ادب پر خصوصیت سے مرکوز رکھی ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ ایک نامور ادیب صاحب قلم نے اس کے متعلق یہ کہا کہ "یہ ہندوستان کے وسیع صحرا میں ایک سرسبز و شاداب عربی نخلستان ہے"۔ خدا کا شکر ہے کہ فرزندانِ ندوہ نے اس زبان کو ہمیشہ تحریری اور تقریری طور پر اظہارِ خیال اور دعوت کا ذریعہ بنایا۔

ندوۃ العلماء اس کامل و جامع اسلام کا داعی ہے جو ہر شخص کو اس کا جائز حق دیتا ہے، عقل کو جلاء اور دل کو روشنی و معرفت عطا کرتا ہے، اخلاق کو سنوارتا ہے، حیاتِ انسانی کی تنظیم نو کرتا ہے، قوموں کی رہنمائی کرتا ہے، تہذیب و تمدن کی بنیادیں استوار کرتا ہے، خفتہ صلاحیتوں کو بیدار اور فطرت کے خشک سوتوں کو روانی بخشتا ہے، جو مردم ساز بھی ہے اور آدم گر بھی، عہد آفریں بھی ہے اور جہاں آرا بھی، نہ وہ چوب خشک کی طرح جامد و بے جان ہے نہ پانی کی طرح رقیق و سیال، نہ اس میں ترک دنیا اور رہبانیت ہے، نہ زندگی کی بوالہوسی، مادہ پرستی اور دولت و قوت کی پرستش۔ یہ وہ دین خالص ہے جس کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے، قرآن مجید نے اس کے اصول وضوابط بتائے، صحابہ کرامؓ اور ان کے غلاموں کے غلاموں نے جو دماغ و دل، عقیدہ و عمل اور اخلاص وللّٰہیت اور جہاد و سرفروشی کے جامع تھے اس کو برت کر دکھایا۔

یہ جامعیت قلب و نظر جو آج بہت کمیاب ہے ہماری موجودہ دنیا کی سب سے بڑی ضرورت ہے جو توازن و اعتدال کے راستہ سے بہت دور ہوتی جا رہی ہے، آج اس کے پاس ایسے ماہرین فن ہیں جو روح و ضمیر سے خالی ہیں یا ایسے درد مند دل ہیں جو امورِ دنیا سے بے خبر ہیں، ندوۃ العلماء نے اسی قسم کے جامع الصفات انسانوں کی تیاری کا بیڑہ اٹھایا ہے جن کو قرآن مجید میں (أولی الأیدی والأبصار) "یعنی قوت دست و بازو رکھنے والے اور بصارت و بصیرت کے حامل" کہا ہے۔ اور جس کو ایک اسلامی شاعر

نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے

نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو ؎ رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

ندوۃ العلماء نے اپنے قول و فعل سے، زبان و قلم سے اور اپنی دعوت و خدمت سے جہاں تک ہو سکا ہے اس طرح کے نمونے تیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ الحمد للہ کہ ہماری یہ کوشش رائیگاں نہیں گئی، بلکہ اس کے بہترین ثمرات ظاہر ہوئے۔

اس مبارک موقع اور پر مسرت اور یادگار تقریب میں ہم اس محترم وفد کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جس میں امام حرم کی تشریف فرمائی کے ساتھ ساتھ سعودی عرب کی وزارت تعلیم اور نوجوانوں کی عالمی تنظیم کی بھی نمائندگی موجود ہے۔ تعلیم اور نوجوانوں کی رہنمائی و تنظیم نے آج جو اہمیت حاصل کر لی ہے اور مستقبل کی تشکیل اور سیرت کی تعمیر میں اس کا جو حصہ ہے اس بنیاد پر ہم یہ کہنے کی جسارت کرتے ہیں کہ، مسلمانوں کا یہ عظیم اجتماع جس میں نہ صرف لکھنؤ بلکہ قرب و جوار اور دور دراز علاقوں کے مسلمان محض اپنے شوق اور دینی جذبہ سے شریک ہوئے ہیں، وہ کسی عہدہ و منصب کے نام پر جمع نہیں ہوئے۔ بیت اللہ کا نام نامی اور نسبت گرامی ان کو کشاں کشاں یہاں کھینچ کر لائی ہے،

وہ آج سعودی حکومت اور آپ جیسے صاحبانِ فضل و کمال اور اس ملک کے ذمہ داروں اور علماء سے بجا طور پر اس کی توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس عظیم نسبت کے . . . . اہل ثابت ہوں گے اور امت مسلمہ کی ہدایت و قیادت کی اس سطح کا پورا خیال رکھیں گے جس نے اس امت کو دنیا کی دوسری قوموں سے ممتاز کیا ہے، ہمیں امید ہے کہ ان کی ساری صلاحیتیں اور طاقتیں نیز ان کی سرزمین کے مخفی خزانے اس روشنی کو پھیلانے اور انسانیت کی اس دعوت کو عام کرنے اور بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے وقف ہوں گے۔ اور وہ انسانیت کی مسیحائی و چارہ سازی کے لئے اسی طرح آگے بڑھیں گے جیسے کبھی ان کے اسلاف نے آگے بڑھ کر ایک نئی تاریخ بنائی تھی اور انسانیت، تہذیب و تمدن اور علم و دانش کو زندگی کی نئی قسط بلکہ ایسا عروج بخشا تھا جس کے زندہ نمونے دمشق، بغداد، قاہرہ، غرناطہ و قرطبہ، بخارا و سمرقند، ملتان و لاہور، دہلی و لکھنؤ جیسے ناموں سے تاریخ کی پیشانی پر درخشاں، تاباں اور جاوداں ہیں۔

عالی مرتبت و معزز مہمانانِ کرام اور پاسبانِ حرم!

آج تاریخ بڑی امیدوں اور آرزوؤں کے ساتھ آپ کی طرف دیکھ رہی ہے، وہ سانس روک کر اس کی منتظر ہے کہ آپ اس نازک موقع پر دنیا کے سامنے کیا کردار پیش کرتے ہیں۔

وہ اشتیاق، بے چینی اور کسی قدر اندیشہ کے ساتھ آپ کی طرف نگاہیں لگائے ہوئے ہے۔ آج آپ کے شاگرد اور خوشہ چین جن کو علم و ایمان اور حدیث و قرآن کے اس خوان نعمت کی ریزہ چینی پر فخر ہے، آپ سے اس کے سوا کسی اور چیز کے سائل نہیں کہ آپ اس عظیم اور تاریخ ساز کردار کو دنیا کے اسٹیج پر پھر پیش کریں، جس کے ساتھ نسل انسانی کی قسمت وابستہ ہے، آپ سے عالم اسلام کی آنکھیں ایک بار پھر ٹھنڈی ہوں، اور مجروح انسانیت کو اپنے زخم کا مرہم اور اپنے درد کا درماں ملے۔ نامناسب نہ ہوگا اگر میں اس مبارک اور اہم موقع پر وہ چند جملے یہاں پھر دُہراؤں جو ندوۃ العلماء ہی کے ایک فرزند اور دین کے ایک داعی نے انسانیت کی طرف سے جزیرۃ العرب کو مخاطب کرتے ہوئے آپ ہی کے ریڈیو اسٹیشن سے آج سے چند سال پہلے کہے تھے اور اس میں جزیرۃ العرب سے انسانیت کی دادخواہی کی تصویر پیش کی تھی،

"اے جزیرۃ العرب! تو نے بلاشبہ مجھے پٹرول کا بہت بڑا ذخیرہ عطا کیا ہے، جس سے میرے کارخانے اور مشینیں رواں دواں ہیں اور زندگی کا پہیہ بہت تیزی کے ساتھ گھوم رہا ہے، میں تیرا یہ احسان پوری طرح مانتا ہوں اور تو نے میری جو مدد کی ہے اسکا شکر گذار بھی ہوں، لیکن اے جزیرۃ العرب! اے مبارک سرزمین! اے نبی رحمت کا وطن و مسکن! میں تجھ سے اس زر سیال سے زیادہ بیش قیمت تحفہ کی منتظر تھی، میں تو اس کی منتظر تھی کہ تو کشتی حیات کی صحیح سمت کی طرف رہنمائی کرے گا اور زندگی کے اس پیچیدہ گورکھ دھندے سے نکالے گا، جس سے دنیا کے تمام فلسفی، مفکر و اہل علم اور ماہرین فن عاجز و ناکام ہو چکے ہیں۔

اے جزیرۃ العرب! میری درخواست ہے کہ تو نبوت کی روشنی، اپنے پیغام ابدی کی قوت، ایمان و یقین کی دولت اور شریعت آسمانی اور ہدایت اسلامی کے نور سے اس ڈوبتی ہوئی کشتی کو بھنور سے نکالے — جزیرۃ العرب تو میرے ہی جسم کا ایک حصہ ہے اور میرے ہی جگر کا ٹکڑا ہے، اس لئے میرے ساتھ جو اچھائی یا برائی گذرے گی اس کا اثر تجھ کو بھی پہونچے گا، ایسا نہیں ہو سکتا کہ تو مجھ سے الگ تھلگ ہو کر زندگی گذار سکے، اس لئے اگر تو نے اس موقع پر میری دادرسی کی اور میری ہدایت و اصلاح کا سامان کر لیا تو اس کا فائدہ تجھی کو پہونچے گا۔ اور اگر ایسا نہیں کیا تو اس کا تاوان بھی تجھی کو ادا کرنا ہوگا"

آخر میں ہم کارکنانِ ندوۃ العلماء اور اراکین اور اسلامیانِ ہند کی طرف سے اپنے دل کی گہرائیوں سے آپ سب حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور آپ کے لئے خدا کے حضور دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے، اپنے انعامات سے مالا مال فرمائے۔ صحیح رُخ اور صحیح طریقۂ کار کی طرف ہم سب کی رہنمائی کرے۔ ملاقات اور تبادلۂ خیال کے یہ مواقع بار بار آئیں، ہمارے روابط و تعلقات روز بروز مستحکم ہوں اور اس شیریں خواب کی تعبیر ظاہر ہو جس کی طرف کچھ اشارے ابھی کئے گئے ہیں، ہمارا رشتہ اسلام کے اس عظیم و بیکراں وطن کا مقدس اور لازوال رشتہ ہے جو جغرافیائی حد بندیوں اور مصنوعی اور خانہ ساز تقسیموں سے بالاتر ہے ؎

تیرا افق بے ثغور، تیری زمیں بے حدود
تیرے سمندر کی موج دجلہ و دینوب و نیل

آپ کے دینی بھائی اور محب و مخلص
کارکنان و اراکین ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۴ صفر ۱۳۹۸ھ
۳ فروری ۱۹۷۸ء

بقیہ صفحہ ۳: اداریہ: آبادی والے اس وسیع و عریض ملک میں یہ احتجاج نقارخانہ میں طوطی کی آواز بھی گئی ہو، لیکن حکومت کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پوری دنیائے اسلام کے نزدیک اپنی جان، مال، عزت و آبرو، سب سے زیادہ عزیز ہے، مسلمانانِ عالم اسے برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی شخص محسن انسانیتؐ اور آپؐ کے اہل بیت، ازواج مطہرات اور صحابہؓ کی شان میں کسی قسم کی اہانت کرے۔ جمہوریت اور پریس کی آزادی کے نام پر لاقانونیت اور افراتفری کی جو فضا ملک میں پیدا ہو رہی ہے، اب اسکی زد میں دینی اور روحانی مقتدا بھی آگئے ہیں، اور حکومت اس قسم کی گستاخیوں پر سخت اقدام اور اسکے تدارک کی بجائے خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے، ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ بلا تاخیر اس گستاخ رسالہ کے مدیر، پرنٹر، پبلشر، مضمون نگار کے خلاف قانونی کارروائی کرے، ساتھ ہی ہم مسلم رہنماؤں، اداروں اور عوام و خواص سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ پُرامن احتجاج اور حکومت کے ذمہ داروں تک اپنی آواز پہونچانے کی مہم اس وقت تک جاری رکھیں جب تک مجرموں کو سزا نہیں ملتی۔ حکومت کی ڈھیل اور رسالہ "کاروان" کی جرأت پر ہمیں حیرت ہے کہ وہ مسلسل مسلمانوں کی دل آزاری پر مشتمل مضامین شائع کر رہا ہے، اس پرچہ کی حالیہ اشاعت میں ایک مضمون "تاریخ کے کچھ ٹکڑے" شائع ہوا ہے، اسمیں لکھا ہے: "آزادی سے قبل ہندوستانی مسلمان عام طور پر یہ چاہتے تھے کہ اس ملک کو جس میں ہندوؤں کی اکثریت ہے غیر ملکی غلامی سے آزادی نہ حاصل ہو" مسلمانوں پر یہ کتنا بڑا الزام ہے، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، حضرت مدنیؒ، مولانا محمد علی مرحوم، مولانا آزادؒ، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار انصاری جیسے جنگ آزادی کے ہزاروں رہنماؤں اور کارکنوں کا تعلق کس قوم سے تھا؟ "کاروان" کے خلاف منظم اور پُرامن مہم ہماری دینی اور ملی حمیت کا تقاضہ ہے۔

> **اعتراف و تشکر:** رودادِ سفر بالموہ کی تقریروں کو ٹیپ ریکارڈ سے قلمبند کرنے میں علاء الدین ندوی بجنوری، محمد عیسیٰ چمپارنی، عادل حسین سیوانی، محمد عظم دربھنگوی، فاروق عالم پورنوی، غلام ربانی، محمد اقبال جھنگلی، ان طلبہ نے تعاون کیا، اللہ تعالیٰ انکے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔ (ادارہ)

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا

عالی مرتبت امام حرم مکی اور ان کے معزز رفقاء کے لکھنؤ تشریف آوری کا آنکھوں دیکھا حال

از
مولوی حافظ
محمد نعیم صدیقی ندوی
ایم - اے
(رفیق دار المصنفین)

ابھی اہالیان لکھنؤ دو سال قبل منعقد ہوئے ندوۃ العلماء کے مہرجان تعلیمی کی خوشگوار اور سحر انگیں یادوں سے مسحور ہی تھے کہ ۲۴ فروری ۸۲ء کو اس تاریخی و تہذیبی شہر کے در و دیوار نعرۂ تکبیر کی صداؤں سے پھر گونج اٹھے، اور چشم فلک نے سرزمین لکھنؤ پر وہ مفقود النظیر سماں دیکھا جس کی روح پرور یاد جدید نسل کے دلوں کو ایمان و یقین کی حرارت سے مدتوں گرم کرتی رہے گی۔

جنوری کی آخری تاریخیں تھیں کہ دہلی کے ایک ٹیلگرام کے ذریعہ لکھنؤ یہ خبر پہونچی کہ مرکز اسلام اور سرچشمۂ رشد و ہدایت حرم کعبۃ اللہ کے امام شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن حسن آل الشیخ اپنے دو رفقاء شیخ سعید الجندول (نائب وزیر تعلیم حکومت سعودی عرب) اور ڈاکٹر احمد توتونجی (سکریٹری عالمی انجمن شباب اسلامی) کے ساتھ سرزمین لکھنؤ پر رونق افروز ہو رہے ہیں۔ اور پھر یہ مژدۂ جانفزا نہایت برق رفتاری کے ساتھ نہ صرف شہر لکھنؤ بلکہ پورے صوبہ کے گوشے گوشے میں پہونچ گیا۔ راقم سطور بھی دار المصنفین سے مخدومی مولانا عبد السلام قدوائی ندوی اور اپنے رفیق عزیز عمیر الصدیق ندوی کی معیت میں ۲۰ تاریخ کی شام کو ندوہ پہونچ گیا اور وہاں شہر میں زندگی کی جو لہر، جوش و خروش کا جو عالم، ایمانی حمیت کی جو کیفیت اور مسرت و شادمانی کا جو سماں دیکھا اس سے دل و دماغ پر وہ کیف آگیں کیفیت طاری ہوئی جس کی صحیح مرقع کشی کے لئے راقم ذخیرۂ الفاظ کو تہی دامن پاتا ہے۔

یوں تو سرزمین قدس سے آنے والے معزز مہمانوں کے استقبال کے لئے کئی روز پہلے سے پورا لکھنؤ چشم براہ ہو گیا تھا اور دیدہ و دل فرش راہ کر چکا تھا لیکن ۲۰ فروری کی شب خصوصیت کے ساتھ اہالیان لکھنؤ نے عالم انتظار و اضطراب اور نیم خفتہ حالت میں

گذاری، اور صبح ہوتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے ایمان کی باد بہاری اموسی ہوائی اڈے کے رخ پر چل پڑی ہو۔ سرکاری محکمہ نقل و حمل نے شہر کے مختلف علاقوں سے تقریباً تیس خصوصی بسوں کا اہتمام کیا تھا۔ ان کے علاوہ نجی بسوں، ٹیکسیوں، اسکوٹروں اور سائیکلوں کے قافلے کشاں کشاں مرکز نقل اموسی کی طرف رواں دواں تھے، ندوہ کے ایک مجاہد صفت کارکن اور اپنے مخلص دوست سید قمر علی ندوی کی عنایت سے راقم کو بھی

ایک ریزرو بس میں جگہ مل گئی تھی، ندوہ سے ہوائی اڈہ تک جا بجا خیر مقدمی گیٹ نصب تھے عالم باغ میں سکھوں کی جانب سے بھی ایک استقبالیہ گیٹ بنایا گیا تھا جہاں سکھ پرتی ندھی بورڈ کے ارکان نے معزز مہمانوں کا خیر مقدم پھول کے هاروں سے کر کے قومی اتحاد و یکجہتی کا نمونہ پیش کیا۔

ہوائی اڈہ پر موٹروں اور بسوں کا ایک جنگل اور انسانی جسموں کا ایک متموج سمندر تھا۔ معمر ترین اور عہد مبصر لوگوں کا بیان ہے کہ اموسی ہوائی اڈہ کی پوری

تاریخ میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے ایسے عہد ساز استقبال کی نظیر نہیں ملتی۔ نعرۂ تکبیر کے فلک شگاف نعروں اور اھلاً و سھلاً مرحبا کی دلنواز صداؤں سے ساری فضا گونج اٹھی۔ منتظمین ندوہ نے محترم امام حرم اور دوسرے معزز مہمانوں کے قیام کا حسب امکان شایان شان انتظام مشہور کلارک اودھ ہوٹل میں کیا تھا۔ یہ جمعہ کا دن تھا پہلے سے یہ اعلان عام ہو چکا تھا کہ امام حرم ندوۃ العلماء کی مسجد میں نماز جمعہ کی امامت فرمائیں گے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ تھا کہ اس دن نہ

صرف لکھنؤ شہر کی کسی مسجد میں جمعہ کی نماز نہ ہو سکی بلکہ قریب کے شہروں سے مخصوص بسوں کے قافلے اور مضافات کے دیہاتوں کے پرجوش مسلمانوں کے کارواں صرف جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے ندوہ پہونچنے لگے اور ۲۰ تاریخ کی شب ہی میں ندوہ کی وسیع مسجد کا بڑا حصہ پُر ہو چکا تھا۔

۲۶ فروری کی صبح کو شہر کی تمام سڑکوں پر انسانی ہجوم ایک بہتے دریا کی مانند گومتی کے جنوب میں واقع اس عالمی منبع علم (ندوہ) کی جانب رواں دواں تھا۔

معزز مہمانوں نے حضرت مولانا علی میاں کی معیت میں پہلے کتب خانہ شبلیؒ کا معائنہ کیا۔ یہ کتب خانہ جو مختلف علوم و فنون کی تقریباً ڈیڑھ لاکھ مطبوعہ و مخطوطہ کتابوں کا مخزن ہے، ایشیا کے چند اہم کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے۔ بھی مولانا اسحٰق جلیس ندوی نے جب سے اس کی تنظیم نو کی ذمہ داری سنبھالی ہے اس کی اہمیت و افادیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ موصوف نے ندوہ کے گذشتہ جشن تعلیمی کے موقع پر جو تاریخی علمی نمائش . . . بڑی محنت سے سجائی تھی، اس کے آثار باقیات آج بھی دامن دل کو اپنی طرف کھینچتے اور دعوت فکر و نظر دیتے ہیں۔ چنانچہ امام حرم مکی اور ان کے رفقاء اسے دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔

کتب خانہ میں چائے نوشی کے بعد معزز مہمان اجلاس عام سے خطاب کرنے کے لئے مرصع اسٹیج پر تشریف لائے۔ اس وقت تک حرارت ایمانی اور حمیت اسلامی سے پُر جوش جم غفیر سے ندوہ کا وسیع و عریض میدان اپنی تنگ دامانی پر شکوہ سنج ہونے لگا تھا۔

ٹھیک ۱۱ بجے قاری ودود الحی ندوی کی خوش الحان تلاوت قرآن سے اس استقبالیہ جلسہ کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد اراکین و کارکنان ندوۃ العلماء کی جانب سے معزز مہمانوں کی خدمت میں مولانا واضح رشید ندوی نے اپنے مخصوص و منفرد لب و لہجہ میں عربی سپاسنامہ پیش کیا، جس کا اردو ترجمہ استاذی مولانا سعید الرحمٰن صاحب ندوی نے پڑھ کر سنایا۔ بلاشبہ اس سپاسنامہ میں نور ایمان و یقین کی کرنیں بھی تھیں، جذبات تشکر و امتنان کی فراوانی بھی اور جرأت حق گوئی کے بصیرت افروز مظاہر بھی۔ ان تمام محاسن کی قوس قزح نے اس سپاسنامہ کو شاہکار بنا دیا ہے۔ سپاسنامہ میں لائق صد احترام مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس ملک میں اسلام کے آغاز و ارتقاء کی مختصر و جامع داستان بیان کی گئی تھی۔ پھر ندوۃ العلماء اور اس کے دار العلوم کا تعارف کراتے ہوئے اس کے امتیازات و کارناموں کی وضاحت کی گئی

"ایک ھی صف میں کھڑے ھو گئے محمود و ایاز"

تھی۔ اس کے بعد پاسبان حرم اور عالی مرتبت مہمانان کرام کی خدمت میں بڑی جرأت کیساتھ یہ عرض کیا گیا تھا کہ "آج تاریخ بڑی امیدوں اور آرزوؤں کے ساتھ آپ کی طرف دیکھ رہی ہے، وہ سانس روک کر اس کی منتظر ہے کہ آپ اس نازک موقع پر دنیا کے سامنے کیا کردار پیش کرتے ہیں، وہ اشتیاق بے چینی اور کسی قدر اندیشہ کے ساتھ آپ کی طرف نظریں لگائے ہوئے ہے۔ آج آپ کے شاگرد اور خوشہ چین جن کو علم و ایمان اور حدیث و قرآن کے اس خوان نعمت کی ریزہ چینی پر فخر ہے آپ سے اس کے سوا کسی اور چیز کے سائل نہیں کہ آپ اس عظیم اور تاریخ ساز کردار کو دنیا کے اسٹیج پر پھر پیش کریں جس کے ساتھ نسل انسانی کی قسمت وابستہ ہے، آپ سے عالم اسلام کی آنکھیں ایک بار پھر ٹھنڈی ہوں اور مجروح انسانیت کو اپنے زخم کا مرہم اور اپنے درد کا درماں ملے۔"

(یہ پورا سپاسنامہ ناظرین تعمیر حیات کے اسی شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں گے)۔

اس کے بعد حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے امام کعبۃ اللہ سے اجتماع کو خطاب کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ آل الشیخ وقار و متانت کا پیکر اور فضل و تقدس کا مجسمہ بن کر اپنی جگہ کھڑے ہوئے، اور حمد و ثنا کے بعد تقریر شروع کی۔ انہوں نے سرزمین ہند پر علوم اسلامیہ کی تعلیم اور اشاعت دین کے لئے ندوۃ العلماء جیسے عظیم ادارہ کے وجود پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ،

"ہمارے آپ کے درمیان اسلام کا رشتہ ہے اور یہ تعلق دنیا کے تمام تعلقات سے زیادہ قوی ہے اور ہم صرف اسی رشتۂ اخوت کے باعث آپ سے ملنے اتنی دور سے چلے آئے ہیں۔ یاد رکھئے اسلام دنیا کے تمام مذاہب میں اس حیثیت سے منفرد ہے کہ وہ ایک مکمل نظام حیات کا حامل ہے اور صرف یہی نظام دنیا کو تباہی و بربادی سے بچا سکتا ہے، اسی میں دین و دنیا دونوں کی فلاح و کامرانی کا راز مضمر ہے۔ آفتاب اسلام طلوع ہو جانے کے بعد اب دنیا میں کسی مذہب کی گنجائش نہیں ہے، ان الدین عند اللہ الاسلام اور جو کوئی شخص اس کے علاوہ کوئی مذہب اختیار کرتا ہے وہ مسلمان مسلسل خسارے میں ہے، ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ، اسلام کی تعلیمات کو اپنی عملی زندگیوں میں رچا کر ہی ہم بنی نوع انسان کی کوئی خدمت کر سکتے ہیں۔

شیخ حرم نے عربوں کی معروف زبان دانی اور شان خطابت کے ساتھ اپنی تقریر کو برمحل قرآنی آیات سے مزین کرتے ہوئے فرمایا، "اسلام اتحاد و اتفاق کا مذہب ہے وہ اختلاف و نزاع باہمی سے روکتا ہے اس لئے آپ لوگ اپنے تمام جزوی اختلافات پس پشت ڈال کر دین کی رسی کو پختگی سے پکڑ لیجئے۔" امام محترم نے حضرت مولانا علی میاں اور ندوہ کی ان مساعی کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا جو وہ دینی، علمی اور تعلیمی میدانوں میں کر رہے ہیں۔

موصوف نے یہ بھی کہا کہ اسلامیان ہند کے لئے مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اور ندوۃ العلماء ایک منارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں، جس سے ہر شخص کو فیضان حاصل کرنا چاہئے۔

امام حرم شریف کی تقریر دلپذیر کا اردو ترجمہ نہایت شگفتگی و روانی کیساتھ مولانا سعید الرحمٰن صاحب ندوی نے کیا۔

اس کے بعد سعودی عرب کے نائب وزیر تعلیم شیخ سعید الجندول نے اہالیان لکھنؤ کے گرمجوشانہ استقبال اور جذبۂ محبت و اخلاص کے غیر معمولی مظاہرہ پر شکر و مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہم تمام دنیا کے مسلمان کلمۂ توحید، عقیدہ رسالت اور قرآن کی وحدت کے باعث باہم ایک رشتہ میں منسلک ہیں۔ اس لئے آپ سے ملنے کی ہمیں فطری طور پر بڑی خواہش تھی۔ شکر ہے کہ آج ہماری یہ دیرینہ تمنا پوری ہو رہی ہے۔ موصوف نے فروغ اسلام کے لئے سعودی حکومت کی کوششوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا کہ حکومت مکہ اور مدینہ میں اسلامی یونیورسٹی قائم کر رہی ہے جو متحدہ طور پر دین کی اشاعت کا کام انجام دیں گی۔ اشاعت اسلام کا کام کرنے والا درحقیقت مجاہد فی سبیل اللہ کے مانند ہے۔ اور اس کے لئے وہی اجر و انعام مقدر ہے جو اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے لئے مقرر ہے۔ شیخ نے آخر میں بڑے خاص جذباتی انداز میں فرمایا کہ ہم باہم جس اٹوٹ رشتہ میں منسلک ہیں اس کو اپنے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں اور عملی زندگیوں میں رچانے کی ضرورت ہے۔ یاد رکھیں ہم زندگی کے ہر مرحلہ میں آپ کے ہم عنان اور ہم نوا رہیں گے۔ خدا ہمیں اور آپ سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

شیخ جندول کی تقریر کی اردو ترجمانی کا فریضہ مولانا اسحاق جلیس ندوی نے بحسن و خوبی انجام دیا۔

پھر انجمن شباب اسلامی ریاض کے جوائنٹ سکریٹری ڈاکٹر احمد توتونجی نے اجتماع کو خطاب کیا۔ ان کی مادری زبان تو عربی ہے۔ لیکن وہ انگریزی میں زیادہ موثر تقریر کرتے ہیں، چنانچہ موصوف نے رواں اور فصیح انگریزی زبان میں خطابت کے جوہر دکھاتے ہوئے فرمایا کہ،

اسلام امن و اتحاد اور مساوات و یکجہتی کا پیام بر ہے، آج زندگی کے تمام شعبوں میں مادیت کی دبیز تہیں جمی ہوئی ہیں ان کو صرف اسلامی شعائر، انسانی قدروں اور قرآن و سنت کی روشنی میں چل کر ہی دور کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کی تقریر کا فصیح اردو میں ترجمہ جناب حبیب الحق ندوی نے کیا۔ جو کیپ ٹاؤن (جنوبی افریقہ) میں اسلامیات کے استاد ہیں، خوش بختی سے اس وقت ندوہ آئے ہوئے تھے۔

آخر میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے نہایت موثر، ولولہ انگیز اور پرزور تقریر کی۔ راقم نے ندوہ کے مہرجان تعلیمی کے موقع پر مخدوم موصوف کی متعدد تقریریں سنی تھیں۔ اور اس وقت خیال کیا تھا کہ یہ زور خطابت اور اثر انگیزی کی انتہا ہے، لیکن اس بار امام حرم کے استقبالیوں میں حضرت مولانا مدظلہ کی تین تقریریں سننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ دو اردو اور ایک عربی میں۔ یوں معلوم ہوا کہ:

"ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں"

ایک ایک لفظ سے خلوص و صداقت کا چشمہ ابلتا محسوس ہو رہا تھا، دل کی دنیا فرط تاثر سے نہال تھی۔ مولانا مدظلہ نے پہلے معزز مہمانوں کا نہایت گرمجوشانہ خیر مقدم کرتے ہوئے فرمایا:

"بلاشبہ آپ اس سرزمین اقدس سے تشریف لائے ہیں جسے ہر مرد مومن اپنا قیمتی ترین ورثہ تصور کرتا ہے وہ سرزمین جو دین کا مرکز اور ہدایت کا منبع ہے۔ وہیں سے ساری دنیا کو ایک عظیم پیغام اور ایک ہمہ گیر روشنی کی دولت ملی ہے۔

نماز جمعہ، سب سے پہلے دار العلوم ندوۃ العلماء کے میدان میں جلسۂ عام، ـــــ صرف ایک گوشہ

آج یہ نظر کے سامنے انسانی ہجوم کا جو سیلاب امنڈ رہا ہے، جذبات عقیدت و محبت کے انگوٹے، اور بیدار دل و ضمیر کی سوغات لے کر آیا ہوا تاحد نظر فرزندان اسلام کا یہ عظیم اجتماع اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ مہمانان کرام جس پیغام کے امین اور جس دعوت و تبلیغ کے باعث لائق صد احترام ہیں، ہم مسلمانان ہند کا حق اس اسلام پر کسی اسلامی ملک سے کم نہیں ہے،

سرزمین ہند پر اسلام کی باد بہاری چلنے کا مؤثر انداز میں ذکر کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ اس ملک کے مسلمان اپنے دین سے محبت کرنے اور اس کی سربلندی کے جد و جہد کرنے میں دنیا کے کسی بھی مسلم ملک وہ پاکستان ہو یا عراق، ایران ہو یا مصر وغیرہ یہاں تک میں جرأت کرکے کہہ سکتا ہوں کہ خود سعودی عرب سے بھی پیچھے نہیں ہیں، حرم کی پاسبانی کے لئے نیل کے ساحل سے لے کر خاک کاشغر تک کے مسلمان یکساں متحد ہیں۔

ایک ہوں مسلم حرم پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر

حضرت مولانا مدظلہ نے دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہوئی مرتعش آواز میں فرمایا کہ خدا نے مجھے بحمد اللہ جرأت حق گوئی عطا کی ہے، اس لئے میں ان معزز مہمانوں سے ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں۔ اور لکھنؤ والے بھولے نہ ہوں گے کہ میں نے دو سال قبل اسی میدان میں عرب ممالک کے بکثرت نمائندوں کی موجودگی میں، بصراحت اس حقیقت کا اظہار کیا تھا کہ یہ بلاشبہ درست ہے کہ ہمیں اسلام کی قیمتی امانت آپ ہی کے نامور اسلاف کے ذریعہ ملی تھی، لیکن ہم نے اس ملک میں اسلام کی حفاظت و بقا اور ترویج و اشاعت کی جو محیر العقول جد و جہد کی ہے اس کو آپ ملاحظہ فرمائیے۔ اس پر ہندوستان کا چپہ چپہ شاہد ہے۔ اور آج بھی اسی عظیم اجتماع کو شاہد بنا کر کہتا ہوں، سامنے مسجد کے بلند میناروں کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ہم ہندوستانی مسلمان اپنا اسلام میں کسی ملک کے مسلمان سے پیچھے نہیں ہیں، اسلام کا جو فرض ہم پر ہے اور ہمارا اسلام پر ہے ہم اسے بخوبی جانتے ہیں۔ ابھی ڈاکٹر توفیق نے مسلمانوں سے اتحاد و اتفاق کے ساتھ ملک و قوم کی خدمت کی جو اپیل کی ہے، ہم بحمد اللہ اپنی اس ذمہ داری سے ہمیشہ بحسن و خوبی عہدہ برآ ہوتے رہے ہیں اور کیوں نہ ہو ہم اس ملک کے مالی اور حقیقی معمار ہیں۔ محمد ابن قاسم کی اس سرزمین پر آمد سے لیکر

آجتک ہم نے اس ملک کو سنوارنے میں اپنی پوری توانائی اور بہترین صلاحیتیں صرف کی ہیں، ایسی صورت میں فطرت کا تقاضا ہے کہ ہم اس ملک کو تاراج ہوتے، اس کا نقشہ بگڑتے یا اسکو کوئی نقصان ہوتے کسی طرح گوارہ نہیں کر سکتے۔

پھر مولانا مدظلہ نے ابوالکلامی شان خطابت کے ساتھ آواز بلند کرتے ہوئے فرمایا، "خاک وطن کا ہر ذرہ ہم کو عزیز ہے، اس کی پوری تاریخ اور یہاں کے آثار و شواہد ہماری عظمت پارینہ کا شاہد عدل ہیں تاج محل کا حسن، قطب مینار کی بلندی، جامع شاہجہانی کا شکوہ و جلال اور لال قلعہ کی سطوت و عظمت اس حقیقت کا شہادت دیتی ہے کہ ؎

ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

اس ملک کے چپہ چپہ اور ذرہ ذرہ پر ہمارے اسلاف کے کارناموں کے گہرے نقوش مرتسم ہیں، ایسی صورت میں ہم مسلمانوں سے زیادہ اس ملک کا بہی خواہ اور وفادار کون ہو سکتا ہے، ہم اگر ایک طرف اسلام کے وفادار ہیں تو دوسری طرف اپنے وطن کے ساتھ بھی اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں ہیں۔"

یہ تھا مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، کی تقریباً ایک گھنٹہ کی تقریر کا خلاصہ و ماحصل۔ تعمیر حیات کے آئندہ خاص شمارہ میں ناظرین پوری تقریر کا متن ملاحظہ فرمائیں گے۔

جلسہ کے خاتمہ پر حضرت مولانا علی میاں نے اعلان فرمایا کہ یہ خوش بختی کی بات ہے کہ ابھی جمعہ کی نماز میں محترم امام کعبۃ اللہ جو خطبہ ارشاد فرمائیں گے اس کا اردو ترجمہ تیار ہو چکا ہے۔ آپ حضرات اس کو پہلے سن لیں تاکہ اصل خطبہ سے محظوظ ہو سکیں۔ یہ خطبہ (جو امام صاحب نے تحریری طور پر پڑھا تھا) امام حرم مکی کے اہم ترین خطبوں میں شمار ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس خطبہ کے لئے وہ خاص شہرت رکھتے ہیں خطبہ میں مسلمانوں کو وہ فرائض یاد دلائے گئے تھے جو کلمہ پڑھ کر مدعی اسلام ہونے کے بعد اس پر عائد ہوتے ہیں۔

اس کے بعد نماز جمعہ کے لئے معزز مہمان مسجد تشریف لے گئے۔ اس وقت تک مجمع کا یہ عالم ہو چکا تھا کہ جدھر دیکھئے تاحد نظر صرف نمازیوں کی صفیں ہی نظر آتی تھیں۔ ندوے

کی عمارتوں کی کوئی چھت خالی نہیں رہ گئی تھی، جہاں تک کہ نو تعمیر مہمان سیتو (منگی برت، تک نمازی پھیلے ہوئے تھے تجربہ کار مشاہدین تین سے پانچ لاکھ کے درمیان مجمع کا محتاط اندازہ لگاتے ہیں، لیکن اس زبردست مجمع نے جس غیر معمولی نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا اس سے سرکاری حکام بھی حیرت زدہ تھے مسلمانوں کا جوش و ولولہ قابل دید تھا۔ ہر شخص امام صاحب کو ایک نظر دیکھنے اور مصافحہ کرنے کے لئے بیچین تھا چنانچہ متعدد بار مہمان خانہ کی چھت پر آکر محترم امام صاحب کو مجمع کو زیارت اور دعا کرانی پڑی۔

شام کو ۵ بجے کلارک ہوٹل میں معزز مہمانوں کو دینی تعلیمی کونسل کی جانب سے ایک استقبالیہ اور عصرانہ دیا گیا جس کے لئے محدود دعوت نامے جاری کئے گئے تھے کونسل کے عربی سپاسنامہ میں جس کا اردو ترجمہ اس وقت حاضرین میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے گرامی قدر مہمانوں کی پاکیزہ جماعت کا استقبال کرتے ہوئے دلی مسرت اور فخر و شادمانی کا اظہار کیا گیا تھا پھر ہندوستان کے سیکولرزم کے ذکر کے بعد کہا گیا تھا کہ اس نظام حکومت کے تحت مسلمانان ہند اپنے دینی امور کے تحفظ کے خود ذمہ دار ہیں۔ ہمارا دین تقاضہ کر رہا تھا کہ ہم اپنے جگر گوشوں کو دینی تربیت اور قرآن و سنت کی تعلیم دیں اس مقصد کے لئے مسلمان اہل علم، ماہرین تعلیم و تربیت اور مفکرین ملت کے مشورے سے ۱۹۵۹ء میں دینی تعلیمی کونسل کا قیام عمل میں آیا جسے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی سرپرستی کا شرف حاصل ہوا جن کی شخصیت سارے عالم اسلامی میں اپنے دردمند و پرسوز دل، اپنی بلند نگاہی، اپنی وسعت علمی و دقت نظری، نئے رجحانات اور جدید علوم سے اپنی واقفیت اپنی علمی تصنیفات و دیگر خدمات اور اپنی دینی تڑپ کے لئے مشہور ہے۔

یہ عربی سپاسنامہ مولانا سعید الرحمٰن صاحب ندوی نے پڑھ کر سنایا اس کے بعد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے خالص عربی لب و لہجہ میں نہایت روانی و برجستگی کے ساتھ شگفتہ و ادیبانہ عربی زبان میں تقریر کی، انہوں نے فرمایا کہ "یہ معزز مہمان ایک ایسے ملک سے تعلق رکھتے ہیں جہاں دینی تعلیم کے فروغ کے لئے کروڑوں ریال سالانہ خرچ کئے جاتے ہیں۔ میں خاص طور پر ڈاکٹر احمد توفیق کے علم کے لئے عرض کرتا ہوں کہ آپ لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ہم کن حالات میں اور کس طریقہ سے دینی تعلیم کا کام کر رہے ہیں ہم نے نہایت بے سر و سامانی، بے بضاعتی اور گوناگوں مالی مسائل کے باوجود اپنی جدید نسل کی دینی تعلیم کے تحفظ کا جو کام کیا ہے وہ حیرت انگیز ہے آپ

اسی سے اندازہ لگائیے کہ ہم نے اس کے مصارف کے لئے چٹکی نظام قائم کیا یعنی مختلف مکانوں میں گھڑے تقسیم کر دئے جاتے ہیں گھر کی عورت اس میں ایک ایک چٹکی آٹا ڈالتی رہتی ہے پھر اس آٹے کو یکجا کر کے فروخت کیا جاتا ہے اور اس کی آمدنی سے اساتذہ کی تنخواہیں اور دوسرے مصارف پورے کئے جاتے ہیں، اس اخلاص و ایثار اور اپنے دین سے محبت کا ثمرہ ہے کہ آج اتر پردیش کے ۴۶ اضلاع میں نو ہزار سے زائد مکاتب اسلامیہ دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کے تحت قائم ہیں اور ان میں ۷ لاکھ سے زائد مسلمان بچے زیر تعلیم ہیں۔

مولانا علی میاں کے دینی تعلیمی کونسل اور اس کے کاموں کے اس مؤثر تعارف سے مہمان معزز بیحد متاثر ہوئے جسکا اظہار انہوں نے اپنی تقریر میں حیرت و توصیف کے ساتھ کیا۔

اسی دن بعد مغرب لکھنؤ کے تاریخی بیگم حضرت محل پارک میں مسلمانان شہر کی جانب سے امام حرم اور انکے رفقاء کو شاندار استقبالیہ دیا گیا، بلاشبہ یہ اجتماع شہر کی تاریخ میں کثرت ہجوم نظم و ڈسپلن اور ایمان و یقین کے روح پرور نظاروں کے لئے ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔ ذرا اندازہ لگائیے شدید سردی کا موسم، دریائے گومتی کا کنارہ، نیچے سرد فرش زمین اور اوپر شبنم کی چادر اس کے باوجود لاکھوں فرزندان توحید اپنے معزز مہمانوں کے خطاب پر گوش بر آواز ہیں، شیر خوار بچوں کو گود میں لئے ہزاروں عورتیں پارک کے ایک مخصوص حصہ میں عجب نشۂ توحید سے سرشار فرش زمین پر خاموش بیٹھی تھیں۔

مسلمانان لکھنؤ کی استقبالیہ کمیٹی میں تمام تنظیموں کا اشتراک عمل اور نمائندگی تھی۔ اس استقبالیہ میں سب سے پہلے جماعت اسلامی حلقہ لکھنؤ کے امیر مولانا عبدالغفار ندوی نے عربی میں سپاسنامہ پیش کیا، جس کا اردو ترجمہ جناب ع م نسیم صاحب نے پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد شہری استقبالیہ کمیٹی کی طرف سے مولوی محمد حمزہ حسنی ندوی نے سپاسنامہ پیش کیا۔ جس میں معزز مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس تاریخی شہر کی ادبی و تہذیبی ترقیوں میں مسلمانوں کی خدمات کا ذکر تھا۔ اور کہا گیا تھا کہ ہم مسلمان ہمیشہ روحانی رہنمائی اور مذہبی تعلیم کے لئے آپ کی طرف دیکھتے رہے ہیں۔ آج ہم اس مبارک دن، اس مقدس لمحہ اور اس تاریخی پارک میں اپنے دل کی گہرائیوں سے آپ کا خیر مقدم کر رہے ہیں، ہمیں یقین ہے کہ آپ کی یہ عہد ساز تشریف آوری ہمیں وہ اخلاقی قوت دیگی جس کے سہارے ہم ان عظیم اسلامی تعلیمات پر عمل کر سکیں جو رسول اکرم ﷺ نے ہمیں عطا فرمائیں اور جنہیں صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین نے عملی شکل دی۔

(بقیہ صفحہ ۵۹ پر)

انسانیت کی صبح صادق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت اپنی عمر کے ۴۰ سال پورے کئے، اس وقت دنیا آگ کی ایک خندق کے بالکل کنارے بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ لب بام کھڑی تھی۔ پوری نسل انسانی تیزی کے ساتھ خودکشی کے راستہ پر گامزن تھی، یہ وہ نازک وقت تھا جب انسانیت کی صبح صادق طلوع ہوئی، محروم و بدنصیب دنیا کی قسمت جاگی، اور بعثت محمدی کا مبارک وقت قریب ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی سنت بھی یہی ہے کہ جب تاریکی بہت بڑھ جاتی ہے اور قلوب سخت اور مردہ ہونے لگتے ہیں تو اس کی رحمت کا کوئی جاں نواز جھونکا چلتا ہے اور انسانیت کے خزاں رسیدہ چمن میں پھر بہار آجاتی ہے۔

دنیا میں اس وقت جس جہالت اور جاہلیت کی حکمرانی تھی، خرافات و اوہام اور شرک و بت پرستی کی وبا عام تھی، اس کو دیکھ کر آپ کی بے چینی خالق کائنات اور خالق ارض و سماوات کی ہدایات اور اس کے احکام کا انتظار انتہا تک پہونچ چکا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی غیبی طاقت اور غیبی آواز آپ کو چلا رہی ہے اور آپ کی رہنمائی کر رہی ہے، اور اس بڑے منصب کے لئے آپ کو تیار کر رہی ہے۔ اس زمانہ میں تنہائی اور خلوت پسندی آپ کا شیوہ اور معمول بن گئی تھی، اور آپ کو سب سے علیحدہ ہو کر تنہا بیٹھنے سے بڑا سکون ملتا تھا، آپ مکہ سے بہت دور نکل جاتے، یہاں تک کہ شہر کے مکانات بھی آپ کی نظروں سے اوجھل ہو جاتے، آپ مکہ کی گھاٹیوں اور اندر کی وادیوں سے گزرتے تو شجر و حجر سے آواز آتی کہ السلام علیک یا رسول اللہ، آپ اپنے داہنے بائیں اور پیچھے مڑ کر دیکھتے تو درختوں یا پتھروں کے سوا کچھ نظر نہ آتا۔

غار حرا میں: آپ زیادہ تر غار حرا میں قیام فرماتے اور متواتر کئی کئی راتیں وہاں گزارتیں، اس کا انتظام پہلے سے آپ کر لیتے تھے، یہاں آپ ابراہیمی طریقہ پر اور فطرت سلیم کی رہنمائی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے۔

بعثت مبارک: اسی طرح آپ ایک بار غار حرا میں تشریف فرما تھے کہ منصب نبوت سے آپ کو سرفراز کرنے کی مبارک ساعت آپہونچی۔ یہ ۱۷ رمضان آپ کی ولادت کے ۴۱ ویں سال کا واقعہ ہے (مطابق ۶ اگست ۶۱۰ء) جو حالت بیداری اور شعور کی حالت میں پیش آیا، آپ کے سامنے غار حرا میں فرشتہ آیا اور کہا کہ پڑھیے، آپ نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اس نے مجھے پکڑ کر دبایا یہاں تک کہ میں نے اس کی تکلیف محسوس کی، پھر مجھے چھوڑ دیا، اور کہا پڑھئے، میں نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس نے پھر مجھے پکڑا اور اتنی زور سے لپٹایا کہ مجھ پر اس کا سخت دباؤ پڑا، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھیے میں نے کہا میں پڑھا نہیں ہوں، اس نے پھر مجھے پکڑ کر دوبارہ اسی طرح دبایا اور چھوڑ دیا اور کہا:

"اقرأ باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان ما لم یعلم۔"

(سورہ علق ۱-۵)

(اے محمد!) اپنے پروردگار کا نام لیکر پڑھو جس نے عالم کو پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا، پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا، اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا)۔

حضرت خدیجہ کے گھر میں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عجیب واقعہ سے خوفزدہ ہو گئے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

پر زیر طبع

اہم اور منفرد کتاب کا

ایک باب

اس لئے کہ ایسا کبھی آپ کے ساتھ پیش آیا تھا اور نہ آپ نے اس طرح کی بات کبھی سنی تھی، نبوت اور انبیاء علیہم السلام کے عہد پر ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا چنانچہ آپ کو اپنے لئے خطرہ محسوس ہوا اور آپ اپنے گھر تشریف لے گئے، شدت خوف سے آپ کے شانہ مبارک پر کپکپی طاری تھی، آپ نے پہونچتے ہی حضرت خدیجہ سے کہا کہ مجھے جلد اڑھادو، مجھے جلد اڑھادو، مجھے کچھ خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔

حضرت خدیجہ نے آپ سے اسکا سبب پوچھا تو آپ نے سارا ماجرا بیان کیا، وہ ایک عقلمند اور ذی شعور خاتون تھیں، نبوت، انبیاء اور فرشتوں کے بارہ میں انہوں نے بہت کچھ سن رکھا تھا، وہ اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس (جنھوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی، صحف سماویہ کا مطالعہ کیا تھا اور اہل توریت اور اہل انجیل سے ان کی نشست و برخاست تھی) کبھی کبھی جایا کرتی تھیں اور اہل مکہ کی نامناسب باتوں اور عادتوں کو پسند نہ کرتی تھیں جن کو فطرت سلیم اور ذہن مستقیم رکھنے والا کوئی شخص طبعاً پسند نہ کرے گا،

وہ آپ کے رشتۂ زوجیت، شب و روز کی رفاقت اور آپ کی ہر ظاہر و پوشیدہ چیز سے واقفیت نیز اس خصوصی اعتماد و تعلق کی وجہ سے جو ان کو حاصل تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ سے سب سے زیادہ واقف تھیں، آپ کے شمائل و خصائل کو دیکھ کر ان کو اس کا پورا یقین ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق ہر لمحہ آپ کے شامل حال ہے آپ اللہ تعالیٰ کے منتخب و مقبول بندے ہیں اور آپ کی سیرت بھی محبوب و پسندیدہ سیرت ہے، اور جو شخص ایسے اخلاق اور ایسی سیرت اور ایسے عالی و پاکیزہ خصائل کا حامل ہوگا اس پر کسی شیطان یا جن اور آسیب کا اثر ہرگز نہیں ہو سکتا، یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت و شفقت سے بعید اور اس کی سنت جاریہ کے منافی ہے، انہوں

نے بڑے یقین و اعتماد کے لہجہ میں اور پوری قوت کے ساتھ کہا:

"ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ذلیل و رسوا نہ کرے گا، آپ صلہ رحمی اور رشتہ داری کا پاس و لحاظ کرتے ہیں اور بیکسوں کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں، محتاجوں کے کام آتے ہیں، مہمان کی ضیافت و خاطر مدارات کرتے ہیں، راہ حق کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مدد کرتے ہیں۔"

ورقہ بن نوفل کی مجلس میں: حضرت خدیجہ نے یہ بات عقل سلیم اور فطرت صحیحہ نیز اپنی زندگی کے تجربوں اور لوگوں سے واقفیت کی بنیاد پر کہی تھی لیکن یہ معاملہ بہت بڑا تھا، اور اس میں کسی ایسے شخص کے مشورہ کی ضرورت تھی جو مذاہب اور ان کی تاریخ، نبوت اور اس کے مزاج نیز اہل کتاب سے اچھی طرح واقف ہو جن کے پاس انبیاء کے واقعات اور ان کے علم کا کچھ اندوختہ موجود ہے۔

انہوں نے سوچا کہ اپنے عالم و فاضل چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے مدد لینی چاہئے چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر ان کے پاس گئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ورقہ کو پورا واقعہ سنایا، ورقہ نے سنتے ہی کہا، "قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آپ اس امت کے نبی ہیں اور آپ کے پاس وہی ناموس اکبر آیا تھا جو حضرت موسیٰ کے پاس آیا، اور ایک زمانہ آئے گا کہ آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے گی اور ایذا پہونچائے گی آپ کو نکالے گی اور آپ سے جنگ کرے گی۔"

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ سنا کہ قوم آپ کو نکال دیگی تو آپ کو کچھ تعجب ہوا، اس لئے کہ آپ قریش میں اپنی حیثیت و مرتبہ سے واقف تھے، اور جانتے تھے کہ صادق و امین کہتے ان کی زبان نہ تھکتی تھی، آپ نے تعجب کے ساتھ پوچھا کہ کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟! ورقہ نے جواب دیا کہ "ہاں! جب بھی کوئی وہ پیغام لے کر آیا جو آپ لائے ہیں، تو لوگوں نے اس کی دشمنی پر کمر باندھ لی اور اس سے جنگ کی۔ یہ برابر ہوتا آیا ہے۔ اگر مجھے وہ دن نصیب ہوگا، اور میری زندگی وفا کرے گی تو میں آپ کی پوری قوت کے ساتھ مدد کروں گا۔"

اس کے بعد ایک مدت تک وحی کا سلسلہ بند رہا، پھر جاری ہوا اور قرآن مجید کا نزول شروع ہوا۔

حضرت خدیجہ کا قبول اسلام اور انکا کردار

سب سے پہلے حضرت خدیجہ نے اسلام قبول

←

کیا، رشتۂ زوجیت کی وجہ سے ان کو آپ کی خدمت و رفاقت، اور نصرت و اعانت کا خوب موقع تھا، اور انہوں نے ہر موقع پر آپ کی پشت پناہی اور حمایت کی، لوگوں سے آپ کو جو تکلیفیں پہونچتی تھیں وہ ان کو ہمیشہ ہلکا کرنے کی کوشش کرتیں اور آپ کی ہمت بندھاتیں۔

حضرت علی اور زید بن حارثہ کا قبول اسلام:

اس کے بعد حضرت علیؓ ابن ابی طالب اسلام لائے، اس وقت ان کی عمر دس سال تھی، اسلام سے پہلے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں کھیلے تھے، آپ نے پریشانی و قحط سالی کے زمانہ میں ان کو ابو طالب سے مانگ لیا تھا، اور اپنے گھرانہ میں شامل کر لیا تھا۔ اس کے بعد زید بن حارثہ (جو آپؐ کے غلام تھے اور آپ نے ان کو متبنیٰ کیا تھا) اسلام لائے۔

ان حضرات کا قبول اسلام دراصل ایسے لوگوں کی شہادت اور گواہی تھی جو آپ سے سب سے زیادہ قریب تھے، اور آپ سے اور آپ کے صدق و اخلاص اور حسن کردار سے سب سے زیادہ واقف، اور گھر والوں کی طرح ہر چھپی ڈھکی چیز سے باخبر تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کا قبول اسلام اور دعوت الی اللہ میں ان کا حصہ:

حضرت ابوبکرؓ بن ابی قحافہ کا قبول اسلام بھی کچھ اہم نہ تھا، اس لئے کہ ان کی دانشمندی، فہم و فراست، عالی ہمتی اور اعتدال و میانہ روی کی وجہ سے قریش میں انکو ایک خاص درجہ حاصل تھا، انہوں نے اسلام کا اعلان و اظہار بھی کیا، وہ بڑی محبوب و دلکش شخصیت اور سادہ طبیعت کے مالک تھے، قریش کے انساب و تاریخ سے واقف تھے، اور ایک با اخلاق و کامیاب تاجر بھی، چنانچہ اپنے اعتماد کے لوگوں، جاننے پہچاننے والوں اور اپنے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں میں انہوں نے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔

سردارانِ قریش کا قبول اسلام:

ان کی تبلیغ و دعوت سے قریش کے بہت سے نامی گرامی سردار اسلام لائے جن میں عثمان بن عفانؓ، زبیر بن العوامؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ قابل ذکر ہیں، حضرت ابوبکرؓ ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔

ان کے بعد ہی قریش کے اور بہت سے لوگ جو بڑی عزت و مرتبے کے مالک تھے اسلام لے آئے، ان میں چند کے نام یہ ہیں، ابو عبیدہ بن الجراحؓ، ارقم بن ابی الارقمؓ، عثمان بن مظعونؓ، عبیدہ بن الحارثؓ بن عبدالمطلب، سعید بن زیدؓ، خباب بن الارتؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عمار بن یاسرؓ، صہیبؓ وغیرہ۔

اس کے بعد لوگوں نے بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنا شروع کیا، پوری پوری جماعتیں، دو دو اور تین تین اسلام لاتے اور ان میں عورت و مرد دونوں ہوتے، یہاں تک کہ اسلام کا آوازہ مکہ کی فضائے آسمانی میں بلند ہوا اور جگہ جگہ اس کا چرچا ہونے لگا۔

کوہِ صفا پر پہلا اعلان حق:

ابتداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعوت و تبلیغ کے اس کام کو چھپا کر کرتے رہے اور تین سال اس حال میں گذر گئے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اس کے برملا اظہار و اعلان کا حکم ہوا، اور ارشاد ہوا:-

فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین (سورۂ حجر ۹۴)

(پس جو حکم تم کو خدا کی طرف سے ملا ہے وہ (لوگوں) کو سنا دو اور مشرکوں کا ذرا خیال نہ کرو)۔

وانذر عشیرتک الاقربین واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین ہ (سورۂ شعراء ۲۱۴ - ۲۱۵)

(اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سنا دو اور جو مومن تمہارے پیرو ہو گئے ہیں ان سے متواضع پیش آؤ)

وقل انی انا النذیر المبین ہ (سورہ حجر - ۸۹)

(اور کہہ دو کہ میں تو علانیہ ڈر سنانے والا ہوں)۔

اس حکم کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھے اور بلند آواز میں یہ صدا لگائی یا صباحاہ، یہ نعرہ عربوں کے لئے جانا پہچانا تھا، اور اس وقت لگایا جاتا تھا جب کسی دشمن یا غنیم کے حملہ کا فوری خطرہ ہوتا، یا صباحاہ کا نعرہ سننا تھا کہ قریش کا سارا قبیلہ وہاں جمع ہو گیا، جو کسی وجہ سے نہیں آ سکا اس نے اپنا نمائندہ بھیجا، اس وقت آپ ان سے مخاطب ہوئے اور ارشاد فرمایا:-

"اے بنی عبدالمطلب! اے بنی فہر! اے بنی کعب! اگر میں تم کو یہ اطلاع دوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں ایک لشکر کھڑا ہے اور تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا تم اس بات پر یقین کرو گے؟"

عرب حقیقت پسند اور عملی لوگ ہیں، انہوں نے ایک شخص میں سچائی، امانت و دیانت اور خیر خواہی کا بار بار تجربہ کیا تھا، جب انہوں نے دیکھا کہ یہ شخص (جس کے متعلق اب تک ان کی یہ رائے رہی ہے) پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہے اور پہاڑ کی دوسری طرف بھی اس کی نظر ہے، وہ صرف اپنے سامنے کی چیز دیکھ رہے ہیں۔ تو ان کی ذہانت، انصاف پسندی اور اس امین و صادق مخبر کی اطلاع و خبر نے ان کی رہنمائی کی اور ان سب نے کہا کہ ہاں، ہم یقین کریں گے۔

دعوت و تربیت کا حکیمانہ انداز:

جب یہ فطری اور ابتدائی مرحلہ طے ہوا اور سننے والوں کے اعتماد و یقین کا علم ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید (تو یہ سمجھو کہ میں تم کو ایک سخت عذاب سے ڈرانے اور آگاہ کرنے آیا ہوں جو بالکل تمہارے ہاتھوں کے سامنے ہے)۔

یہ دراصل منصب نبوت کی صحیح تعریف اور نشان دہی تھی اور غیبی حقائق اور وہبی علوم میں نبوت کو جو خصوصیت و انفرادیت حاصل ہے اس کی بڑی حکمت و بلاغت کے ساتھ ترجمانی جس کی نظیر ہم کو مذاہب اور نبوت کی تاریخ میں نہیں ملتی، واقعہ یہ ہے کہ اس سے مختصر و آسان راستہ (Short Cut) اور اس سے زیادہ قابل فہم اور واضح پیرایۂ بیان کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ سنتے ہی مجمع پر ایک خاموشی چھا گئی، لیکن ابولہب نے کہا، تمہارا سارا دن برباد ہو، کیا صرف یہی کہنے کے لئے تم نے ہمیں بلایا تھا۔

دشمنی و ایذا رسانی کا آغاز اور ابو طالب کی مدافعت و شفقت:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کا برملا اور بلا خوف و خطر اعلان کرنا شروع کیا تو اس وقت تک آپ کی قوم نے اس کی زیادہ پرواہ نہیں کی اور ان کو زیادہ خطرہ محسوس نہیں ہوا اور انہوں نے اس کے رد اور جواب کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی لیکن جب آپؐ نے ان کے معبودوں کی مذمت کرنی شروع کی تو یہ بات ان کو بہت بری لگی اور وہ سب آپ کی مخالفت پر کمربستہ اور متحد ہو گئے۔

اس موقع پر آپ کے چچا ابو طالب آپ کی مدافعت کے لئے سینہ سپر ہو گئے اور آپ کے ساتھ بہت شفقت و نرمی کا معاملہ کیا ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس اعلان حق اور تبلیغ و دعوت میں جان و دل سے مشغول ہو گئے، اور آپ کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لائے، دوسری طرف ابو طالب آپ کے لئے سینہ سپر ہو گئے اور آپ کی ہر طرح کی حفاظت کرتے رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو طالب کا مکالمہ:

اب قریش میں ہر طرف اور ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہونے لگا، لوگ ایکدوسرے کو آپ کی مخالفت، دشمنی پر آمادہ کرتے اور اسکے لئے فضا تیار کرتے، چنانچہ ایک مرتبہ پھر یہ سب لوگ ایک پورا وفد بنا کر ابو طالب کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ،

"اے ابو طالب! آپ سن رسیدہ بزرگ ہیں اور ہماری نگاہ میں آپ کی خاص قدر و منزلت ہے، ہم نے آپ سے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ آپ اپنے بھتیجے کو منع کر لیں لیکن آپ نے اس سلسلہ میں کچھ نہ کیا، اب خدا کی قسم ہم اس سے زیادہ صبر نہ کریں گے جتنا صبر کا ثبوت ہم نے اب تک دیا ہے، اب ہم اپنے آباء و اجداد کی مذمت، اور ہم کو ناسمجھ و بے وقوف ٹھہرانے اور ہمارے معبودوں کو عیب لگانے کی کوشش زیادہ برداشت نہیں کر سکتے، یا تو آپ انکو اس حرکت سے باز رکھیں اور یا پھر ان سے اور آپ سے ہم سمجھ لیں گے، یہاں تک کہ ہم میں سے کوئی ایک فریق ختم ہو جائے۔"

نعت

سید اطہر حسین آئی۔ اے۔ ایس

ہر طرف رنگ تو ہر گوشے میں نکہت پھیلی
گلشنِ دہر میں پھر بادِ بہاری آئی
شاخ در شاخ ہوا خیر کا ہر سمت نمو
نور ہی نور کا عالم تھا زمیں سے تا عرش
پھر سے گھر گھر میں اطاعت کی لگن عام ہوئی
حکمرانی تھی دلوں پر مگر اللہ رے جلال
مطمئن دل کو تن آسانی کی پرواہ نہ تھی

جب بہارِ گل گلزارِ نبوت پھیلی
کھل گئے غنچے دل آویزی و نزہت پھیلی
روش اندر روش اس طرح سے برکت پھیلی
یعنی تا حدِ نظر تابشِ رحمت پھیلی
ہر گلی کوچے میں اللہ کی عظمت پھیلی
چار سُو آپ کی جو شوکت و سطوت پھیلی
مل گئی اس میں بھی لذت جو تھی عسرت پھیلی

وحی و الہام سے مسحور تھی دنیا اطہر
عجب انداز سے خوشبوئے رسالت پھیلی

دیارِ مالوہ کا ایک یادگار سفر

اسحٰق جلیس ندوی

خوبصورت مناظر قدرت اور قدیم تہذیب و تمدن کی نعمت و دولت سے مالا مال ریاست مدھیہ پردیش کو اپنے محل وقوع کے لحاظ سے ہندوستان کا قلب کہا جا سکتا ہے۔

۳۰ نومبر تا ۱۰ دسمبر ۱۹۸۰ء اس ریاست کے تاریخی خطے مالوہ کے چند اہم مقامات بھوپال، اجین، اندور، دھار، مانڈو، دیپال پور سے دین و اخلاق، اصلاح و تبلیغ، تعلیم و تعلّم اور اخوت و محبت کا پیام لے کر ایک مختصر سا قافلہ گذرا۔ میر قافلہ تھے، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ــــ

نگہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز

رفقائے سفر تھے مولانا قاضی محمد معین اللہ ندوی (نائب ناظم ندوۃ العلماء) جناب عبدالکریم صاحب پاریکھ (صدر مجلس تعلیم القرآن ناگپور) ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (صدر انجمن ہلال احمر) مولوی محمد ہارون ندوی (انچارج شعبۂ مخطوطات کتب خانہ ندوۃ العلماء) مولوی عبداللہ حسنی ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء) حاجی عبدالرزاق صاحب (خادم خاص حضرت مولانا مدظلہ) اور راقم سطور۔

یہ سفر جن جلیل مقاصد کے تحت ہوا تھا، اس نے گہرے نقوش چھوڑے، وہاں کے احباب میں سے ایک صاحب نے اپنے تأثرات میں لکھا:-

"آپ حضرات کی آمد کے بعد سے اب تک ایک تازگی محسوس کر رہا ہوں، جہاں تک میری معلومات اور تعلقات کی رسائی ہے میں محسوس کرتا ہوں کہ اس علاقہ کے لوگوں کو آپ حضرات نے جو پیام محبت دیا ہے اسے بلا تفریق مذہب و ملت سب نے محسوس کیا ہے۔"

دوسرے صاحب لکھتے ہیں:-

"حضرت مولانا مدظلہ، تشریف لائے اور دلوں کی دنیا کو گرما گئے، ہم نے اپنے اندر زندگی محسوس کی اور مسرت و شادمانی کا وہ جذبہ موجزن پایا جس کا اظہار زبان و قلم سے ممکن نہیں۔"

اس سفر کی تقریباً تین ہزار میل کی مجموعی مسافت ٹرین اور کار کے ذریعہ طے کی گئی ہر مقام پر اوسطاً تین پروگرام ہوئے، مخاطب مسلم بھی تھے غیر مسلم بھی، عوام بھی خواص بھی، دیندار بھی اور دین بیزار بھی، یہ جلسے مسجد و مدرسہ، اسکول و کالج، میدان اور عظیم الشان ہال، یونیورسٹی کیمپس اور بار ایسوسی ایشن غرض مختلف مقامات پر ہوئے ــــ

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند

مسافر نواز بہتیرے:

شرکائے سفر کی پہلی منزل بھوپال تھی، لیکن راہیں جدا جدا، حضرت مولانا مدظلہ، اور دیگر حضرات لکھنؤ سے، عبدالکریم صاحب پاریکھ ناگپور سے اور راقم سطور کو جو عید الاضحیٰ کی تعطیل میں گھر گیا ہوا تھا وہیں سے براہ راست بھوپال پہونچنا تھا ــــ ۲۷ نومبر ۱۹۸۰ء کی سہ پہر کو نا ایس۔ ٹی۔ اسٹینڈ پہونچا، دیوالی کی تعطیل حال ہی میں ختم ہوئی تھی، مسافروں کی بھیڑ کی وجہ سے دو گھنٹے انتظار کے بعد ایک بس میں بمشکل جگہ ملی، اسی شب احمد نگر پہونچنا ضروری تھا۔ ۲۸ نومبر ۱۹۸۰ء کو علی الصبح میرے سفر کا آغاز تھا، والدین سے رخصت ہو کر بس اسٹینڈ پہونچا، اس سفر کی پہلی منزل مہاراشٹر اور گجرات کی سرحد پر واقع ایک علم دوست بستی نندور بار تھی، اس تاریخی شہر میں چودھویں صدی عیسوی (۱۳۴۲ء) میں مشہور سیاح ابن بطوطہ آچکا ہے، اس شہر کے دینی اور علمی ذوق و رجحان رکھنے والے احباب نے جن میں سر فہرست جناب عبدالصمد صاحب ہیں، راقم سطور کو مدعو کیا تھا، شب میں جلسہ ہوا جس میں مسلم و غیر مسلم عوام و خواص کی کثیر تعداد شریک تھی، قدر و توجہ سے بات سنی گئی، ۲۹ نومبر کی صبح جدید آشنا احباب کی بڑی تعداد نے جنمیں مسلمان اور غیر مسلم بھی تھے رخصت کیا۔ شب کے نو بجے پنجاب میل سے جس میں بھوپال کا ریزرویشن کرا لیا گیا تھا، روانگی تھی، درمیان میں تین چار گھنٹے کا وقت تھا، مالیگاؤں راستے میں پڑتا تھا ہمکٹ مالیگاؤں کا لیا کہ جہاراشٹر کے اس شہر میں یہ چار گھنٹے گذر جائیں جو اپنی دینی، تعلیمی، سماجی سرگرمیوں، مسلمانوں کی اکثریت اور اپنی مشہور صنعت کی وجہ سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے، مالیگاؤں کے مدرسہ ملت کے علمی و تعلیمی ماحول میں یہ وقت گذرا، اس شہر اور مدرسہ ملت میں بارہا حاضری ہوئی تھی، مدرسے کے بانی و ناظم بزرگ محترم مولانا عبدالحمید نعمانی (رکن مجلس انتظامی ندوۃ العلماء) بمبئی تشریف لے گئے تھے، ان سے ملاقات نہ ہو سکی، مولانا محمد حنیف ازہری، مولانا عبدالاحد ازہری جن سے دیرینہ شناسائی تھی اور مدرسے کے دیگر اساتذہ نے بڑی پذیرائی کی، اس مختصر وقت میں کسی سے ملاقات اور کسی اور ادارے کی زیارت کا موقع نہیں تھا، بعد مغرب سٹیشن روانگی ہوئی، نماز عشاء پلیٹ فارم پر ادا کی، ٹھیک وقت پر پنجاب میل آیا، اپنی محفوظ برتھ پر بستر لگایا، شب گذری۔

دار الاقبال بھوپال:

۳۰ نومبر کی صبح ٹرین بھوپال کے مضافات میں پہونچی اور نگاہیں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کے نقوش تلاش کرنے لگیں۔ ماضی قریب میں یہ شہر ایک دین دوست اور علم پرور مسلم ریاست کا صدر مقام تھا، جہاں علم و دین کے چشمے رواں تھے، جہاں کی سرزمین نے بیشمار علماء، صلحاء، حفاظ اور باکمال شخصیتوں کو گلے لگایا، قدردانی اور سرپرستی کی، جہاں نواب صدیق حسن خانؒ جیسی علمی شخصیت نے اسلامی کتب خانوں میں گراں قدر اضافہ فرمایا اور توحید و سنت کے احیاء اور شرعی قوانین کے نفاذ کی ہر ممکن کوشش کی۔ جس شہر کی حکمراں خواتین نواب قدسیہ بیگم، نواب شاہجہاں بیگم، نواب سکندر جہاں بیگم، نواب سلطان جہاں بیگم نے اپنی عدل گستری، علم پروری، امن پسندی، رعایا پروری اور اپنی دینداری کے ذریعہ ہندوستانی ریاستوں کی تاریخ میں اپنا نام و مقام روشن و محفوظ کر لیا ہے۔

بھوپال کی حکمراں خواتین کی دینداری، شرافت نفس اور رعایا پروری کا اندازہ نواب شاہجہاں بیگم (۱۲۵۴ھ - ۱۳۱۹ھ) جن کا نکاح ثانی علامہ نواب سید صدیق حسن خاں صاحبؒ سے ہوا تھا کے حالات سے ہوتا ہے،

ان کی صاحبزادی نواب سلطان جہاں بیگم (والدہ نواب حمید اللہ خاں) "حیات شاہجہانی" میں لکھتی ہیں:-

"مذہبی امور و فرائض کی نہایت سختی کے ساتھ پابند تھیں، نماز کبھی قضا نہ ہوتی تھی، اکثر وعظ کی مجلس بھی ہوتی تھی اور ابتدائے انتہا تک نہایت توجہ کے ساتھ وعظ سنا کرتی تھیں، ماہ صیام کے روزے برابر رکھتی تھیں اور اگر کسی وجہ سے کوئی روزہ نہ ہوتا تو قضا رکھ لیتی تھیں، معمولاً تلاوت کلام مجید کرتی تھیں۔

دل پر خدا کا خوف بے انتہا غالب تھا، حشر و نشر اور وعید کے بیانات پر آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے، زمانۂ علالت میں جب صحت سے مایوسی ہو گئی تو مواخذۂ اخروی کے خیال سے ایک عام اعلان شائع کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ ہمارے ۳۳ سالہ دور حکومت میں کسی شخص کو عمداً یا سہواً کوئی ضرر ہماری طرف سے پہونچا ہو تو لوجہ اللہ معاف کرے۔

انتقال سے دو تین سال قبل خشک سالی کے آثار معلوم ہوئے اور اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر پانی نہ برسا تو سخت قحط سالی ہو گی، مخلوق پریشان تھی کمال استغنا

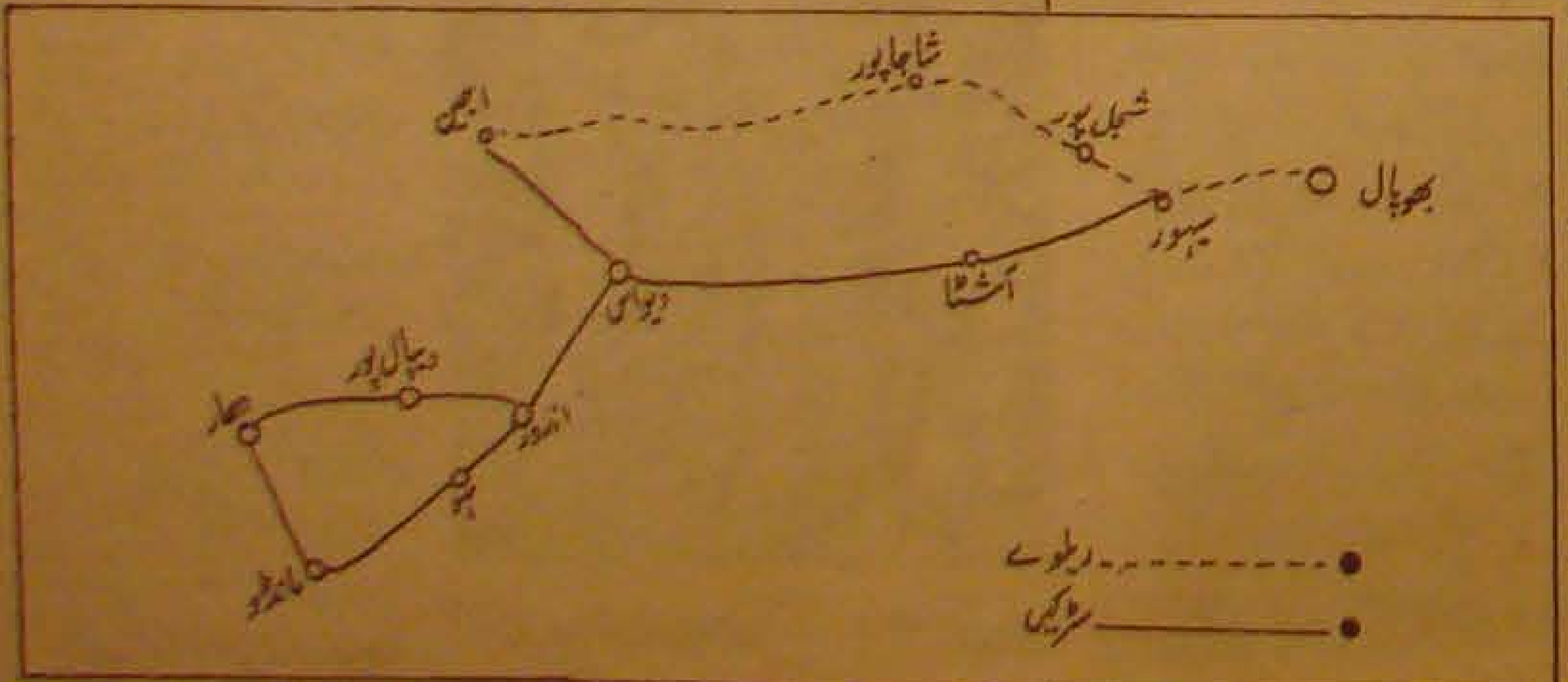

کا حکم دیا اور خود شریک نماز ہونے کے لئے محل سے عید گاہ تک دھوپ میں پیادہ پا گئیں اور نہایت خشوع وخضوع سے مصروف نماز ہوئیں۔

اگرچہ چند مجبوریوں اور مصالح ملکی کے لحاظ سے فریضۂ حج ادا نہ کرسکیں، لیکن وہ وقت کی منتظر تھیں اور باوجود بحری سفر سے خائف ہونے کے دل میں عزم واثق تھا۔

زکوٰۃ کے ادا کرنے کی بشدت پابند تھیں، ڈیوڑھی خاص کے اموال اور خزانہ ریاست کی زکوٰۃ ہمیشہ ادا کرتی تھیں۔

ہزاروں جلدیں قرآن مجید اور مذہبی کتابوں کی مطبع ریاست میں طبع کرا کر اور دیگر مطابع سے خرید کر تقسیم فرمایا کرتی تھیں۔" (ص ۱۴۴ - ۱۴۵)

اس خدا ترس حکمراں خاتون نے تاج المساجد کی تعمیر کا کارنامہ انجام دیا، خلوص وللّٰہیت کی یہ برکت ہے کہ آج پورے عالم میں اس مسجد کے اجتماعات کے ذریعہ دین کی دعوت عام ہو رہی ہے،

زہے خلوص محبت کہ حادثات جہاں
مجھے تو کیا مرے نقش قدم مٹا نہ سکے

بھوپال، خط استواء سے ایک سو گیارہ طولاً اور ۲۳ درجہ عرضاً واقع ہے، قدیم تاریخ میں اس شہر کا بانی راجہ بھوج کو لکھا ہے، اصل نام بھوج پال تھا جو کثرت استعمال سے بھوپال ہوگیا۔

سردار دوست محمد خان بانیٔ ریاست بھوپال ۱۱۰۳ھ میں تیراہ (افغانستان) سے ہندوستان آئے، مالوہ کے اس خطہ کو فتح کیا اور ۱۱۴۰ھ کو قلعہ اور شہر پناہ بھوپال بنایا۔ ان کے بعد نواب یار محمد خاں، نواب فیض محمد خاں، نواب حیات محمد خاں، نواب غوث محمد خاں، نواب وزیر محمد خاں، نواب نظر محمد خاں، نواب بیگم صاحبہ قدسیہ، نواب جہانگیر محمد خاں، نواب سکندر بیگم، نواب شاہجہاں بیگم، نواب سلطان جہاں بیگم اور آخر میں نواب حمید اللہ خاں ریاست بھوپال کے حکمراں ہوئے اور انہی کے زمانۂ حکمرانی میں ریاست کا انضمام ہندیونین میں ہوگیا۔

تاج المساجد:

۳۰ نومبر کی صبح آٹھ بجے بھوپال پلیٹ فارم سامنے تھا، دارالاقبال بھوپال میں پانچویں حاضری تھی۔ سب سے پہلے اس تاریخی شہر کی زیارت ۱۹۵۶ء میں ندوہ کے زمانہ طالبعلمی میں تبلیغی اجتماع کے موقع پر ہوئی تھی اور آخری بار ۱۹۷۴ء میں اسلامک اسٹڈیز کانفرنس کے موقع پر آنا ہوا تھا، ریلوے اسٹیشن سے دارالعلوم تاج المساجد کا راستہ خوب جانا پہچانا تھا، تاج المساجد ہندوستان کی وسیع ترین مسجد، اسم باسمّیٰ، جس کے حسن ودلآویزی میں اضافہ اور ترقی برابر جاری ہے، اس عالیشان مسجد کی بنا نواب شاہجہاں بیگم کے عہد میں پڑی، لیکن اس کی تکمیل انکی زندگی میں نہ ہوسکی، نواب سلطان جہاں اور نواب حمید اللہ خاں کے دور حکومت میں تعمیر کا یہ منصوبہ بے اعتنائی کا شکار رہا اور مسجد کی لق ودق عمارت غیر آباد پڑی رہی، اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کے بانی کے مخلصانہ جذبات وعزائم کی تکمیل کا کام ایک ایسے بندے سے لیا جس کے پاس شاہی ومیری کا تاج و دستار تو نہیں لیکن سے

ہے جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

مسجد کی عمارت کی تکمیل، اس کی چار دیواری کے اندر قرآن وسنّت کی تعلیم کی درسگاہ کا قیام، تبلیغ ودعوت کے عالمی اجتماع کا سالانہ انعقاد، کتب خانے اور اشاعتی ادارے کے قیام اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ، حوصلہ مندی اور فراخ دلی کے زندہ مظہر کی حیثیت سے تاج المساجد اور اس کے ذریعہ بھوپال کی عصر جدید میں شہرت کے لئے مولانا حافظ محمد عمران خاں صاحب ندوی کی خدمات اور دفتر عیور کے اس کارنامے کو بھوپال کی تاریخ فراموش نہیں کرسکتی۔

تاج المساجد کے اندرونی حصہ کی پرشکوہ محرابوں اور ستونوں کا ایک عکس

تاج المساجد کی تعمیر جدید اور تکمیل کا کام ۱۹۷۱ء سے شروع ہوا، اس وقت تک ۲۳۰ فٹ کا ایک مینارہ، دو گنبد، شمالی دالان کی کمر دیں اٹھائی جا چکی ہیں

Tajul-Masajid تاج المساجد

اور تاج مارکیٹ کی دکانوں کا کام مکمل ہو چکا ہے، تیسرے اور آخری گنبد اور مینار کی تعمیر کا کام جاری اور جلد پایۂ تکمیل تک پہونچنے والا ہے۔ اس وقت تک ۶۰ لاکھ روپے صرف ہو چکے ہیں، منصوبے کی تکمیل کے لئے مزید ۲۰ لاکھ روپیوں کی ضرورت ہے۔ یہ ایک شخص کا کارنامہ ہے، جس نے حکومت و امارت سے بے نیاز رہ کر خدا کی نصرت، مشائخ وقت کی دعا و توجہ اور مسلم عوام کے مخلصانہ تعاون سے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا کہ جسے بلامبالغہ اس دور کی کرامت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ کرامت محسوس شکل میں سامنے تھی، مسجد کے وسیع اندرونی حصے اور صحن میں طالبان علوم نبوّت درس و تدریس میں مشغول تھے، مسجد کی فضا قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں سے گونج رہی تھی، دارالعلوم تاج المساجد کے مہتمم مولانا نعمان خاں ندوی اور اساتذہ مولوی شرافت علی ندوی، مولوی حمید اللہ ندوی، مولوی رئیس ندوی، مولوی عبید الرحمان ندوی نے اپنائیت وخلوص کا معاملہ اور ہر قسم کی راحت کا سامان کیا۔

غسل اور ناشتہ سے فارغ ہو کر تاج المساجد میں تحیۃ المسجد کے نفل پڑھ کر دعا کی، نماز اور دعا میں بہت جی لگا، تھوڑی دیر میں مولانا محمد عمران خانصاحب ندوی تشریف لے آئے، سلام کے بعد مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا کہ موصوف نے گرمجوشی سے معانقہ فرمایا اور بڑی شفقت فرمائی۔ راقم سطور نے ندوہ کے زمانۂ طالب علمی میں مولانا موصوف کے دور اہتمام کے آخری ایام دیکھے ہیں، اپنی اصول پسندی، نظم وضبط، رعب ودبدبہ کی شہرت کی بنا پر ہم طلبہ پر ان کا ایسا خوف طاری رہتا تھا کہ بات کرنے کی ہمّت نہ ہوتی، لیکن مولانا موصوف اپنے رکھ رکھاؤ اور برتاؤ میں بھی ندوی ہیں، مزاج میں جلال وجمال کا حیرت انگیز امتزاج، فولاد کی صلابت، بریشم کی نرمی۔ دیر تک شگفتہ اور دلچسپ گفتگو فرماتے رہے۔

دوپہر کو مولانا کے ہمراہ اپنا سامان لے کر ان کے مکان واقع مسجد شکور خاں روڈ منتقل ہوگیا، ہمارے قافلہ کو یہیں قیام کرنا تھا، مکان پر مولانا کے صاحبزدگان حافظ محمد رضوان خاں اور مولوی حسّان خاں سے ملاقات ہوئی۔ دونوں بھائیوں نے اپنے روایتی شگفتہ انداز میں استقبال کیا۔

شام اَودھ سے شبِ مالوہ تک:

پروگرام کے مطابق حضرت مولانا مدظلہٗ اور انکے ہمراہیوں کو ۲۹ نومبر کی شب میں بھوپال پہونچنا تھا، لیکن اس تاریخ کا ریزرویشن نہ ہوسکا، یہ حضرات ۳۰ نومبر کی صبح لکھنؤ بمبئی ایکسپریس سے روانہ ہوئے، کانپور اسٹیشن پر وہاں کے اہل تعلق حاجی عین الحق صاحب ومولوی مظفر الحق ندوی (مالک نیو لائٹ ٹینری) محمد سعید ومحمد معین برادران (ناردرن ٹینری) محمد اسمٰعیل ومحمد اسحٰق (مالک اپنا انڈیا ٹینری) کوثر صاحب اور کئی حضرات استقبال وملاقات کے لئے اسٹیشن پر موجود تھے، یہ لوگ اپنے ساتھ وافر مقدار میں کھانے اور ناشتہ کا سامان بھی لائے تھے، ٹرین بھوپال تقریباً دو گھنٹے تاخیر سے پہونچی، بھوپال اسٹیشن پر مولانا محمد عمران خانصاحب ندوی، جناب قریشی صاحب (سابق منسٹر) نواب حفیظ اللہ صاحب اور عوام وخواص کی کثیر تعداد نے حضرت مولانا کا استقبال کیا، قیام گاہ پر پہونچتے پہونچتے رات کے ۱۲ بج چکے تھے، شبِ مالوہ اپنے شباب پر تھی، لیکن آغاز دسمبر میں بھی ایسی خوشگوار خنکی تھی جس میں تکلیف کا شائبہ تک نہیں تھا۔

یکم دسمبر کی صبح ناگپور سے عبد الکریم صاحب پاریکھ بھوپال پہونچے، اب ہمارے قافلے

کے تمام ہمراہی جمع ہو چکے تھے اور آج ہی سے ہمیں اپنے مقصد سفر کے لئے سرگرم ہونا تھا۔

جمعرات یکم دسمبر ۱۹۸۳ء:

بھوپال کے سہ روزہ دعوتی پروگرام کا آغاز جمعرات یکم دسمبر کو بعد نماز مغرب جامع مسجد کے تبلیغی اجتماع میں حضرت مولانا علی میاں کے بیان سے ہوا۔ اس سے پہلے عصر بعد حضرت مولانا کے ہمراہ خانقاہ مجددیہ حاضری ہوئی، حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحبؒ کے خلف اکبر مولانا سعید میاں صاحب سے ملاقات ہوئی، اس جگہ ان نورانی مجلسوں کی یاد تازہ ہوگئی جو حضرت صاحبؒ کے نفس گرم اور پُر حکمت ارشادات سے آباد تھی، اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور حضرت پیر صاحبؒ کے صاحبزادے سعید میاں صاحب کے دم سے یہ رونق باقی اور مبارک سلسلہ قائم ہے۔ ع

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است
مے و میخانہ را نام ونشاں است

نواب قدسیہ بیگم کی تعمیر کردہ عظیم الشان جامع مسجد میں حضرت مولانا علی میاں کے بیان سے مستفید ہونے کے لئے کثیر تعداد میں لوگ پہونچ چکے تھے، تقریر کی ابتدا میں بجلی فیل ہونے کے سبب لاؤڈ اسپیکر کام نہیں کر رہا تھا، تاہم مجمع پرسکون اور ہمہ تن گوش تھا اور حضرت مولانا کی آواز سب کو پہونچ رہی تھی۔ مولانا نے حمد وثنا کے بعد فرمایا،

"کنتم خیر امۃ اخرجت للناس" الخ

امر بالمعروف کا یہ شعبہ عالمگیر ہے اس لئے خاص طور پر اس کو امت محمدیؐ کے لئے الاٹ کیا گیا ہے۔ امت محمدیہؐ کی فضیلت وبرتری کی علت ڈھونڈی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس امّت کے ذمہ ایک اعلیٰ اور برتر کام کیا گیا ہے جس کی وجہ سے خیر الامم کا معزز خطاب اس کو عطا کیا گیا ـــ دنیا کی پیدائش کا اصلی مقصد خداوند قدوس کی ذات وصفات کی معرفت ہے اور یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک بنی نوع انسان کو برائیوں اور گندگیوں سے پاک کرکے بھلائیوں اور خوبیوں کے ساتھ آراستہ نہ کیا جائے۔ اس لئے فرمادیا گیا کہ فلاح وبہبود انھیں لوگوں کے لئے ہے جو اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔

اس امت کی بعثت آپ کی بعثت کا پھیلاؤ ہے اس لئے دین کی اشاعت کی ذمہ داری کی باگ ڈور امت کے ہاتھ میں دیدی ہے اس کے کرنے میں کامیابی ہے اور نہ کرنے میں دو نقصان ہیں ـــ اپنے کو نااہل قرار دینا، یا یوں کہیے کہ اپنے سر بہت بڑا الزام قائم کرنا، خدا نے انسان کو جس کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس کو انجام نہ دے اور دوسرے ہزار کام کرلے تو بیکار ہے۔ بلبل کی آواز سُریلی، دل آویز ودلکش ہے لیکن وہ بولے نہیں تو کوّا بہتر ہے۔ طاؤس رقص نہ کرے تو اس سے ہنس اچھا ہے، نمک کے اندر نمکین پن نہ ہو اور اس کی جگہ یاقوت وجواہرات ہوں تو بیکار ہے، جو چیز جس کام کے لئے بنائی گئی ہے وہی کام انجام نہ دے تو کیا فائدہ؟

ٹھوکر کھائی ہوئی انسانیت جو آج گہرے غار میں گرنے پر آمادہ ہے اس کو کون بچائیگا؟ اخلاق بیمار، معاشرت بیمار، روح بیمار، عقیدہ بیمار، ایمان بیمار، ساری انسانیت بیمار ہے اس کا علاج کون کرے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ تعلق مع اللہ اور دعوت الی اللہ کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے۔ ع

"وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے"

امت محمدیہؐ جب اس کام کو چھوڑ دے گی تو سخت مصائب وآلام اور ذلت وخواری میں مبتلا کر دی جائے گی، اور ہر قسم کے غیبی نصرت ومدد سے محروم ہو جائے گی۔ گمراہی وضلالت کی شاہراہیں کھل جائیں گی، مخلوق تباہ وبرباد ہو جائے گی، اور یہ سب کچھ ہو رہا ہے اس تباہی و بربادی کی خبر اس وقت ہوگی جب میدان حشر میں خدا کے سامنے باز پرس کے لئے بلایا جائے گا۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر دین کا زبردست رکن ہے، جس سے دین کی تمام چیزیں

Vidhan-Sabha ودھان سبھا — مدھیہ پردیش اسمبلی

Vallabh-Bhavan — Sachivalaya ولبھ بھون سکریٹریٹ

وابستہ ہیں۔ اس سے ہمارے لئے یہ بات صاف واضح ہوگئی کہ ہمارا اصل مرض روح اسلامی سے بیزاری ہے، جو درحقیقت ایمان کا ضعف ہے، ہمارے اسلامی جذبات فنا ہو چکے، ہماری ایمانی قوت زائل ہو چکی، اس کمزوری کا سبب اصل کام کا چھوڑ دینا ہے جس پر تمام دین کی بقاء اور دار ومدار ہے، اور وہ امر بالمعروف نہی عن المنکر ہے۔ اس کام کو چھوڑنے کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ انسانیت سسک رہی ہے اور سب کام ہو رہے ہیں۔ صرف دعوت کا کام نہیں ہو رہا ہے ایک محاذ جس سپاہی کو الاٹ کیا گیا تھا وہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ اس لئے آپ بھی اس منصب سے محروم اور اس سے ملنے والی اشیاء سے بھی محروم ہو گئے۔

ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ فریضۂ تبلیغ کو لے کر کھڑے ہوں، خدا اور رسول کو پہچانیں اور احکام خداوندی کے سامنے سرنگوں ہو جائیں کیونکہ یہ کام خدا کی ایک اہم عبادت اور سعادت عظمیٰ ہے اور انبیاء کی امانت ہے، اس کام کا مقصد دوسروں کی ہدایت نہیں بلکہ اس سے خود اپنی اصلاح اور عبدیت کا اظہار مقصود ہے اگر ہم اس کو صحیح طور پر انجام دیں گے تو عزت و آبرو اور اطمینان وسکون کی زندگی پالیں گے۔"

عشاء کی نماز کے بعد خانقاہ مجددیہ پیر گیٹ پر ہم سب کھانے پر مدعو تھے، پُر تکلف کھانا، اور حضرت سعید میاں کا خلوص، سادگی، انکسار اور وسیع دسترخوان پر . . . . ہر مہمان کا خیال، یہ سب مل کر جو تاثر قائم ہوا وہ بھولنے والا نہیں۔

جمعہ ۲ دسمبر ۱۹۸۳ء:

فجر کی نماز کے بعد مسجد شکور خاں میں حضرت مولانا کا بیان ہونا تھا، لیکن موصوف نے ناسازیٔ طبع اور رات دیر تک نیند نہ آنے کی بنا پر معذرت کردی اور رفیق محترم عبد الکریم صاحب پاریکھ کو بیان کے لئے فرمایا۔ مسجد شکور خاں بھوپال کا تبلیغی مرکز ہے، جمعرات کی شب میں جماعتی رفقاء یہاں شب بسری کرتے ہیں، صبح کے بیان میں خاصی تعداد تھی، پاریکھ صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں قرآن مجید کی روشنی میں بیان فرمایا،

ناشتہ نواب حفیظ اللہ کے بھائی اَبَن میاں کے مکان پر تھا۔ شہر کے خواص کی بڑی تعداد اس میں مدعو تھی، خواص کے اس اجتماع سے ابتداء میں عبد الکریم صاحب پاریکھ نے خطاب کیا اور ان کو اپنی ذمہ داری یاد دلائی۔ اس مخصوص مجلس کی مناسبت سے حضرت مولانا مدظلہٗ کے ایماء سے راقم سطور نے رسالہ "خواص" پڑھ کر سنایا، جو دراصل حضرت مدظلہٗ کی وہ تقریر ہے جو موصوف نے ۱۹۷۷ء میں گورکھپور کے سربرآوردہ حضرات کی ایک مخصوص نشست میں کی تھی، اس موثر، مقبول ومفید تقریر کو بعد میں "خواص" کے نام سے کتابچہ کی شکل میں شائع کیا گیا۔ اس تقریر کی خواندگی کے بعد ڈاکٹر محمد اشتیاق صاحب نے موقع کی مناسبت سے ایک مختصر اور جامع تقریر کی۔ آخر میں حضرت مولانا نے خواص کو انکے مقام اور کام کا احساس دلاتے ہوئے مشورہ دیا کہ وہ اپنے وسائل بروئے کار لاکر مسلمان بچوں کے لئے آئیڈیل اسلامک کانونٹ اسکول قائم کریں ان اسکولوں میں عصری علوم کا معیار شہری اسکولوں سے کسی طرح کم نہ ہو بلکہ فائق ہو، ساتھ ہی اس میں بچوں کو ابتدائی دینی تعلیم، اسلامی تاریخ سے واقفیت کا نظم کیا جائے، خوشحال طبقہ کے بچے شہری اسکولوں میں داخلہ لے کر اپنے دین سے نابلد اور اپنی تاریخ وروایات سے ناآشنا ہو جاتے ہیں، مسلمانوں کے خوشحال طبقہ کو اس کی فکر کرنی چاہیئے، مولانا نے یہ دعا فرمائی کہ خدا کرے اس طرح کے اسکولوں کا قیام عملی شکل اختیار کرے۔"

۱۱ بجے نسواں اسکول شفا منزل میں خواتین سے خطاب تھا، بیگم صاحبہ نواب محمد اختر کی

کوشش و دلچسپی سے یہ اسکول قائم ہوا، جہاں بچوں کی دینی تعلیم کا بھی اچھا نظم ہے، خواتین کے اس اجتماع سے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، عبدالکریم صاحب پاریکھ اور آخر میں حضرت مولانا علی میاں نے خطاب فرمایا۔ نماز جمعہ مسجد شکور خاں میں مولانا علی میاں کی اقتدا میں ادا کی گئی۔ دوپہر کا کھانا حاجی امین الدین صاحب بیڑی والے کے یہاں تھا، حاجی صاحب ایک دیندار، مخیر اور علماء سے عقیدت و تعلق رکھنے والے بزرگ ہیں۔

ایچ۔ ای۔ ایل میں خطاب: آزادی کے بعد ملک کے پہلے وزیر داخلہ اور نائب وزیر اعظم سردار ولبھ بھائی پٹیل کی ذہانت و کوشش سے ہندوستان کی تمام ریاستوں کا انضمام ہندیونین میں ہوگیا، ریاست بھوپال نے ابتدا ہی میں انضمام کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد سردار پانیکر کی قیادت میں جب لسانی بنیاد پر صوبوں کی تقسیم عمل میں آئی تو بھوپال کو مدھیہ پردیش کی راجدھانی بنادیا گیا، راجدھانی بننے سے پہلے اس شہر میں مسلمانوں کی اکثریت تھی لیکن اب وہ باقی نہیں رہی۔ سکریٹریٹ اور حکومت کے مختلف محکموں، اور نئے نئے صنعتی اور تجارتی مراکز میں باہر کے لوگ کثرت سے آئے ہیں، ہیوی انڈسٹریز کے بہت بڑے کارخانے ایچ۔ ای۔ ایل کے ملازمین کی چار نئی کالونیوں میں تقریباً ۸۰ ہزار ملازم رہتے ہیں، ان ملازمین میں ایک محدود تعداد مسلمانوں کی بھی ہے، ایچ۔ ای۔ ایل کے مسلمان ملازمین کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی معتدبہ تعداد کا تعلق تبلیغ و دعوت سے ہے، چاروں کالونیوں میں ان لوگوں نے پختہ مسجدیں تعمیر کی ہیں، مغرب بعد وہاں کی ایک نوتعمیر مسجد میں اجتماع تھا جس سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو خطاب کرنا تھا، مغرب سے قبل ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی، عبدالکریم صاحب پاریکھ اور راقم سطور وہاں پہونچ گئے، بعد نماز راقم سطور نے تمہیدی کلمات کہے، بعد میں عبدالکریم صاحب کی مفصل تقریر ہوئی جو دلچسپی سے سنی گئی، دوران تقریر حضرت مدظلہ تشریف لائے۔

زرّیں موقع: حضرت مولانا کی آمد کے بعد پاریکھ صاحب نے اپنی تقریر کو مختصر کر کے ختم کیا، حضرت مولانا نے خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا:۔

"میری خواہش تھی کہ ہمارے دوست حاجی عبدالکریم صاحب پاریکھ مسلسل تقریر کریں، ان کی تقریر میں پیام عمل بھی ہے اور آپ کی دلچسپی کا سامان بھی، میں ان کی تقریر کو آپ کے لئے مفید سمجھتا ہوں، وہ کاروباری آدمی ہیں اور زندگی کے مسائل کا گہرا مطالعہ اور تجربہ رکھتے ہیں، وہ آپ کو بتاتے کہ آپ اپنی مشغولیت کے ساتھ کس طرح دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکتے ہیں۔ میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسلامی زندگی اور دینی تربیت کے مظاہرے کا یہاں اچھا موقع دیا ہے۔ ایسا موقع جو بڑے بڑے دینداروں اور علماء و مشائخ کو حاصل نہیں۔ آپ ایک ایسے ماحول میں رہتے ہیں جہاں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے غیر مسلم بھائی بڑی تعداد میں کام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس ماحول میں اسلام کو ایک حقانی، ربانی دین ثابت کرنے کا زرّیں موقع عنایت فرمایا ہے، عبادات، معاملات، اخلاق، انسان دوستی، فرض شناسی، احساس ذمہ داری، ذہانت و دیانت اور اسلامی اخوت و مروت کا آپ ایسا نمونہ ان کے سامنے پیش کریں کہ ان کے دل میں اسلام کی حقانیت اور افادیت کا نقش قائم ہو جائے اور ان میں ایسی پیاس پیدا ہو جائے کہ وہ اسلام کا مطالعہ کریں۔

ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ اسلام کو اس کے پھل سے لوگ پہچانیں، جڑ سے کسی چیز کو پہچاننا مشکل ہوتا ہے۔ کسی منشور کو چاہے وہ کتنا ہی مفید ہو، دنیا اسی وقت مفید تسلیم کرے گی جب وہ عملی زندگی میں جاری ہو، اسی طرح اسلام کے پھل سے لوگ اسلام کو پہچانیں گے اور شجر اسلام کے پھل ہم اور آپ ہیں۔

اسلام کے اعلیٰ اصولوں میں دنیا اسی وقت کشش محسوس کریگی جب ان کا مظاہرہ ہم اپنی عملی زندگی میں کریں گے۔ ہم نے جب اپنے عمل سے اسلام کو پیش کیا تو قومیں اور ممالک اسلام کی آغوش میں آگئے۔ انڈونیشیا، ملیشیا اور دنیا کے مختلف خطوں میں اسلام اس کے ماننے والوں کے عمل کی وجہ سے پھیلا۔ لوگ اسلام کو کتابوں میں بعد میں پڑھیں گے، پہلے تو ہمارے رات دن کے معاملات اور ۲۴ گھنٹے کی زندگی سے سمجھنے کی کوشش

Upper-lake
بڑا تالاب بھوپال

کریں گے۔

ہمارے بزرگوں کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو دیکھ کر، ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر لوگ ان کا کلمہ پڑھتے تھے یعنی اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے، اسلام کی اشاعت جنگوں کے سے نہیں ہوئی بلکہ حسن اخلاق کے ذریعہ ہوئی۔ برسوں کے عقائد، تصورات، مسلّمات و نظریات کو بدل دینے والے اور ذہن پر چوٹ لگانے والے عمل و کردار کے ذریعہ ہمارے اسلاف نے دلوں کو جیتا۔ ہماری ایمانداری اور دیانت داری اور ہمارے اخلاق و معاملات، ہماری پوری زندگی، دماغ پر چوٹ لگانے والی، غور و تدبر پر آمادہ کرنے والی نہیں ہے۔ ہمارا عمل ایسا ہو کہ دنیا کی ذہنی سطح پر توجہ کی ایک لہر آئے، دین جامع ہے، عبادات، عقائد، اخلاق، معاملات اور عام انسانی فلاح و بہبود کا۔ اگر ہم عقائد و عبادات کی حد تک تو مسلمان ہوں، لیکن ہمارے معاملات اور ہمارے دفتر و بازار کی زندگی پر اسلام کا کوئی اثر نہ ہو تو ایسا اسلام برادران وطن کو متاثر نہیں کر سکتا، نماز و روزے سے انسان میں تواضع، تحمل، مروت و اخلاق جیسی صفات پیدا ہونی چاہیئے۔

ہندوستان میں اپنی نوعیت کے اس سب سے بڑے کارخانے میں آپ کو یہ موقع حاصل ہے کہ آپ یہاں اپنے عمل سے اسلام کی تعلیمات کو پیش کر کے برادران وطن کو اسلام سے مانوس اور متاثر کر سکتے ہیں۔ آپ کے اخلاق و کردار میں ہیرے کی چمک اور کندن کی دمک ہو۔ اس ملک میں ہر قسم کا کام ہو رہا ہے لیکن وہ کام نہیں ہو رہا ہے جس کے ذریعہ برادران وطن تک اسلام کا پیام محبت و مساوات پہونچایا جائے۔ اس کام کے لئے H.E.L جیسے مقام پر آپ کی ملازمت اور یہاں قیام اس دعوت کی راہ ہموار کرنے کا بہت بڑا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اسلامی زندگی کا نمونہ بن کر آپ اس کام کو بہت اچھی طرح کر سکتے ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کی بھرپور تائید و مدد فرمائے۔"

عشاء کی نماز اسی مسجد میں ادا کی گئی، پھر اجتماعی کھانا ہوا، رات دیر گئے قیام گاہ پر واپسی ہوئی، آج کا دن بڑا مصروف گذرا، اپنی پیرانہ سالی اور بیماری و معذوری کے باوجود ہمارے میزبان مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی حضرت مولانا علی میاں کی رفاقت ہر پروگرام میں فرماتے رہے۔

سنیچر ۳ دسمبر ۱۹۸۳ء: دارالعلوم تاج المساجد کے طلبہ کی انجمن "حزب الطلبہ" کی جانب سے آج صبح استقبالیہ تھا، جلسے سے پہلے دارالعلوم کے ایک استاذ مولوی حافظ عبدالاحد بیگ صاحب نے تاج المساجد کی تعمیرات کا تفصیلی معائنہ کرایا۔ مولانا معین اللہ صاحب ندوی، ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی اور راقم سطور دو سال پہلے ان تعمیرات کو دیکھ چکے تھے لیکن جس رفتار سے کام ہو رہا ہے، اس میں ہمارے لئے ابھی کئی نئی چیزیں تھیں، لیکن عبدالکریم صاحب پاریکھ تو دس سال بعد بھوپال آئے تھے، ان کے لئے ہر چیز نئی اور بڑی دلچسپی کی تھی،

جلسہ گاہ پہونچے تو کارروائی شروع ہو چکی تھی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا خطاب طلبہ سے، اس میں ایک بزرگ خاندان کی محبت، شفقت، خیرخواہی، نیک تمنائیں، اعلیٰ توقعات سب ہی کچھ سمٹ آتی ہیں، دارالعلوم تاج المساجد میں ندوۃ العلماء کا نصاب تعلیم رائج ہے، اس دینی درسگاہ کے بانی، اس کے مہتمم اور اساتذہ سبھی ندوی ہیں، یہاں آکر فطری بات ہے کہ اپنے خاندان کے افراد میں موجودگی کا احساس غالب و نمایاں رہتا ہے، طلبائے دارالعلوم

تاج المساجد سے حضرت مولانا علی میاں اسی تاثر اور جذبے سے خطاب فرما رہے تھے جیسا ان کا معمول ندوہ کے طلبہ سے خطاب کا ہے،

یہ سب ایمان کے چراغ ہیں: مولانا نے اپنی تقریر میں طلبہ کو اخلاص اور اختصاص پیدا کرنے پر خصوصی توجہ دلائی کہ یہ دونوں صفات دنیا و آخرت میں کام آئیں گی۔ دینی تعلیم اور اس راہ میں آنے والی مشکلات سے بے نیازانہ گذرنے کی تلقین فرماتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ "ہوا خواہ کتنی ہی تند و تیز ہو تمہیں اپنا چراغ جلائے رکھنا ہے، حالات کیسے ہی ناسازگار ہوں لیکن دین و علم کے علمبرداروں کو ہر حال میں ایمان کی مشعل روشن رکھنا ہے۔"

دینی مدارس کی اہمیت و ضرورت کا ذکر فرماتے ہوئے آپ نے کہا کہ "ندوہ، دیوبند، مظاہر العلوم، تاج المساجد وغیرہ یہ سب ایمان کے چراغ ہیں جن کو مخلصین نے خون جگر سے روشن کیا ہے، ان کی ضوفشانی اور ضیاباری کو کوئی روک نہیں سکتا ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد   چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

علم دین کی راہ اختیار کرنے پر طلبہ کو مبارکباد دیتے ہوئے موصوف نے فرمایا:۔

"ان چراغوں سے اور ان کی روشنی سے تمہاری وابستگی خوش نصیبی اور قابل فخر بات ہے، تمہیں مستقبل میں اس شعر کی عملی تشریح پیش کرنا ہے ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دئے ہیں انداز خسروانہ

"حزب الطلبہ" کی طرف سے پرتکلف ناشتے کا اہتمام تھا، اس موقع پر جناب سرور قریشی آرکیٹکٹ و انجینیر سے بھی ملاقات ہوئی، تاج المساجد کی تعمیر جدید میں موصوف کے رضاکارانہ تعاون کی تحسین حضرت مولانا مدظلہ، اور ان کے تمام رفقا نے کی، مولانا معین اللہ صاحب ندوی نے انہیں ندوہ کی تعمیرات میں مشورے کے لئے لکھنؤ آنے کی دعوت دی جس کو انہوں نے خندہ پیشانی سے قبول کیا اور ہر ممکن تعاون کا وعدہ فرمایا۔

بن اگر شہروں سے پیارے ہوں تو شہر اچھے کہ بن؟: بھوپال کے سفر میں ایک شخصیت نے اپنی دینداری، امارت کے باوجود سادگی، مہمان نوازی، معذوریوں کے باوجود نماز باجماعت کا اہتمام، تبلیغ و دعوت میں انہماک، بزرگوں سے عقیدت و تعلق اور ہر ایک سے اخلاص و محبت کی بنا پر راقم سطور کو ہمیشہ متاثر کیا۔ یہ ہیں نواب حفیظ اللہ صاحب بمبئی اسٹور والے جو عام طور پر نواب میاں کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے دوپہر کو کھانے پر اپنے فارم پر مدعو کیا تھا، دو موٹریں آگئیں، مہمان اور مقامی مدعوئین شہر سے دس بارہ میل کے فاصلے پر ایک سرسبز و شاداب علاقے میں پہونچے، نواب میاں نے اپنے اس فارم میں ایک خوشنما بنگلہ تعمیر کیا ہے اور ڈیری فارم بھی قائم کیا ہے، دو ڈھائی سو بھینسیں ہیں، اپنے خالص دودھ کی وجہ سے اس ڈیری فارم کی بڑی ساکھ ہے، ان کے گاہکوں میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے، ایک دیانتدار مسلمان تاجر کے اخلاق اور دیانت سے غیر مسلم بھی متاثر ہوتے ہیں، نماز ظہر کھلی فضا میں ہریالی پر ادا کی گئی، کھانا یوں بھی متنوع، لذیذ اور وافر مقدار میں، پھر کھلی فضا کا اثر، لطف دے گیا۔

کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کیا، عصر کی نماز سرسبز لان پر پڑھی، نماز میں نواب میاں کے کاشتکار اور ڈیری فارم کے ملازمین بڑی تعداد میں شریک تھے، نماز بعد ان سب نے حضرت مولانا سے مصافحہ کیا اور ان کے ارد گرد جمع ہو گئے، مولانا نے انہیں نماز کی پابندی اور ایک دیندار مسلمان کے یہاں ملازمت کو نعمت سمجھنے کی ہدایت فرمائی، اطراف کا ماحول قدرتی حسن کا عجیب منظر پیش کر رہا تھا، چاروں طرف رنگ برنگی پھولوں کے تختے، اس منظر کو دیکھ کر بے اختیار حضرت مولانا کی زبان پر اقبال کے یہ اشعار جاری ہوگئے ؎

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے، اودے نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن
برگ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باد صبح
اور اس موتی کو چمکاتی ہے سورج کی کرن
حسن بے پروا کو اپنی بے نقابی کیلئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن؟

کتب خانہ دارالعلوم تاج المساجد بھوپال کا کمرہ

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

دارالاقامہ دارالعلوم تاج المساجد بھوپال کا ایک کمرہ

نواب میاں کی سرگذشت: نواب میاں کی سرگذشت بڑی دلچسپ اور سبق آموز تھی ان کی آپ بیتی انہیں کے سادہ، بے تکلف اور کبر و نخوت سے پاک، معصوم انداز بیان میں سن کر آدمی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

رفیق محترم عبدالکریم صاحب پاریکھ ناگپور میں عمارتی لکڑی کے بہت بڑے تاجر ہیں، میمن برادری سے تعلق ہے۔ بازار سے گذرتے ہوئے تجارت و اقتصادیات کے پہلو پر ان کی سرسری نظر بہت سی باریکیوں کا ادراک کر لیتی ہے، تمام عرصہ پہلے تجارتی دنیا سے منقطع ہو چکا ہے تاہم اس میدان میں ماضی کے تجربات اور حال کی صحافیانہ تجسس نگاہ سے مارکیٹ کے "مد و جزر" کا اندازہ ہو جاتا ہے، ہم دونوں نے یہ محسوس کیا کہ بھوپال کی مارکیٹ میں مسلمان تاجر بمنزلہ صفر ہیں، ہمیں اس پر حیرت تھی، اس کی وجہ نواب میاں کی آپ بیتی سننے کے بعد معلوم ہوئی، بھوپال میں نواب حکمراں رہے ہیں، تجارت کو وہ اپنی شان امارت کے منافی سمجھتے تھے، اگر کوئی مسلمان تجارت سے دلچسپی لیتا تو اسے اپنے اور پرائے عار دلاتے، ایسے سخت مراحل سے نواب میاں گذرے، نواب بھوپال کے وہ قریبی عزیز ہیں، پرورش و پرداخت امارت کی گود میں ہوئی، پڑھنے کے لئے ابتدا سے دہرہ دون بھیجے گئے، جہاں سو فیصد انگریزی ماحول اور مغربی ثقافت تھی، انگریزی کے علاوہ کسی زبان میں گفتگو پر جرمانہ پڑتا، کھانے کے مخصوص لباس کے بغیر ڈائننگ ہال میں داخلہ ممکن نہ تھا، اعلیٰ تعلیم بمبئی میں ہوئی۔ ۱۹۴۴ء میں بی۔ کام کرنے کے بعد بمبئی کے تجارتی ماحول میں انہیں بھی تجارت سے دلچسپی ہوئی، بھوپال پہونچے تو اپنا منصوبہ پورا ہوتا نظر نہ آیا، والد صاحب ان کے "بنیا" بننے کے خیال کے سخت مخالف، غرض بڑی کشمکش کے بعد بہ مشکل اجازت ملی تو سرمایہ ندارد، والدہ نے تین ہزار روپے دئے، جو دکان کے فرنیچر اور آرائش میں خرچ ہو گئے، اب مال کہاں سے آئے؟ انہوں نے ایک ترکیب کی، تھوڑا سا مال رکھا اور دکان بھری بھری نظر آنے کے لئے خالی ڈبے سجا دئے، آہستہ آہستہ ترقی ہوتی گئی، پورے مدھیہ پردیش کی بعض ایجنسیاں انہیں ملیں اور ایک کامیاب تاجر بن گئے۔ تعلیم و تربیت غیر دینی ماحول میں ہوئی تھی، نتیجہ یہ کہ دین سے دور اور مولوی سے بیزار، ۱۹۵۸ء میں پہلی مرتبہ تبلیغی اجتماع میں لکھنؤ پہونچے، جماعت میں وقت لگایا تو احساس ہوا کہ نماز کا سبق بھی یاد نہیں، اب تبدیلی آئی تو اس طرح کہ ذہن بدلا، لباس بدلا، چہرے پر داڑھی آئی اور صبغۃ اللہ میں رنگ گئے، "ومن احسن من اللہ صبغۃ"۔ ان کے صاحبزادگان سکندر میاں اور محمد میاں ہم لوگوں سے بڑے مانوس اور خدمت میں پیش پیش رہے، اپنے والد کے اطاعت گذار، سعادتمند اور اپنے کاروبار کو ترقی دینے میں کامیاب ہیں۔

جلسۂ پیام انسانیت: شب کو حلقۂ پیام انسانیت بھوپال کے زیر اہتمام ایوان صدر منزل میں ایک مخلوط اجتماع تھا، تحریک پیام انسانیت کی اجنبی اور نامانوس صدا اب ملک کے کئی حصوں میں معروف و متعارف دعوت بن چکی ہے، اس ملک میں انسانی اور اخلاقی قدروں کی پامالی، نفرت و عداوت کی فضا اور انتشار، لاقانونیت، رشوت، اقربا پروری اور ظلم و تشدد کے واقعات سے متاثر ہو کر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس تحریک کا آغاز دسمبر ۱۹۷۴ء کو الٰہ آباد سے کیا۔ ملک کے تاریک ماحول میں یہ دعوت گویا۔ ع

بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی

حلقۂ پیام انسانیت کے جہاں جہاں جلسے ہوئے لوگوں نے اسے اپنے دل کی آواز اور درد کا مداوا اور بے چینی کا علاج سمجھا، مدھیہ پردیش کی سرزمین پر آج اس تحریک کا پہلا باقاعدہ جلسہ ہو رہا تھا، اس جلسے کے انعقاد اور نظم و انتظام میں جناب جلیل اللہ خاں صاحب ایڈوکیٹ، جناب طاہر صاحب مدیر "مجھوتہ"، اشفاق مشہدی ندوی مدیر "ایاز"، مولوی حمید اللہ ندوی اور ان کے کئی مسلم اور غیر مسلم رفقا کی مساعی کا بڑا حصہ ہے، شب میں ۸ بجے جلسہ شروع ہوا، جلسے کی صدارت مدھیہ پردیش جنتا پارٹی کے صدر شری بھاؤ ٹھاکرے نے کی، سامعین میں مختلف سیاسی، سماجی، تعلیمی تنظیموں کے عہدہ دار، اسمبلی کے ممبران اور مسلم و غیر مسلم عوام و خواص

کی کثیر تعداد شریک تھی۔ تعارفی تقریر راقم سطور نے کی، بعد عبد الکریم صاحب پاریکھ نے خطاب کیا اپنے طرز استدلال، انداز بیان، ہندی الفاظ و اصطلاحات کے کثرت استعمال اور بروقت آیات قرآنی کے استشہاد کی وجہ سے یہ تقریر بڑی موثر ثابت ہوئی، سامعین کی دلچسپی آخر تک باقی رہی ان کے چہروں پر تحسین و پسندیدگی کے جذبات نمایاں تھے، اس کے بعد تحریک کے بانی اور داعی اول حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے اپنے خطاب میں فرمایا:۔

خدا نسلِ انسانی سے مایوس نہیں:

حضرات! مجھے اس کثیر مجمع کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی جو انسانیت کے نام اور انسانیت کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے یہاں جمع ہوا ہے، اس مجمع کو کسی سیاسی غرض اور خاندانی مفاد نے نہیں جمع کیا، اس سے میرے اندر ایک حوصلہ اور نئی امنگ پیدا ہوئی، انسانیت کے مستقبل کی طرف سے امید کی ایک کرن نظر آئی کہ اس کا مستقبل روشن ہے اور مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔

خدا کا معاملہ نسل انسانی کے ساتھ اور انسانی نسل کا معاملہ نسل انسانی کے ساتھ بالکل برعکس ہے، خدا نسل انسانی سے مایوس نہیں، اس کی مہربانیاں، اس کی نعمتیں اس کائنات پر اس سنسار پر برس رہی ہیں، کائنات کی ہر چیز نسل انسانی سے پُر امید ہے، لیکن ہمارا معاملہ ایک دوسرے کے ساتھ یہ بتاتا ہے کہ ہم انسان سے مایوس ہیں۔ کسی مفکر نے کہا ہے کہ جو بچہ اس دنیا میں آتا ہے وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ خدا نسل انسانی سے مایوس نہیں، اگر مایوس ہوتا تو اس نسل میں اضافہ نہ کرتا، اسے اپنی قسمت اور صلاحیت آزمانے اس دنیا میں نہ بھیجتا۔ لیکن انسان، انسان کا گلا کاٹتا ہے، انسان، انسان سے نفرت کرتا ہے، انسان، انسان کا استحصال کرتا ہے، جونک کی طرح خون پیتا ہے، اسے گاہک سمجھ کر فائدہ اٹھاتا ہے اور اپنے رویّے سے اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ انسانیت کی صلاحیت، جوہر اور مستقبل سے وہ مایوس ہے۔ خدا اور انسان کے یہ مظاہرے برابر جاری ہیں، بارش کا ایک ایک قطرہ اس کا اعلان کرتا ہے کہ دنیا کا پیدا کرنے والا اپنی پیاسی مخلوق سے، اپنی ظالم مخلوق سے ابھی مایوس نہیں ہے۔ زمین روئیدگی کی صلاحیت رکھتی ہے، اس کی پیداوار اس بات کا اعلان ہے کہ خدا اس زمین کے رہنے والوں سے مایوس نہیں، سورج چمکتا ہے، وہاں کوئی اسٹرائک نہیں، چاند برابر نکلتا ہے اور اپنی چاندنی کی چادر پھیلاتا ہے، آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا ہے، دلوں کو بھی ٹھنڈک پہونچاتا ہے، یہ سب اس بات کا اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان سے ابھی مایوس نہیں۔ لیکن ہمارا اور آپ کا عمل یہ ثابت کرتا ہے کہ ہم انسان سے مایوس ہیں، ہم اپنے کردار و عمل سے اس بات کا مظاہرہ کر رہے ہیں کہ ہم اس انسان کو جو خدا کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے کوئی وقعت نہیں دیتے۔

خدا کی قدرت اور حُسن تخلیق کے مظاہر ہر چیز میں ہیں، پھول، کلی، قطرہ، گھاس کا تنکا، مٹی کا ذرہ، درخت کے پتے، جس چیز کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اس میں ایک دنیا ہے، ان سب سے حسین و دلآویز تخلیق انسان کی ہے، ساری چیزیں، پوری کائنات اس کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی، یہ سب اس بات کا اعلان کرتی ہیں کہ انسان خدا کا محبوب ہے، اشرف المخلوقات ہے، اس دنیا کی بارات کا دولہا ہے۔ لیکن ہمارا اور آپ کا طرز عمل یہ ثابت کرتا ہے کہ انسان میں کوئی خوبی نہیں، ہم اپنے عمل سے خدا کی عدالت میں اپنے خلاف مقدمہ دائر کرتے ہیں کہ ہم کو دنیا سے اٹھا لیا جائے، گویا ہم فرشتوں کی اس بات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں جس کی تردید خدا نے کی تھی، جب تخلیق انسان کے وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" (میں اسے زمین پر اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں) تو فرشتوں نے اندیشہ ظاہر کیا تھا "اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ" (کیا آپ ایسے کو (خلیفہ) بنا رہے ہیں جو زمین پر بگاڑ پیدا کرے گا اور خون بہائے گا۔؟)۔ جب خدا نے علم اشیاء کے بارے میں آدم سے سوال کیا تو اس نے ٹھیک جواب دیا، فرشتے جواب میں ناکام رہے، خدا نے انسان کو جتنا اونچا بنایا تھا، ہم اس کو برابر

ہیں۔

جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں:

خدا نے یہ فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ انسان میں کیسے کیسے گُن ہیں، اس سے علم کا دریا کیسا اُبلتا ہے، سمندروں میں وہ وسعت اور گہرائی نہ ہوگی جو اس میں ہے، اس کی آنکھوں میں محبت کی جو چمک ہے وہ پیش کرنے سے تم قاصر ہو، اس کے دل میں نرمی ہے، محبت ہے، گداز ہے، اس پر درد کی چوٹ لگتی ہے، جس سے تم محروم ہو، اقبال نے بڑی جرأت سے کہا تھا ؎

نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی
تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ

اس سے بڑھ کر یہ کہ ؎

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّ و بیاں

فرشتوں کے پاس یہ دولت نہیں۔ انسان خدا کے یہاں فرشتوں کے مقابلہ میں وہ دل پیش کر سکتا ہے جو چوٹ کھایا ہوا ہو ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

کسی پر خنجر چلے، کسی کے تلوے میں کانٹا چُبھے تو اس کی کسک اسے اپنے دل میں محسوس ہوتی ہے، انسان کے پاس جو سب سے بڑا سرمایہ ہے وہ رحم کا سرمایہ ہے، وہ محبت کا سرمایہ ہے، وہ ایک آنسو ہے جو انسان کی آنکھ سے کسی بیوہ کے سر کو ننگا، کسی غریب کے چولھے کو ٹھنڈا، کسی مریض کی کراہ کو سُن کر ٹپک پڑتا ہے، آنسو کا وہ قطرہ جو سمندر میں ڈالدیا جائے تو اُسے پاک کر دے، گناہوں کے جنگل میں ڈالدیا جائے تو سب کو جلا کر نور سے بدل دے۔ فرشتے سب کچھ پیش کر سکتے ہیں لیکن آنسو کا وہ قطرہ نہیں پیش کر سکتے، جس کی قیمت آپ نے بھی نہیں پہچانی، جو ایک انسان دوسرے انسان کے لئے بہاتا ہے ؎

"ہم رات کو اُٹھ کر روتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے"

اندرون تاج المساجد حوض اور دار الاقامہ دار العلوم تاج المساجد کے کمروں کا منظر — شہر اور جامع مسجد شہر کے منارے

فرشتے اپنے مالک کو دیکھ دیکھ کر اور اس کی ذات و صفات کو پہچان کر نہیں سو سکتے، لیکن وہ انسان جو کسی انسان کی مصیبت و درد کی وجہ سے نہیں سو سکتا، اس کے جاگنے کو فرشتوں کی بیداری نہیں پہونچ سکتی۔ انسان کے پاس سب سے انمول چیز یہ ہے کہ وہ دوسرے کے درد سے متاثر ہوتا ہے، اس کے اندر محبت کا مادّہ ہے، اس کو حرکت دینے والی کوئی چیز مل جائے تو وہ حرکت میں آجاتا ہے، پھر نہ مذہب کو دیکھتا ہے نہ ملّت کو، نہ فرقے کو نہ علاقے کو نہ وطن کو دیکھتا ہے نہ ملک کو دیکھتا ہے۔ انسان، انسان کا دل دیکھتا ہے، اس کے درد کو محسوس کرتا ہے، جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے اور وہ کھنچنے پر مجبور ہے، اسی طرح انسان کے دل کا مقناطیس انسان کے دل کو کھینچتا ہے۔

جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے:

اگر انسان سے یہ دولت چھن جائے تو وہ دیوالیہ ہو جائے گا۔ اگر کوئی ملک اس سے محروم ہو جائے، اگر امریکہ کی دولت، روس کا نظام، عرب ممالک کے پٹرول کے چشمے ہوں، ہُن برستا ہو، سونے اور چاندی کی گنگا جمنا بہتی ہو لیکن اس ملک میں محبت کا چشمہ خشک ہو چکا ہو تو وہ ملک کنگال ہے۔ اس ملک پر اللہ کی رحمتیں نازل نہ ہوں گی۔ ابھی انسان کی آنکھ آنسو بہانے کے قابل ہے، ابھی انسان کا دل تڑپنے، سُلگنے اور چوٹ کھانے کے قابل ہے۔ جو دل اس قابل نہیں ہے ایسے دل کو دل نہیں کہتے بلکہ پتھر کی سِل کہتے ہیں۔ جو خدا کی بارگاہ میں کوڑی کے قابل نہیں، چاہے وہ

مسلمان کا دل ہو یا ہندو، سکھ، عیسائی کا دل ہو۔ دل تو اس لئے ہے کہ وہ تڑپے، لرزے، روئے اس میں زمین سے زیادہ شادابی، آبشار سے زیادہ سیرابی، کائنات سے زیادہ وسعت، اور بادلوں سے زیادہ برسنے کی صلاحیت ہو ؎

کوئی جا کر کے کہہ دے ابرِ نیساں سے کہ یوں برسے
کہ جیسے مینھ برستا ہے ہمارے دیدۂ تر سے

وہ آنکھ انسان کی آنکھ نہیں نرگس کی آنکھ ہے جس میں نمی نہ ہو، وہ دل انسان کا دل نہیں چیتے کا دل ہے جس پر کبھی درد کی چوٹ نہ لگے، جو کبھی انسانیت کے غم میں رونا تڑپنا نہ جانے۔ وہ پیشانی جس پر کبھی ندامت کا پسینہ نہ آئے وہ پیشانی نہیں بلکہ کوئی چٹان ہے۔

جو ہاتھ انسانیت کی خدمت کیلئے نہیں بڑھتا وہ مفلوج ہے، وہ ہاتھ جو انسان کی گردن کاٹنے کے لئے بڑھتا ہے اس سے شیر کا ہاتھ بہتر تھا، اگر انسان کا کام کاٹنا تھا تو قدرت اس کو بجائے ہاتھوں کے تلوار دے دیتی۔ اگر انسان کا مقصدِ زندگی صرف مال جمع کرنا تھا تو اس کے سینے میں دھڑکتے ہوئے دل کی بجائے ایک تجوری رکھ دی جاتی، اگر انسان کا کام صرف تخریب کے منصوبے بنانا تھا تو اس کے اندر انسان کا دماغ نہ رکھا جاتا بلکہ کسی شیطان، کسی راکشس کا دماغ رکھ دیا گیا ہوتا۔ پاریکھ صاحب نے اپنی تقریر میں انسان کے جسمانی تخلیق کے عجائبات تبلائے ہیں لیکن آپ اس کے دل کے عجائبات دیکھیں تو جسم کے عجائبات ماند پڑ جائیں۔ اس کو ایسا دل دیا ہے کہ مشرق میں کسی کو تکلیف ہو تو وہ مغرب میں تڑپ اُٹھے، یہ دل کی زندگی تھی کہ جنگ بدر کے موقع پر جو لوگ قیدی بنائے گئے اور ان کی مشکیں کسی گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قیدیوں کی تکلیف کے احساس سے رات بھر سو نہ سکے۔ اگر کوئی بچہ روتا تو آپ نماز مختصر کر دیتے کہ کہیں اس کی ماں بےچین نہ ہو۔ جو دل کسی کا دل دکھائے، کسی کو تکلیف پہونچائے تو وہ دل کس شمار کے قابل ہے؟

بھائیو! خدا کا سارا معاملہ اس کے مخلوق کے ساتھ بتاتا ہے کہ خدا نسل انسانی سے مایوس نہیں، آپ کا واٹر ورکس پانی روک سکتا ہے، آپ کا پاور ہاؤس بجلی روک سکتا ہے، تو کیا خدا اپنی نعمتیں نہیں روک سکتا؟ جس طرح یہاں کی میونسپلٹی، بھوپال کے رہنے والوں کی صلاحیت سے مایوس نہیں اور ان کی خدمت کر رہی ہے، خدا اس طرح اس دنیا کو پانی بھی دے رہا ہے اور روٹی بھی دے رہا ہے اور سب کو حکم ہے کہ وہ انسان کی خدمت کریں ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

پورا کارخانہ انسان کی خدمت میں لگا ہوا ہے، خدا اس سے مایوس نہیں ہوا ہے، لیکن ہم اپنے اخلاق سے کیا ثابت کر رہے ہیں؟ کیا ہم ثابت کر رہے ہیں کہ ہم انسان کو کوئی بڑی چیز سمجھتے ہیں؟ کوئی اونچی چیز سمجھتے ہیں؟ اپنے برابر کا سمجھتے ہیں؟ اپنے جسم کا ٹکڑا سمجھتے ہیں۔ ع

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند

یہ طرز عمل انسانی آبادی کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے، باہر سے کوئی خطرہ نہیں، وہ زمانہ بیت گیا جب قومیں دوسری قوموں پر چڑھائی کرتی تھیں، خطرہ اندرونی ہے، وہ ہے انسان دشمنی اور انسانیت کی پامالی کا خطرہ۔ انسانیت کی خیر خواہی سے آنکھیں بند کر لینا۔ اس خطرے سے ملک کو بھی اور قوم کو بھی بچانے کی ضرورت ہے۔

بارات ہے نوشہ نہیں:

مجھے یہیں کے ایک بزرگ کی کہی ہوئی ایک کہانی یاد آگئی جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے وہ کہتے ہیں:۔

"ایک بارات بڑے دھوم دھام سے جا رہی تھی، بینڈ باجہ بھی تھا، روشنی اور مشعل بھی، بارات دیکھنے والوں کی بھیڑ میں ایک شخص بہت غور سے بارات دیکھ رہا تھا، کچھ دیر بعد اس نے کہا کہ نوشہ کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ کیا فضول بکتے ہو، بارات نہیں دیکھ رہے ہو، تماشہ نہیں دیکھتے ہو، Enjoy نہیں کر رہے ہو فضول سوالات کرتے ہو، مگر وہ آدمی بڑا حقیقت پسند تھا اس نے کہا بارات تو بہت عمدہ ہے لیکن نوشہ نظر نہیں آتا، اس پر سب کو

بھوپال یاٹ کلب

خیال ہوا کہ دیکھنا چاہئے نوشہ واقعی نظر نہیں آ رہا ہے، اب جو تحقیقات شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ نوشہ صاحب گھوڑے پر سوار تھے، گھوڑے نے راستے کے کسی گڑھے میں انہیں گرا دیا ہے اور بارات اپنے شور و ہنگامہ میں بے نوشے کے آگے بڑھتی رہی، بارات کی دھوم دھام اور شور و پکار میں نوشے کا کسی کو ہوش ہی نہیں رہا۔"

مجھے یہ اندیشہ ہے کہ مشرق سے مغرب تک انسانیت کی جو بارات جدید تہذیب و تمدن کے ساتھ نکل رہی ہے، جس کے مناظر میں نے اس ملک میں بھی دیکھے ہیں اور یورپ و امریکہ میں بھی کہیں یہ بے نوشہ کی بارات نہ ہو، انسانیت کی اس بارات کا نوشہ انسان ہے، انسانیت کی اس بے نوشہ کی بارات پر آنسو بہانے والا اس کی فکر کرنے والا کوئی نہیں۔ اس شہر میں کتنے آدمی ہیں جو انسانیت کی بارات کے نوشہ کہلانے والے حقیقی انسان ہوں؟ ایسا انسان کہاں ہے جس کی نظر خالص انسانیت پر ہو۔ جسے کھو کر پانے کا مزہ آئے، جسے ہار کر جیتنے کا مزہ آئے؟ سب اپنی جیب، اپنا گھر بھرنے کی فکر میں ہیں، اور اپنی پارٹی کو نفع پہونچانے میں کوشاں ہیں، اور بہت ترقی کی تو قوم (Nation) کو فائدہ پہونچانے کی سوچنے لگے۔ نیشن بھی ایک کنبہ ہے، کنبہ چھوٹا بڑا ہوتا ہی ہے، نیشنلزم بھی ایک قسم کی کنبہ پروری ہے، نیشنلزم (قوم پرستی) کو شاید میں کسی وقت ضروری سمجھوں،

میرا تعلق اس جماعت اور اس گروہ سے ہے، جس نے آزادی کی جنگ میں بھرپور حصہ لیا اور ملک و قوم کی آزادی کے لئے اس وقت جدوجہد شروع کی جب آزادی کا نام بھی کوئی نہیں لیتا تھا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ نیشنلزم بھی ایک تنگ خیالی Narrow-mindedness ہے، انسانیت اس سے بھی زیادہ وسیع چیز ہے۔

اس شاخ کی فکر کیجئے جس پر آشیانہ ہے:

تمام قومیتیں انسانیت کی شاخیں ہیں، اصل چیز انسانیت ہے، اس انسانیت کو تباہی اور ہلاکت سے بچانے کے لئے آج کتنے افراد اور کتنی پارٹیاں آدمیت کے نام سے سرگرم اور انسانیت کو بچانے کے کام میں مصروف ہیں۔؟ تہذیب و تمدن، سیاست و حکومت، ادب و فلسفہ اور علم و فن کے آشیانے انسانیت کی شاخ پر قائم ہیں، اگر انسانیت کی شاخ باقی ہے

تو آپ جیسا چاہیں ویسا نشیمن بنالیں، لیکن شاخ ہی نہ رہی تو نشیمن کا بقا کہاں؟ آج انسانیت کی شاخ پر کتنے تیشے چلائے جارہے ہیں، آگ لگائی جارہی ہے، ہر شخص اس کوشش میں مصروف ہے کہ آدمیت کی شاخ پر بڑے سے بڑا تیشہ چلائے۔

آج ہمارے ملک میں انسان کو انسان سے محبت اور ہمدردی نہیں رہی، پہلو میں وہ دل نہیں جو انسانیت کے سوز سے جلتے ہوں، اس کا درد محسوس کرتے ہوں، نفسا نفسی کا قیامت خیز منظر ہے، ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہے، قرآن مجید میں قیامت کی نفسا نفسی کا جو نقشہ کھینچا ہے، "یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ، لکل امرئ منہم یومئذ شان یغنیہ" یہی منظر آج پوری انسانی سوسائٹی میں نظر آرہا ہے۔

انسان کی حقیقت سے ناآشنا:

ہمارے ملک میں جب ریل اور ہوائی جہاز کے حادثات ہوتے ہیں تو ہمارے سماج کی اخلاقی پستی عیاں ہو جاتی ہے، لوگ حادثہ کا شکار ہونے والے مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کی بجائے ان کی کلائی کی گھڑیاں اور جیبوں سے پرس نکالتے ہیں۔ یہ خطرہ کا وہ سگنل ہے، وہ الارم ہے جس پر پوری سوسائٹی کو چوکنا ہو جانا چاہئے۔

فرقہ وارانہ فسادات ہندو مسلم مسئلہ نہیں بلکہ انسانیت کی بے حرمتی کی علامت ہیں، اصل مرض انسانیت کی بے وقعتی ہے،

ہم نے بعض اوقات درخت اور جانور کو انسان سے زیادہ وقعت دی ہے، ہم نے اکثر اوقات انسان کے مقابلہ میں پیسے کو ترجیح دی ہے، حالانکہ پیسہ انسانی ہاتھ کا میل ہے، ہم نے پیسے کو انسان کے دل، اس کی روح، اس کی آتما سے زیادہ اہمیت دی، حالانکہ انسان کا درجہ خدا نے اپنی تمام مخلوقات میں افضل اور اشرف رکھا ہے، اس کے بلند مقام کی اس سے بڑھکر اور دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی بھوک، پیاس، بیماری کو اپنا مسئلہ بتایا ہے جیسا کہ ایک حدیث قدسی کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کسی بھوکے کو کھانا کھلانا، کسی پیاسے کو پانی پلانا اور کسی بیمار کی تیمارداری کرنا گویا میرے ساتھ یہ حسن سلوک کرنا ہے۔ انسان کے مقابلہ میں دنیا کے تمام براعظم رکھدیجئے تو انسان کا پلڑا بھاری ہوگا، تمام براعظم انسان کے لئے پیدا کئے گئے، انسان ان کے لئے نہیں پیدا کیا گیا۔

جس انسان کو راتوں کو جاگ جاگ کر، خون جگر پلا پلا کر پالا گیا ہے، جس سے اس کے ماں باپ نے، سارے خاندان نے امیدیں قائم کی ہیں، جو خدا کی امانت لے کر دنیا میں آیا ہے جو دنیا کی اصل روح ہے، اس کو مارا جاتا ہے، یہ قاتل وہ لوگ ہیں جن کے سامنے انسان کی حقیقت، انسان کی تاریخ، ماں باپ کا پیار نہیں ہے، اس انسان کو بنانے کے لئے تعلیم گاہوں، دانشوروں، استادوں اور مربیوں نے جو محنت کی ہے، جتن کئے ہیں وہ ان کے سامنے نہیں۔ اگر یہ حقائق سامنے ہوتے تو دنیا میں کوئی نہ ملتا جو اس کو مارنے کے لئے خم ٹھونکتا، سکندر و دارا، چنگیز و ہلاکو ہٹلر و نیرو جنھوں نے انسانیت کی کھیتی کو آگ لگائی یہ سب انسان کی حقیقت سے ناآشنا تھے، وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ انسان کے خلاف بگاڑ پیدا کرنے والوں پر خدا کو کتنا غصہ آتا ہے۔

نحیف آواز نے انقلاب برپا کر دیا:

بھائیو! اگر آپ کے دل میں انسانیت کے احترام کا جذبہ، انسانیت کی محبت کا سوتہ ہے تو اسے حرکت میں آنا چاہئے، وہ لوگ جو اس ملک میں ہم سے زیادہ اثر رکھتے ہیں انہیں اپنی کرسیوں کو چھوڑ کر چاہے وہ وزارت عظمیٰ کی کرسی ہو، یونیورسٹیوں اور عافیت کدوں کو چھوڑ کر اس ملک کو بچانے کے لئے میدان میں آنا چاہئے، یہ ملک نہ بچا تو یونیورسٹیاں، حکومت، جمہوریت، کہاں رہے گی ان کی بقا کہاں رہے گی اور ان کو پناہ کہاں ملے گی؟ ملک نہ رہے، انسانیت دم توڑ دے تو اقوام متحدہ U.N.O میں کیا جانور نمائندگی کریں گے؟ انسان ہونا شرط ہے، قوم میں قومیت کا احساس اور سیاسی شعور ہونا شرط ہے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ اس ملک میں بڑی بڑی کرسیوں سے اور اونچے اونچے عہدوں سے اتر کر لوگ آتے اور انسانیت اور ملک کو بچاتے، لیکن جب ہم نے دیکھا کہ کوئی نہیں آرہا ہے تو ہم نے سوچا کہ ہم ہی چل پڑیں، دنیا کی تاریخ، قوموں کی تاریخ اور سماجی اور مذہبی اصلاحات کی تاریخ میں بعض مرتبہ کوئی نحیف صدا بلند ہوئی اور اس کے بعد وہ سب کے دل کی آواز بن گئی اور اس نے سماج میں انقلاب برپا کر دیا۔ اسی امید پر ہم آئے ہیں کہ ہم جگائیں، جاگنے کے بعد سب کچھ ہو سکتا ہے اور جگانے کے لئے نحیف سی آواز بلکہ پتوں کے گرنے کی آواز بھی کافی ہوتی ہے۔

اس وقت سب سے بڑا کام یہ ہے کہ ہم اپنے اپنے مذہب کے دائرے میں انسانیت کا احترام پیدا کرنے اور انسانیت کو زندہ کرنے کی کوشش کریں۔ انسان، انسان کی طرح ملے اس کے بعد پھر مطالعہ، غور و فکر اور توفیق الٰہی سے اپنے لئے پسندیدہ طریقۂ زندگی منتخب کرلے، لیکن پہلے باہمی اعتماد و محبت کی فضا تو پیدا کیجئے، انسان کو گلے لگایئے، تب آگے بات ہوگی، اگر انسانیت ہی نکل گئی تو کس سے بات کی جائے۔

انسان ہے کیا؟ اس کے اندر کیا صفات ہیں؟ انسان کا انسان پر کیا حق ہے؟ انسان کی حقیقت کیا ہے؟ انسان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ کس لئے پیدا کیا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں کہ جن پر انسانی سماج کے ایک ایک فرد کو غور و فکر کرنا چاہئے ــــ اس ملک میں اتحاد و محبت اور باہمی اعتماد کا ماحول پیدا کرنا چاہئے، اس طرح ظلم کے واقعات نہیں ہونے چاہئے جیسے حال ہی میں ہماری ریاست کے شہر بنارس میں ہوئے۔

میں ایک مذہبی انسان کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ ہمارے گناہ اور ظلم کے نتیجہ میں آسمانی آفتیں آتی ہیں، خدا یہ دکھاتا ہے کہ مارنے کا سامان ہمارے پاس تم سے زیادہ ہے، ہم نے آندھرا کے طوفان و سیلاب میں اس کا نمونہ دیکھا ہے، یہ واقعہ سبق دینے کے لئے ہوا ہے، جب بھی ظلم کا کوئی واقعہ ہوتا ہے تو میں ڈر جاتا ہوں کہ کوئی قدرتی تازیانہ انسانوں کی طرف نہ بڑھے، میں اس سے کسی کو مستثنیٰ نہیں کرتا، جہاں بھی ظلم کے واقعات ہوں گے، خدا وہاں اپنی قدرت دکھائیگا۔ ع

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

صدر جلسہ اور حاضرین کا تأثر:

حضرت مولانا کی تقریر تائید و تحسین، اثر و تاثر کی فضا میں ختم ہوئی ؎

"دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے"

سامعین آخر تک سراپا گوش تھے۔ ع

"وہ کہیں اور سنا کرے کوئی"

اس محویت کے عالم میں جب تقریر ختم ہوئی تو ان کے چہروں پر تشنگی کی جھلک عیاں تھی،

تحریک پیام انسانیت کی مختصر تاریخ، اغراض و مقاصد، طریقۂ کار اور حلف نامہ راقم سطور نے غیر مسلم بھائیوں کی رعایت سے ہندی میں پیش کیا، یہ گویا قافلۂ انسانیت کے ہم سفر ہونے کی دعوت تھی، جسے پورے مجمع نے قبولیت کے کانوں سے سنا۔ آخر میں صدر جلسہ شری ٹھاکرے صاحب نے اپنی تاثراتی تقریر میں حلقۂ پیام انسانیت کے کام اور پیام کی سراہنا کرتے ہوئے کہا کہ آج میں نے اتنی اچھی باتیں سنی ہیں کہ پوری رات اس سندیش کو سنتے ہوئے گذر جاتی تب بھی میری سیری نہ ہوتی، انہوں نے حضرت مدظلہ کی بھوپال آمد اور اپنے قیمتی خیالات سے اہل بھوپال کو مستفید کرنے پر شکریہ ادا کیا، اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا اور آئندہ بار بار تشریف آوری کی درخواست کی۔

جلسے کی کارروائی کی ترتیب و تنظیم جناب خلیل اللہ خانصاحب ایڈوکیٹ کے ذمہ تھی، جلسے کے اختتام کا اعلان اور شکریہ کی رسم ادا کرتے ہوئے انہوں نے ایک مختصر، بلیغ اور جامع تقریر کی ــــ تحریک پیام انسانیت کا یہ جلسہ شہر میں گفتگو اور دلچسپی کا موضوع بنا رہا، **غیر مسلم بھائیوں کے لئے تو یہ ایک انکشاف تھا کہ ملک کی بگڑتی ہوئی صورت حال اور انسانیت و اخلاق کے زوال پر مسلمان کس دلسوزی اور اخلاص سے اصلاحی تدبیریں کر رہے ہیں۔**

صدر جلسہ ٹھاکرے صاحب نے حضرت مولانا سے دوسرے دن ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور چائے پر مدعو کیا، لیکن علی الصبح اجین روانگی کا پروگرام طے تھا، اس لئے ان سے معذرت کرنی پڑی۔

جلسے کے بعد عوام و خواص کا ہجوم حضرت مولانا مدظلہ اور ان کے رفقاء سے ملاقات کرکے اپنے تاثرات کا اظہار کرتا رہا، جناب انعام الرحمٰن خانصاحب امیر جماعت اسلامی حلقہ مدھیہ پردیش نے ہمارے رفیق عبدالکریم صاحب پاریکھ سے کہا کہ مجھے آج اس تحریک کی اہمیت و افادیت اور گہرائی و گیرائی کا اندازہ ہوا ــــ قیام گاہ پر حضرت مولانا عمران خانصاحب ندوی نے (جو شروع سے آخر تک جلسے میں موجود تھے) اسی قسم کے تاثرات کا اظہار فرمایا ــــ شری گوڑ صاحب ایم۔ ایل۔ اے حلقۂ بھوپال نے راقم سطور سے دیر تک اپنے اچھے تاثرات اور نیک جذبات کا اظہار کیا۔

رفیقے ولے نہ از دلے ما:

بھوپال کے دوران قیام ایک شخصیت کی کمی بہت محسوس ہوئی، یہ تھے تخلص بھوپالی مرحوم ــ اس باغ و بہار شخصیت کی ناگہانی موت کا غم بھوپال پہونچ کر تازہ ہوگیا، زندگی کے آخری ایام میں حضرت مولانا مدظلہ کے مرید باخلاص اور ہم سب کے ہمیشہ سے کرم فرما ــ گھر جاکر مرحوم کے بڑے بھائی حاجی عبدالصمد جیلر صاحب، صاحبزادے عبدالعلیم صاحب اور داماد طاہر صاحب مدیر "سمجھوتہ" سے تعزیت کی گئی، حضرت مولانا مدظلہ اور ان کے رفقاء نے قبرستان جاکر ایصال ثواب بھی کیا۔ بھوپال کے اس سفر میں نواب صاحب محمد گڈھ (نواب صابر قلی خاں) مولانا سلمان خاں ندوی اور عارف بیگ (مرکزی وزیر مملکت) سے ملاقات نہ ہوسکی، نواب صاحب جائداد کے نظم و انتظام کے سلسلے میں اپنی مرحوم ریاست تشریف لے گئے تھے، مولانا سلمان خانصاحب ندوی ان دنوں حج بیت اللہ سے بہرہ اندوز ہو رہے تھے، اور عارف بیگ صاحب کا ممبر پارلیمنٹ اور مرکزی وزیر مملکت بن جانے کے بعد دہلی مستقر ہو چکا ہے، حضرت مولانا مدظلہ کی بھوپال آمد کی خبر سنکر بیگ صاحب نے بھوپال آنے کا قصد کیا، لیکن بعد میں انہوں نے فون پر اپنی والدہ کی علالت اور انتقال کی وجہ سے اس موقع پر بھوپال حاضر نہ ہونے پر افسوس کا اظہار کیا اور حضرت مدظلہ سے دعا کی درخواست کی ــــ نواب صاحب محمد گڈھ حضرت مولانا مدظلہ سے محبت کا تعلق رکھتے ہیں، علم دوست، شریف اور وجیہ انسان، تحریر کا شوق ہے، نظم و نثر دونوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں، بقول تخلص بھوپالی مرحوم "قلمی ہیں تخمی نہیں" یعنی لکھ تو لیتے ہیں مگر تقریر سے گھبراتے ہیں، مولانا سلمان خانصاحب ندوی، متین، سنجیدہ، محنتی اور دیندار شخصیت، تاج المساجد کی تعمیر میں سراپا منہمک، اپنے برادر اکبر مولانا عمران خانصاحب ندوی کے دست و بازو اور عصائے پیری تاہم ان کا اس درجہ ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہیں کہ شاید ہی کبھی سر اٹھا کر اور نگاہ ملا کر بات کرتے ہوئے نظر آئیں۔ ع نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو

بھوپال کے دوران قیام ندوی طلبہ خلیل الرحمٰن خاں، جمیل الرحمٰن خاں، بابر حسین، عامر جنید، کلیم الرحمٰن وغیرہ ہر موقع پر ساتھ رہے اور خدمت میں پیش پیش رہے۔

بھوپال سے اجین تک:

سفر اندور کے داعی اور محرک مولانا ابوالبرکات صاحب ندوی مدنی ہمارے بھوپال پہونچنے کے بعد اپنے دو رفقاء قاضی عبدالحمید صاحب اور سیٹھ ہارون رشید صاحب کی معیت میں آگے کے سفر کا مکمل پروگرام لے کر اندور سے بھوپال پہونچے، اجین بھی ہمارے پروگرام میں شامل تھا، اس کے داعی اور منتظم مولوی قاضی افتخار الدین صاحب ندوی بھی بھوپال آگئے، آئندہ سفر کے پروگرام کو باہمی مشورے سے آخری شکل دی گئی، ان سب حضرات کی رائے تھی کہ بھوپال سے آگے کا سفر بذریعۂ کار ہو، ہمارے میزبان مولانا محمد عمران خانصاحب ندوی نے بھی ایک کار کی پیشکش کی، لیکن حضرت مولانا مدظلہ نے اجین تک ٹرین سے سفر کو ترجیح دی اور اسی پر فیصلہ ہوا۔

اتوار ۴ دسمبر ۸۸ء کو اول وقت میں نماز صبح ادا کرکے ہم سب اسٹیشن پہونچے، مولانا عمران خانصاحب ندوی، ان کے بھائی مولانا نعمان خاں ندوی، حافظ رضوان خاں و مولوی حسان خاں، مولوی رئیس خاں ندوی . . . مولوی محمود خاں (انچارج کتب خانہ تاج المساجد) دار العلوم کے دیگر اساتذہ، معززین شہر اور اہل تعلق رخصت کے لئے اسٹیشن پر موجود تھے، ٹرین آئی، ریزرویشن نہیں تھا لیکن ایک مستعد کرم فرما بنّو میاں اور رضوان میاں کی کوشش سے یہ مرحلہ بآسانی طے ہوگیا، ڈبے میں مناسب جگہ مل گئی، سگنل ہوا، ٹرین کھسکنے لگی، الوداعی مصافحہ اور سلام ہوا اور ہم اس شہر کی طرف روانہ ہوئے جس کا ٹرین کے ذریعہ سب سے پہلے رابطہ، نواب شاہجہاں بیگم کے عہد میں ۱۸۹۲ء میں ہوا تھا، بھوپال میں ۱۸ نومبر ۱۸۸۴ء کو ٹرین جاری ہوئی جو بھوپال تا اٹارسی تھی، اس سے پہلے بھوپال کے لوگ ٹرین میں سوار ہونے کے لئے اٹارسی، برہان پور یا کھنڈوہ تک پیدل یا مختلف سواریوں سے جایا کرتے تھے۔

ٹرین فاسٹ پسنجر تھی، راہ میں سیہور، شجل پور، شاجاپور اور مکسی اسٹیشن آئے، پانچ چھ گھنٹے کچھ کام کچھ آرام میں گذرے، ڈاکٹر اشتیاق صاحب نے بھوپال اسٹیشن پر سنڈے اسٹینڈرڈ

اور اسٹریٹیڈ ویکلی خرید لیا تھا، اس میں سلطان اورنگ زیب عالمگیر پر خشونت سنگھ کا مضمون غنیمت معلوم ہوا، حضرت مولانا مدظلہ، کچھ دیر آرام کے بعد مولانا رابع صاحب ندوی کی کتاب "سفرنامۂ امریکہ" کے مسودہ کو مولوی عبداللہ حسنی سے سن کر نظر ثانی اور تصحیح فرماتے رہے، کبھی چند دلچسپ گفتگو کا سلسلہ چھڑ جاتا، اس علاقے کی روایات و خصوصیات کے ضمن میں یہاں کلاسیکل موسیقی سے دلچسپی کے اسباب اور اس کے گھرانوں نیز حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی اس فن پر گہری نظر کا تذکرہ رہا، گفتگو جاری تھی کہ اجین کے آثار شروع ہوگئے، ہم لوگوں نے سامان سمیٹا، آیت "رب انزلنی منزلا مبارکا وانت خیر المنزلین" ورد زبان تھی، پلیٹ فارم پر ٹرین رکی اور ایک ہجوم استقبال کے لئے بڑھا، اس میں راقم سطور کے لئے دو ایک چہرے تو جانے پہچانے تھے، بقیہ اجنبی، حضرت مدظلہ، یہاں دوسری مرتبہ تشریف لائے تھے، مولانا معین اللہ صاحب ندوی کا تو یہ گویا وطن ہی تھا، راقم سطور، پاریکھ صاحب اور ڈاکٹر صاحب کی یہاں پہلی حاضری تھی، مصافحہ اور معانقہ کا سلسلہ دیر تک جاری رہا، مولوی قاضی افتخار الدین ندوی، ماسٹر عزیز الرحمان صاحب (مولانا معین اللہ صاحب کے بہنوئی) محمد شفیع صاحب (مالک مالوہ اسٹیل انڈسٹری) فاروق صاحب (مالک دین بسیرا لاج) چودھری نور محمد صاحب، مولوی نعمت اللہ ندوی اور کئی جانے پہچانے لوگ اسٹیشن پر موجود تھے، ہمارا مختصر قافلہ اور استقبالیوں کا ہجوم، اسٹیشن پر موجود ریلوے عملے اور مسافروں کی نظر و توجہ کا مرکز بن گیا، پلیٹ فارم کے باہر کئی کاریں تیار کھڑی تھیں، چند منٹوں میں ہم اپنی قیام گاہ (مکان محمد شفیع صاحب مالوا اسٹیل انڈسٹری) پہونچے، راستے میں ایک جگہ شب کے جلسے کا اعلان ہو رہا تھا، قیام گاہ پر ملاقاتیوں کا سلسلہ جاری رہا، اندور کے حاجی ہارون صاحب، حاجی حبیب صاحب، مولوی ولی اللہ ندوی، ان کے صاحبزادے اسد اللہ اور اطراف کے کئی حضرات خاص ملاقات کے لئے تشریف لائے، ظہر کی نماز قیام گاہ پر پڑھی، دوپہر کا کھانا میمن برادری کے ایک تاجر حاجی صاحب کے مکان پر تھا، یہ صاحب ہمارے رفیق حاجی عبدالکریم پاریکھ کے عزیز نکلے، ان دونوں نے اپنی مادری میمنی زبان میں گفتگو شروع کی جو گجراتی سے قریب تر ہونے کی وجہ سے راقم سطور کی سمجھ میں تو آجاتی ہے لیکن بولنے میں چند الفاظ سے آگے گاڑی نہیں چل پاتی۔ کھانا میمنی ذوق اور مالوی روایات کا ملا جلا تھا، یہاں پہلی بار "مانڈے" دیکھے، یہ مالوے کی مخصوص چپاتی ہے جو حجم و وسعت میں اپنی مثال آپ ہے۔ "حلوا مانڈہ" مولوی پر طنز کے لئے ہماری زبان و ادب کا جزو بن گیا ہے، لیکن ہندوستان میں ہزاروں مولوی ہوں گے جنھوں نے مانڈہ دیکھا بھی نہ ہو، یہ صرف مالوہ کے ایک مخصوص خطے کی چیز ہے، بچپن سے والد بزرگوار (مولانا عبدالستار صاحب مقیم احمد نگر مہاراشٹر) کو یہ کہتے سنا تھا کہ "ہم مولوی حلوا مانڈہ کھانے میں بدنام ہیں، حلوا کھایا بھی ہے اور دیکھا بھی ہے لیکن یہ مانڈہ کیا چیز ہوتا ہے؟" اب یہ عقدہ کھلا کہ یہ روٹی کی ایک مخصوص قسم ہے۔ "مانڈہ" اس نام کا تعلق مانڈو اور اس کے قلعے کے کھنڈر "منڈو" سے بھی ممکن ہے، منڈو ایک لوہار تھا، ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے اس نے کوئی ایسا توا تیار کیا ہو کہ جس پر اتنی بڑی روٹی بنائی جاتی ہے اور اسی نسبت سے اس روٹی کا نام مانڈہ رکھ دیا گیا ہو۔

کھانے سے فارغ ہو کر واپسی میں ایک مسجد میں قائم مدرسہ دار المطالعہ کا چند منٹ معائنہ کیا جسے مولوی نعمت اللہ ندوی اور ان کے نوجوان رفقاء چلا رہے ہیں، حضرت مولانا نے ان نوجوانوں کی ہمت افزائی فرمائی۔

اجین، تاریخی پس منظر:

اجین، اندور سے ۵۳ کیلومیٹر (۳۳ میل) کی مسافت پر واقع ہے، یونانی عہد میں اوزین OZENE کے نام سے اور بدھسٹ دور میں اونتی کے نام سے معروف تھا، ہندوستان کی قدیم ہندو تاریخوں میں اس کا نام شیو پوری بھی درج ہے، ترک افغانی عہد کی تحقیق میں عالمگیر نے اس کا نام دار الفتح رکھا تھا، اس شہر کی قدامت اور تاریخی اہمیت کا اندازہ قدیم تاریخ کی ورق گردانی سے ہوتا ہے۔

تاریخ ہند میں ہندوستان کے اصل باشندے دراوڑ کے نام سے مشہور ہیں، ۔۔۔ قبل مسیح سے پہلے آریائی نسل وسط ایشیا سے نکل کر دراوڑوں پر حملہ آور ہوئی اور انہیں شکست دے کر جنوب کی طرف پسپا کر دیا، ۔۔۔ سے ۔۔۔ قبل مسیح تک یعنی ۔۔۔ سالہ مدت میں آریوں نے ایک غیر معمولی طبع زاد تمدن کی بنیاد ڈالی، جس کی یادگاریں وید کا مذہب اور ہندو مت ہیں، بعد میں آریوں کی آبادیاں وادی گنگا میں پھیلیں تو یہ لوگ چار ذاتوں یا معاشرتی گروہوں میں تقسیم ہو گئے، بعد کی چھ صدیوں میں ۔۔۔ سے ۔۔۔ قبل مسیح تک یہ ذاتیں اپنی اپنی جگہ قائم ہو رہی تھیں، ہندوستان کی سیاسی طاقت بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ

چکی تھی، اس زمانہ کے حالات ان دو بڑی رزمیہ نظموں مہابھارت اور رامائن میں بیان کئے گئے ہیں۔

۳۲۲ قبل مسیح میں چندر گپت موریہ کے ہاتھوں سلطنت موریہ کا سنگ بنیاد پاٹلی پتر (پٹنہ) میں رکھا گیا، اس سلطنت کی وسعت بہت جلد حدود مگدھ سے تجاوز کر گئی، اس راجہ کے نامی گرامی پوتے سمراٹ اشوک نے خالص مذہبی بنیادوں پر اپنا نظام حکومت قائم کیا، یہ پہلے ہندو مذہب کا پیرو تھا لیکن بعد میں اس نے بدھ مت اختیار کیا اور اس کی تبلیغ و اشاعت میں سرگرم حصہ لیا۔ سمراٹ اشوک اپنی شہزادگی کے زمانہ میں مغربی ریاستوں کے نائب السلطنت (وائسرائے) کی حیثیت سے اجین میں رہ چکا ہے۔

راجہ بکرماجیت:

بعد کے ادوار میں سمدر گپت کے جانشین چندر گپت بکرماجیت نے اجین کو اپنا دار الحکومت بنایا، اس نے کم و بیش ۴۰ سال حکومت کی، اس کا عہد حکومت بہت کامیاب اور شاندار مانا گیا ہے، اس نے مغربی سترپ رودر تسین کو شکست دے کر اس کا علاقہ فتح کیا، اس وقت سے سلطنت گپت کی حدود گنگا کے ڈیلٹا سے وادی سندھ اور بحر عرب تک وسیع ہو گئیں اس طرح مغربی بندرگاہوں تک کا راستہ کھل گیا اور یورپ سے براہ راست تجارتی تعلق قائم ہو گیا، اس کے دربار اور رعایا کو مغربی خیالات سے بھی جو مال تجارت کے ساتھ تمام دنیا میں پھیل رہے تھے متاثر ہونے کا موقع ملا، بکرماجیت کو رفاہی کاموں سے بڑی دلچسپی تھی، اس نے علم و ادب کی اشاعت اور تجارت کے فروغ میں نمایاں کارنامہ انجام دیا، مسافروں کے لئے دھرم شالائیں بنوائیں، غریبوں کے مفت علاج کے لئے دواخانے کھولے۔ اسی زمانہ میں پاٹلی پتر میں دنیا کا سب سے اچھا دواخانہ تھا، بکرماجیت کے عہد سے ہندی کیلنڈر کا بکرمی سال شروع ہوا، اس کے دربار میں "ہندوستانی شیکسپیئر" کالیداس تھا جس نے اپنے ڈرامے "شکنتلا" سے کلاسیکل ادب میں ممتاز مقام پایا ہے، بکرماجیت کے دربار کے نورتنوں میں کالیداس سب سے درخشاں تھا اس کے علاوہ، دھنونتری، وراہ مہر، کشپ نک، شنکو، گھٹ کرپر، امر سنگھ، ویتال بھٹ اور ورروچی تھے۔

بدھ مت کا واسوبندھو اور مشہور ریاضی داں اور علم ہیئت کا ماہر آریہ بھٹ اسی دور میں گذرا ہے، مشہور چینی سیاح فاہیان نے بکرماجیت کے دور حکومت کی بہت تحسین کی ہے، بکرماجیت کی سلطنت کو روم کے آگسٹس کے زمانہ سے تشبیہ دی جاتی ہے، مورخین نے لکھا ہے کہ ایشیائی طرز حکومت کے لحاظ سے بکرماجیت کی حکومت سے بہتر حکومت کبھی ہندوستان میں قائم نہیں ہوئی ہندوؤں کی کہانیوں میں بکرماجیت کا کردار خلیفہ ہارون رشید کی طرح پیش کیا جاتا ہے، بکرماجیت کے نام سے موسوم واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ بکرماجیت لقب کے ایک سے زائد حکمراں گذرے ہیں، ایک مورخ نے لکھا ہے کہ بکرماجیت کی کہانیوں کی تطبیق کے لئے آٹھ بکرماجیت درکار ہیں۔

بابر بہ عیش کوش:

اجین اپنے دور عروج میں بہت بڑا شہر تھا، جہاں چار سو عیش و طرب کا بازار گرم تھا، لیبان اپنی کتاب "تمدن ہند" میں یہاں کے ایک مکان کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"اس مکان میں آٹھ مختلف درجے ہیں جن میں پتھروں کی پچی کاری ہے اور نہایت پر تکلف قالین بچھے ہوئے ہیں، دروازوں کی محرابوں پر سونے کے پتر جڑے ہوئے اور قیمتی پردے پڑے ہوئے ہیں، ستونوں پر بلور کے کاسے اور ظروف رکھے ہیں، جا بجا دیواروں پر سونے کے پتر اور پر تکلف رنگ آمیزیاں ہیں، زینے اور سیڑھیاں سنگ مرمر کی ہیں، پردوں کی جھالروں میں موتی کی لڑیاں ٹکی ہوئی ہیں، طویلے میں کثرت سے بیل، بھینس، بکرے، گھوڑے، بندر اور ہاتھی بندھے ہوئے ہیں، جا بجا قمار بازی کی میزیں بچھی ہیں، ہر قسم کے ارباب نشاط موجود ہیں، باورچی خانہ وسیع اور ہر وقت گرم ہے، اور راجہ کا برہمن مسخرہ میٹھا پا بجر کھانے کا بڑا شائق ہے، اس کو اندر کی جنت خیال کرتا ہے، احاطہ کی دیوار پر دکانیں بنی ہوئی ہیں، جن میں عطار، جوہری وغیرہ بیٹھنے میں مصروف ہیں اور ایک مینا بازار کا لطف آ رہا ہے، نوکروں اور طفیلیوں کی ایک پلٹن ہے، مشک آلود پان اور سپاری چبا رہے ہیں اور مسکر شروبات پی رہے ہیں، جا بجا حوض ہیں جن میں زعفرانی پانی بھرا ہوا ہے، چڑیا خانوں کی سلاخیں طلائی ہیں اور ان میں ہر اقسام کے پرند اپنا لطف دکھا رہے ہیں، اس مکان کے گرد سرسبز باغ ہے، جس میں جا بجا ریشمی جھولے لٹکے ہوئے ہیں۔"

(صفحہ ۲۹۴، ۲۹۵)

اجین کا ہندوستان کے سات متبرک شہروں میں شمار تھا، یہ اس شاہراہ پر واقع تھا جہاں سے مغربی ہند کی بارونق بندرگاہوں تک راستہ جاتا تھا، اس طرح اس میں دو خوبیاں جمع ہو گئی تھیں،

وہ جاترا کا مشہور مقام بھی تھا اور تجارت کی منڈی بھی، یہ ہندی علم ہیئت کا مرکز تھا اور یہیں سے طول بلد کا شمار ہوتا تھا۔

اسلام اور مسلمان صوفیاء کی آمد:

۱۲۳۵ء میں مسلمانوں نے اسے فتح کیا، اکبر کے عہد میں اجین، مالوے کا دار السلطنت قرار پایا۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مسترشد مولانا مغیث الدینؒ سنہ ۷۰۲ھ میں اپنے مرشد کی اجازت سے مالوہ تشریف لائے اور اجین میں دریا کے کنارے اقامت اختیار کر لی، وصال کے بعد وہیں مزار بنا دیا گیا۔ شیخ وجیہ الدین یوسفؒ، شیخ کمال الدینؒ اور مولانا مغیث الدینؒ ان تین بزرگوں نے چودھویں صدی عیسوی میں چشتیہ سلسلہ کو مالوہ میں روشناس کرایا، بعد کو سلسلۂ چشتیہ کے کچھ اور بزرگ مثلاً قاضی اسحٰقؒ جو جید عالم تھے، یہ سلطان علاء الدین محمود کے مرشد تھے، اس علاقہ میں تبلیغ و اشاعت دین کے کام میں مصروف ہو گئے۔ ان کے علاوہ شیخ جمالؒ، شیخ احمد بن نصرت اللہؒ، شیخ عبد الغفورؒ، شیخ احمد متوکلؒ، شیخ نورؒ، شیخ کمالؒ، شیخ ابراہیم نوری مرید شیخ علی متقیؒ، شیخ راج محمدؒ، ان بزرگوں نے یہاں تبلیغ و اشاعت دین میں زندگی گذار کر یہیں سفر آخرت کیا، ان تمام بزرگوں کے مزارات یہاں موجود ہیں، شیخ راج محمد کے مزار پر یہ بیت کندہ ہیں ؎

شیخ راجہ از محمد آں کہ بود	شاہد و مشہود در چشم شہود
رفت از کوئی ہوا در ملک ہو	در شمار نہصد و ہفتاد و دو

(مرأۃ العالم)

اجین میں مسلمانوں کے عہد کے آثار ہنوز موجود ہیں، بیرون شہر ناصر الدین خلجی بادشاہ مانڈو کی محلسرا ہے جو کالیہ دیہہ کے نام سے مشہور ہے، اس عمارت کے قریب شپرا ندی پر بند تعمیر کر کے ناصر الدین نے باغ و محل بنایا تھا جو شکستہ حالت میں ہے، یہیں ایک رصد گاہ بھی تھی جو اب اینٹ و پتھر کا ڈھیر ہے، ایک شاہی مدرسہ تھا جس کے کمرے اس کی عظمت رفتہ کی یاد دلاتے ہیں، مختار خاں کا باغ اب ویران ہے اور اس کے مقبرہ پر یہ کتبہ کندہ ہے ؎

معدن فضل و کرم مختار خاں	سبزواری و حسینی بالیقیں
زور بیجا شہسوار یکہ تاز	حامی دین مالک تیغ و نگیں
آں ہمی سرو ریاض مرتضےٰ	آں گل بستان خیر المرسلیں
آسمان قدر کو مہر دولتش	کرد روشن سر بسر روئے زمیں
رنجیت چوں فردوس رنگ روضۂ	گلشن بے مثل چوں گلزار چیں
ہر گلے رشک بہار جنت است	بلبلانش در ترنم بے قریں
در طراوت رنگ گلزار ارم	از صفا آرام گاہ حور عیں
می تراود از زبان ہر گیاہ	ذکر طبتم فادخلوہا خالدین
شد رقم تاریخش از کلک سخن	باطراوت تعمیر با زیب و زیں
آبرو از روئے رضوان در ربود	گلشن بے مثل در دنیا و دیں

اس شہر میں چند مقابر بھی ہیں جو غالباً ان بزرگوں کے ہیں جن کا ذکر گذر چکا۔

اجین کا مصروف پروگرام:

اجین میں ہمارے قافلہ کا صرف ۲۴ گھنٹے قیام تھا، مقامی احباب نے (جن میں پیش پیش مولوی قاضی افتخار الدین ندوی تھے) اس مختصر وقت میں بھرپور پروگرام بنایا تھا، نماز عصر سے قبل اپنی قیام گاہ سے ہم شہر سے چند میل فاصلے پر اس مقام کو دیکھنے روانہ ہوئے جہاں مجوزہ دینی مدرسہ قائم ہونا تھا، مہمان دو کاروں میں اور ایک بڑی بس میں مقامی لوگ سوار تھے ــــ چند منٹوں میں ایک سرسبز و شاداب، کشادہ مقام تک پہونچے، راہ میں چند منٹ کے لئے ایک مسجد میں قائم مدرسے کا سرسری معائنہ کیا، یہ مدرسہ نو مسلم بہتر برادری کے بچوں کی تعلیم کے لئے قائم کیا گیا ہے، مدرسے کے مدرس دار العلوم دیوبند کے فاضل ہیں اور اچھے جذبہ کے نوجوان ہیں، حضرت مدظلہ نے اساتذہ کی ہمت افزائی کی، مدرسہ کی ترقی اور علم دین کی اشاعت کے لئے دعا ہوئی۔ نماز عصر گاؤں کی مسجد میں ادا کی گئی، اس گاؤں میں چھیپا برادری کی بڑی تعداد ہے، مسجد کے سامنے ایک صاحب نے چھپے ہوئے کپڑوں کے بہت سے نمونے دکھائے اور چائے سے تواضع کی۔

اجین کے احباب جس جگہ دار العلوم کی عمارت بنانا چاہتے ہیں اس زمین کو حاجی عثمان صاحب نے مدرسے کے لئے وقف کیا ہے، اس زمین سے متصل ایک چار دیواری میں چند مزارات ہیں۔ سب نے وہاں فاتحہ پڑھی اور ایصال ثواب کیا، مقامی حضرات نے صاحب مزار کے سلسلے میں بتلایا

کہ یہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلفاء میں سے ہیں، غالباً یہ مزار مولانا مغیث الدینؒ کا ہو جو اپنے شیخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ایماء سے ساتویں صدی ہجری میں تشریف لائے تھے، ان کا یہیں انتقال ہوا تھا، مزار پر کوئی کتبہ نہیں تھا، اجین میں مدرسے کے قیام اور اس کی عمارت کی تعمیر کے سلسلے میں حضرت مدظلہ کی ایماء سے مولانا معین اللہ صاحب ندوی نے مفید مشورے دیئے، مجوزہ مدرسے کی کھلی زمین پر سب لوگ بیٹھے تھے، حضرت مدظلہ نے چند ہدایتی کلمات فرمائے اور دعا کی ـــ سورج ڈھل رہا تھا اور ہمیں شہر کی ایک مسجد میں نماز پڑھنی تھی، وہیں تبلیغی جماعت کے اجتماع میں حضرت مولانا مدظلہ کا خطاب تھا، یہ مسجد قلب شہر میں ہے، مسجد کی تعمیر و توسیع کا کام جاری تھا، اس کا عالیشان منارہ اپنی ندرت، جدت اور خوبصورتی میں مثالی ہے، مسجد سے چند گز کے فاصلے پر ایک بہت بڑا مندر ہے، مقامی احباب سے معلوم ہوا کہ مسجد کے منار کی مندر سے زیادہ بلندی پر تنازعہ پیدا ہوا تھا، لیکن وہ مسئلہ سلجھ گیا۔

مسجد نمازیوں اور تقریر سننے کے لئے دور دور سے آئے ہوئے لوگوں سے پر ہو چکی تھی، حضرت مولانا مدظلہ نے دعوت و تبلیغ کے موضوع پر مختصر و موثر تقریر فرمائی، شرک و بت پرستی کے صدیوں کے مرکز میں دعوت دین کی اہمیت و ضرورت بیان فرما کر سامعین کو اس میں حصہ لے کر اپنی ذمہ داری پوری کرنے کی ہدایت فرمائی، حضرت مدظلہ کی تقریر سے پہلے مقامی امیر جماعت ماسٹر عزیز الرحمٰن صاحب نے اپنی تمہیدی تقریر میں تبلیغی کام کے برکات و ثمرات کا ذکر کیا اور حضرت مدظلہ کا تعارف کرایا۔

عشاء بعد اسی مسجد کے سامنے چوراہے پر جلسۂ عام منعقد ہوا، رات کا کھانا تھا، برادری کے ایک متمول فرد جناب محمد حسین صاحب کے یہاں تھا، ان صاحب نے بڑا اہتمام کیا تھا، جتنے بھی مہمان اس پروگرام میں شرکت کے لئے اجین آئے تھے وہ سب کھانے میں شریک تھے، کھانے سے جلد فارغ ہو کر ہم لوگ جلسہ گاہ روانہ ہوئے۔

اشوک اور بکرماجیت کی نگری میں حق و انصاف کا پیام:

خطاب عام شہر کے مرکزی علاقے کے ایک چوراہے پر تھا، یہ چوراہہ کئی سڑکوں کا سنگم ہے، درمیان میں ایک خوبصورت پارک آئی لینڈ کی شکل میں بنا ہوا ہے، عام طور پر مشغول سڑکوں اور بازاروں میں کسی ایسے جلسے کو منعقد کرنا جس کا موضوع ہنگامی اور سیاسی قسم کا نہ ہو بلکہ دینی، دعوتی اور اخلاقی ہو مناسب نہیں ہوتا، سڑکوں پر سواریوں کی آمد و رفت، تماشائیوں کی کثرت وہ سکون اور سنجیدہ فضا نہیں بننے دیتی جو مطلوب ہوتی ہے، لیکن منتظمین جلسہ کی اس میں یہ مصلحت تھی کہ غیر مسلم بھائی جو عام طور پر مسلم محلوں، مسجدوں اور کسی مسلم ادارے میں منعقد ہونے والے جلسے میں بڑی تعداد میں نہیں پہونچتے یہاں شریک ہو سکتے ہیں، چاروں طرف بڑی بڑی عمارتوں میں وہی آباد ہیں، بہر حال کان میں آواز پڑے گی، پروگرام طے تھا، جگہ کا تعین اور اشتہارات کے ذریعہ اعلان کیا جا چکا تھا۔ عین وقت پر تبدیلی مناسب نہیں تھی۔ بنام خدا جلسے کی کاروائی کا آغاز ہوا، تلاوت قرآن مجید کے بعد ایک مقامی شاعر نے نعت پڑھی، اسٹیج پر عمائدین شہر تشریف فرما تھے جن میں قاضی صاحب اور ان کے صاحبزادے نمایاں تھے، جلسے کو مولوی قاضی افتخار الدین صاحب ندوی نے کنڈکٹ کیا، ٹریفک کا شور بتدریج کم ہوتا گیا، لوگ چاروں طرف سے سمٹ کر جلسہ گاہ میں جمع ہونے لگے، راقم سطور نے تمہیدی تقریر کی، اس کے بعد ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی صاحب نے ایک پر مغز و موثر تقریر کی جس میں اس بات پر زور دیا کہ پاپی من کو دھونے اور دلوں کو صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ بعد حضرت مدظلہ سے تقریر کی درخواست کی گئی، فرش اور اطراف کی کرسیاں سامعین سے پر ہو چکی تھیں۔ دور دور تک سڑکوں کے کنارے، فٹ پاتھ پر اور عمارتوں کی بالکنیوں پر عوام کا جم غفیر تھا، سب سکون، دلچسپی اور حیرت و استعجاب سے ان خیالات کو اور اس دعوت کو سن رہے تھے جن سے ان کے کان تو نا آشنا تھے، لیکن حق یہ سب کے دل کی آواز ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

زندگی کا دستور العمل:

حضرت مولانا مدظلہ نے حمد و ثنا کے بعد آیت ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون ۝ تلاوت کی اور فرمایا:۔

بزرگو اور بھائیو! دوستو اور عزیزو!

میں نے قرآن مجید کی جو آیت تلاوت کی ہے وہ نماز جمعہ کے خطبہ کا جزء ہے، ہر ہفتہ مسلمان اسے سنتے ہیں، پڑھتے ہیں، چونکہ ہم عربی زبان سے ناواقف ہیں، عام طور پر خطبہ اور نمازوں میں جو عربی میں پڑھا جاتا ہے اس کو غور کرنے کی چیز نہیں سمجھتے، بلکہ عبادت کا ایک وظیفہ سمجھتے ہیں۔ اس میں کیا سبق ہے؟ کیا پیغام ہے؟ اس پر غور کرنے یا کسی جاننے والے سے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اسی میں یہ آیت بھی ہے جو در اصل پوری زندگی کا منشور Manifesto ـ دستور العمل، ضابطہ، قانون ہدایت نامہ Directive ہے۔ اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے، عدل کا، احسان کا۔ یہ نہیں کہتا کہ کس کے ساتھ انصاف و احسان کرنا چاہیئے بلکہ مطلق انصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے، ہر شخص کو انصاف، احسان اور نیکی کرنا چاہیئے، اس کے بعد جب دینے دلانے کا ذکر آتا ہے تو اس میں تھوڑی سی تخصیص کرتا ہے، وایتاء ذی القربیٰ پھر اس میں بھی ذکر خونی رشتہ کا نہیں، کہ چچازاد ہوں، ماموں زاد ہوں، اولاد ہو، بلکہ کہتا ہے قربت والے لوگ۔ قربت کئی طرح کی ہوتی ہے، رشتہ کی قربت، پڑوس کی قربت، ہم وطنی کی قربت، پیشے کی قربت ـــ قرآن مجید میں دوسری جگہ اس کی ذرا سی تشریح آئی ہے، زیادہ دور کے، زیادہ قریب کے۔ اس میں بھی کچھ گنجائش ہے، صرف یہی نہیں کہ خونی رشتے ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں، نامعقول باتوں اور نامناسب رویئے سے روکتا ہے، تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

اجین شہر میں جس کی نسبت راجہ بکرماجیت کی طرف ہے انصاف یاد آتا ہے، سنا ہے کہ ایک منصف بادشاہ تھا، آج کی دنیا انصاف اور احسان کو بھول چکی ہے، جس چیز کا دنیا میں سب سے زیادہ کال ہے وہ انصاف اور احسان ہے۔ انصاف دنیا سے بالکل ناپید تو نہیں ہوا، انصاف آج بھی کیا جاتا ہے لیکن انصاف کے چھوٹے چھوٹے دائرے اور گھروندے بن گئے ہیں۔

آج انصاف صورت پہچان کر، ناپ تول کر، دیکھ بھال کر، سوچ سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ معاملہ اپنے کسی عزیز، کسی ہم مذہب، ہم برادری، ہم قبیلے کا ہو تو انصاف کے لئے دل کھل جاتا ہے، تقاضہ پیدا ہوتا ہے، انصاف کرنا آسان معلوم ہوتا ہے، لیکن انصاف کا معاملہ کسی ایسے فرد کا ہو جس سے کوئی خونی رشتہ نہیں، جس کے ساتھ انصاف کرنے میں کوئی خاص مادی فائدہ نہیں، تعریف و تحسین نہیں بلکہ تنقید کا اندیشہ ہے تو وہاں انصاف کے لئے قدم نہیں اٹھتا، قلم نہیں چلتا۔

انصاف کے لئے بھی کسی ٹریڈ مارک، برادری، خاندان، دیش اور قوم Nation کی ضرورت پڑتی ہے،

مگر وہ انصاف جو برائے انصاف ہو، وہ انصاف جو خدا کا حکم سمجھ کر، کسی کا حق مان کر، کسی سچائی کو تسلیم کر کے کیا جائے اور جو بے لاگ ہو، غیر جانبدار ہو، وہ انصاف بہت مشکل ہے۔ اور اس انصاف کے لئے وہی اللہ کے بندے تیار ہوتے ہیں جن کے دل میں خدا کا خوف اور انسانیت کا احترام ہوتا ہے۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔

ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا:

حدیث میں آتا ہے، الخلق عیال اللہ، ساری مخلوق اور جتنے انسان ہیں، وہ خدا کا کنبہ ہیں، یہ آخری بات اس مذہب نے کہی ہے جس کو عقیدہ توحید پر ذرا سی آنچ گوارا نہیں، آپ جانتے ہیں کہ اسلام میں ہر وہ چیز جس سے توحید مجروح ہوتی ہو ناپسندیدہ ہے، یہاں تک کہ گنتی میں بھی وتر کو پسند کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں جو مذہب اتنا حساس Sensitive ہو وہ مذہب تمام مخلوق کو خدا کا کنبہ کہتا ہے یہ کتنی بڑی بات ہے۔ قرآن مجید کا تہائی حصہ عقیدۂ توحید پر مشتمل ہے، سورۂ اخلاص کو قرآن مجید کا ⅓ حصہ کہا گیا ہے، اس میں ہے، قل ھو اللہ احد ۝ اللہ الصمد ۝ لم یلد ولم یولد ۝ ولم یکن لہ کفواً احد ۝ (اے محمد

(صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے اللہ ایک ہے، وہ بے نیاز ہے، (سب اس کے ضرورت مند ہیں اور اس کو کسی کی ضرورت نہیں) نہ اس نے کسی کو جنم دیا، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور اس کا کوئی ہمسر نہیں،

وہ اسلام جس نے سورۂ اخلاص کو "قلب قرآن" اور "ثلث قرآن" کہا ہے، خدا کی مخلوق اور خدا کے بنائے ہوئے انسانوں کو چاہے وہ کسی بھی مذہب و ملت کے ہوں، چاہے وہ کسی بھی دیس اور ملک کے ہوں، چاہے وہ کسی بھی نسل یا رنگ کے ہوں، چاہے کسی بھی خاک و خون کے ہوں، اللہ کا کنبہ اور خاندان قرار دیا ہے، اللہ نے سب انسانوں کی پرورش اپنے ذمہ لی ہے،

انسانوں میں خدا کا پیارا کون ہوگا؟ وہ نہیں جو بہت زیادہ عبادت کرے اور مالا جپے، بلکہ وہ زیادہ پیارا ہوگا جو اس کے کنبے کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچائے ـــــ تمام انسانوں کو خدا کا کنبہ کوئی اور مذہب قرار دیتا تو ذہن اسے قبول کرسکتا تھا، لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ مذہب جو توحید کے بارے میں ایسا ذکی الحس ہے کہ دوسرا کوئی مذہب نہیں، وہ اسلام کہتا ہے کہ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ یہ آخری بات ہے جو اس مذہب نے کہی، اب کہنے کی کوئی بات باقی نہیں رہی۔

انصاف بے رنگ ہوتا ہے: انصاف و احسان کو اللہ تعالیٰ نے کسی کے ساتھ مخصوص نہیں کیا، وہ تو آسمان سے برسنے والے پانی کی طرح بے رنگ ہوتا ہے، اگر آپ اس پانی کو کسی رنگین بوتل میں ڈالتے ہیں تو رنگین نظر آتا ہے، لیکن جب آسمان سے پانی برستا تھا تو اس کا کوئی رنگ نہیں تھا، اسی طریقہ سے انصاف و احسان کا کوئی رنگ نہیں ہے، ہاں اگر انصاف کرنے والا مسلمان ہے تو اس کی نسبت سے کہا جائیگا کہ مسلمان منصف اور اگر ہندو ہے تو کہا جائیگا کہ ہندو منصف، مسلمان اور ہندو یہ تو بوتلوں کے رنگ ہیں، لیکن انصاف اور احسان کا کوئی رنگ نہیں، یہ تو بے رنگ ہیں، بے رنگ رہیں گے اور انہیں بے رنگ رہنا چاہیے،

کہا گیا ہے ان اللہ یامر بالعدل والاحسان،
یہ عمومی حکم ہے، ان اللہ یامر بالعدل مع المسلمین، ان اللہ یامر بالاحسان الی المسلمین نہیں کہا گیا، الحمد للہ رب العٰلمین کہا گیا ہے، دنیاؤں کا پالنے والا، رب المسلمین، رب الھنود، رب المسیحین، رب العرب، رب العجم، یعنی مسلمانوں کا رب، ہندوؤں کا رب، عیسائیوں کا رب، عربوں کا رب، عجمیوں کا رب نہیں کہا گیا۔

تمام جہانوں کا پالنہار، ستارے، چاند، سورج، کہکشاں، نظام شمسی، دنیا کے تمام بر اعظم، نباتات، حیوانات غرض پوری کائنات کے رب نے عدل و انصاف کو بالکل عام رکھا ہے، وہ قومی انصاف، ملکی انصاف، خاندانی انصاف Family Justice نہیں، عام انصاف ہے، ان اللہ یامر بالعدل والاحسان میں یہی عمومیت ہے۔

قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ فرمایا گیا، ولا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ الا تعدلوا، اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ، کسی قوم، کسی گروہ، کسی جماعت، کسی برادری سے اگر تم کو تھوڑی شکایت ہو، کدورت ہو، دل میں میل ہو تو یہ بات تمہیں اس حد تک نہ آمادہ کرے کہ تم ان کے ساتھ ناانصافی کرو، جب بھی موقع انصاف اور تول کا آئے تو ترازو جھکنے نہ پائے، پورا پورا حق دو۔ انصاف سے کام لو کیونکہ یہ خدا کو خوش کرنے والی چیز اور اس کی ہدایت پر عمل ہے۔

یاد رکھئے، عدل و انصاف اور احسان کو عام ہونا چاہیے، ہم سب کو خواہ ہم کسی قوم، کسی مذہب کے ماننے والے ہوں، ہمارے پیدا کرنے والے نے، ہمیں روزی پہونچانے والے ہمارے مالک نے حکم دیا ہے کہ انصاف و احسان میں تفریق نہیں ہونی چاہیے کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دینی چاہیے،

میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ اگر تم خدا کے ماننے والے ہو تو تم کو انصاف و احسان میں کوئی فرق نہیں کرنا چاہیے، کہ یہ ہماری برادری، ہمارے مذہب، ہمارے عقیدے کا ہے، اللہ تعالیٰ کا معاملہ سب کے ساتھ یکساں ہے، اس کی محبت عام ہے، وہ سب سے پیار کرتا ہے، سب کو رزق دیتا ہے، سب کو خطرے سے بچاتا ہے، اپنی مخلوق سے ستر ماؤں سے زیادہ ماںتا اور محبت رکھتا ہے، اس کی ہوا بے رنگ، اس کا پانی بے رنگ، اس کی نعمتیں عام۔ وہی خدا یہ چاہتا ہے کہ انصاف بے لاگ، بے رنگ ہو، اس میں کوئی تفریق اور امتیاز نہ ہو، اپنے اپنے دور میں تمام اچھے لوگوں نے اس پر عمل کیا اور تاریخ میں اپنا نام روشن کر گئے، ہم نے تاریخ میں پڑھا ہے کہ آپ کے شہر اجین میں راجہ بکرماجیت کا راج انصاف کا راج تھا، اسی بادشاہ کے نام سے بکرمی جنتری چلتی ہے، خدا کو اس کی کوئی بات پسند آئی کہ اس کی جنتری آج تک زندہ ہے، اور نہ جانے کتنی جنتریاں ختم ہوگئیں، ہجری سن اور عیسوی سن دو پیغمبروں کے نام سے ہیں ان پر تو ہمیں تعجب نہیں، ان کو تو زندہ رہنا ہی چاہیے تھا اس لئے کہ ان کی تعلیمات، ان کے ماننے والے دنیا میں زندہ ہیں، لیکن بکرمی جنتری کیوں زندہ ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو اس کی کوئی بات پسند آئی، اور جیسا کہ مشہور ہے اور ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ وہ انصاف کرنے والا تھا، کاش! ایسا انصاف آج بھی ہوتا۔

عالمی بگاڑ کا سبب: دنیا میں اس وقت جو بگاڑ آیا ہوا ہے یہ انصاف اور احسان کے صحیح ناپ تول نہ ہونے کی وجہ سے ہے، ترازو نہیں دیکھتی کہ تولنے والا کون ہے اور کیا رکھا گیا ہے؟ ترازو صحیح ہے تو صاف بتا دیتی ہے کہ یہ اتنے سیر ہے، اس کا اتنا وزن ہے، ترازو میں ایک رتی کا فرق نہ ہوگا، چاہے ہیرے جواہرات تلیں۔

حکومت کرنے والوں، سیاست دانوں، دانشوروں، عالموں، شاعروں، فلسفیوں، مصنفوں، مفکروں اور ادیبوں کو ترازو ہی کی طرح منصف ہونا چاہیے تھا، امریکہ میں انصاف ہوتا تو اسرائیل کا خنجر عربوں کے سینے میں نہ گھونپا جاتا۔ برطانیہ میں انصاف ہوتا تو سو برس ہمیں غلام نہ رہنا پڑتا، ہماری جائدادیں تباہ، ہماری صنعت مفلوج نہ ہوتی اور ہمارے سربرآوردہ نہ چلائے جاتے، نوآبادیاتی نظام دنیا میں قائم نہ ہوتا۔ اور اگر آج ہمارے ملک میں انصاف ہوتا تو فسادات نہ ہوتے، شکایتیں نہ ہوتیں، مقدمات عدالتوں میں نہ جاتے، اسٹرائکیں اور مظاہرے نہ ہوتے، جب انصاف تھا تو شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے تھے۔

دو سبق آموز واقعات: انصاف کا ایک واقعہ سنئے، مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ جو مصر کے فاتح بھی تھے ان کی گورنری کے زمانہ میں ایک مرتبہ ایک گھوڑ دوڑ ہوئی، اس ریس میں ان کا بیٹا بھی شریک تھا، اس کے گھوڑے سے آگے ایک قبطی کا گھوڑا بڑھنے لگا تو گورنر زادے نے اس قبطی کو ایک تمانچہ مارا، یہ کہتے ہوئے کہ لو شریف زادے کا تھپڑ ایسا ہوتا ہے، وہ معمولی شہری تھپڑ کھا کر سیدھا مدینہ پہونچا اور اس نے امیر المومنین حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے شکایت کی، وہاں سے طلبی ہوئی کہ گورنر عمرو بن العاصؓ مع اپنے بیٹے کے حاضر ہوں، دونوں پہونچے، ایک دربار لگا، اور حضرت عمرؓ نے سب کے سامنے اس قبطی کو کہا کہ ایک تھپڑ اسی طرح تم گورنر زادے کو میرے سامنے مارو جیسا اس نے تمہیں مارا تھا، اس قبطی نے تھپڑ مارا، اس کے بعد جو الفاظ حضرت عمرؓ نے کہے وہ ہم کو فخر کرنے کے لائق ہیں۔ انہوں نے کہا کہ،

"تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام بنا لیا حالانکہ یہ اپنے ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے تھے"۔

ہمیں اس واقعہ پر اور حضرت عمرؓ کے انصاف پر فخر کرنا چاہیے، ہم کو جیسے بکرماجیت پر فخر کرنے کا حق ہے کہ وہ انسان تھا اور جس انسان سے اچھا کام ہو وہ ہم تمام انسانوں کی دولت اور ملکیت ہے۔

ایک واقعہ ہمارے ملک ہندوستان کا سنئے، جو ابھی سو برس کے اندر پیش آیا ہے کہ اتر پردیش یا مظفر نگر کے کسی مقام پر ایک زمین کے سلسلے میں دو دعویدار پیدا ہوگئے، مسلمان کہتے تھے یہ مسجد ہے، ہندو بھائی کہتے تھے یہ مٹھ ہے۔ مقدمہ جج کے پاس گیا، جج نے دونوں طرف کی شہادتیں سنیں، دونوں فریق بڑے ماہر وکیلوں کو لائے تھے، جج انگریز تھا اور شاید شریف اور باہمت۔ اس نے کہا کہ کیا ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی ایسا آدمی بھی ہے جس پر دونوں فریق کو اتفاق ہو، ہندو بھائیوں نے کہا ہاں ایک مسلمان مولوی صاحب محمود بخش ہیں (یہ بزرگ حضرت مولانا الیاسؒ بانی تبلیغی جماعت کے خاندان سے تھے، جن کی تبلیغی دعوت آج پوری دنیا میں عام ہے) ہندوؤں نے کہا کہ اگر اس بستی میں کوئی سچ بول سکتا ہے تو وہ مولوی محمود بخش ہیں، انگریز جج کو تعجب ہوا کہ ہندو ایک مسلمان مولوی کا نام لے رہے ہیں اور ان کی گواہی پر فیصلہ کو تیار ہیں، چپراسی بھیج کر مولوی صاحب کو بلوایا گیا، انہوں نے جواب دیا کہ میں نے آج تک انگریز کا منہ نہیں دیکھا اور آئندہ بھی نہیں دیکھوں گا، انگریز جج بھی عجیب قسم کا تھا، اس نے کہلایا کہ ان سے کہہ دینا کہ میرا منہ نہ دیکھیں منھ پھیر کر کھڑے ہو جائیں، مگر بات کہہ دیں۔ اب ایسے انگریز اور حاکم کہاں ہوتے ہوں گے۔؟ چپراسی دوبارہ یہ پیام لے کر گیا، مولوی محمود بخش آئے اور واقعی انگریز جج کی طرف پشت کرکے کھڑے ہوگئے اور اپنے کھرے لہجے میں کہا "پوچھ، کیا پوچھے ہے"۔؟ انگریز جج نے کہا کہ فلاں جگہ کے بارے میں ہندو اور مسلمان دو فریق ہیں، ایک اسے مٹھ کہتا ہے دوسرا مسجد۔ آپ بتلائیں کہ یہ جگہ کس کی ہے،

مولوی محمود بخش نے کہا کہ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ مٹھ تھا، یہ مسجد نہیں تھی، مسلمان غلط کہتے ہیں۔

یہ ہے صحیح کردار، یہ ہے صحیح کیریکٹر، آج ہم سب اس راہ پر چلتے تو دنیا کی یہ حالت نہ ہوتی، روس اور امریکہ آج کی دنیا کے یہ دو چودھری پرلے درجے کے ناانصاف، اوّل درجے کے بے ایمان۔ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ان کا فائدہ کس میں ہے، اسرائیل کا معاملہ لے لیجئے (خدا کا شکر ہے کہ ہماری حکومت نے ابھی اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا) اندھیر، بلکہ اندھیرے سے بڑھ کر کوئی اندھیر کہہ سکتے ہیں، بیچارے مسلمان عرب سینکڑوں برس سے جس خطۂ زمین پر آباد تھے اور جس کا چپہ چپہ ان کا تھا، ان سب کو بے دخل کرکے، امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا، برطانیہ، جرمنی اور روس کے یہودیوں کو لا کر بسا دیا گیا، ان کی حکومت قائم کردی گئی۔ یہ میں نے ایک مثال دی ورنہ سب لوگ جانتے ہیں کہ کتنی ناانصافیاں، کتنی قوموں کا خون، کتنی سچائیوں کا خون اس دنیا میں ہو رہا ہے اور سب کچھ ٹھیک ہے،

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان، اللہ تعالیٰ عدل کا، انصاف کا، احسان کا حکم دیتا ہے۔

کوئی بھوکا ہو تو کھانا کھلاؤ، کوئی پیاسا ہو تو پانی پلاؤ، کوئی بیمار ہو تو عیادت و تیمارداری کرو، چاہے وہ کسی بھی مذہب و ملت کا، کسی بھی رنگ و نسل کا ہو۔ تم جج ہو تو صاف فیصلہ کرو، حاکم ہو تو سب کے ساتھ یکساں معاملہ کرو، دفتر کے ملازم ہو تو سب کی خدمت کرو، محلہ دار ہو تو سب کی خبرگیری کرو، اگر شہری ہو تو سب کے دکھ درد میں شریک رہو، اگر تم ایسا کروگے تو اپنے مذہب کی خدمت کروگے، اپنے کو ایک اچھا، شریف شہری ثابت کروگے۔

آج اسی چیز کی کمی ہے، اگر حکومت کی سطح پر اس کے وسائل ریڈیو اور ٹیلیویژن پر، ہماری تعلیمگاہوں میں، مجلسوں، سبھاؤں میں، مسجدوں میں، مندروں میں، مدرسوں میں پاٹھ شالاؤں میں، شادیوں میں اور تقریبات میں اسی بات کا چرچا ہوتا تو ملک کی قسمت بدل جاتی اور یہ ملک حقیقت میں جنت کا نمونہ بن جاتا۔

آج ہمارے ملک کا یہ حال ہے کہ ہر چیز کی تول دیکھی جاتی ہے کہ یہ کس رنگ کی ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس میں کیا ہے اور کیا ڈالا ہے،

تمام دنیا کے انسان خدا کے لگائے ہوئے باغ کے پھول اور کلیاں ہیں، ہمارے ملک میں انسانیت کے باغ کے نہ جانے کتنے غنچے بن کھلے مرجھا جاتے ہیں، بچے مارے جاتے ہیں، عورتوں پر ظلم ہوتا ہے، برسوں کی کمائی کو پھونک دیا جاتا ہے، یہ سب کون کرتا ہے؟ یہ ہمارے اندر بیٹھا ہوا راکشس کراتا ہے، ہمارا دل پاپی ہوگیا ہے، اسی لئے ڈاکٹر اشتیاق صاحب نے کہا ہے کہ دلوں کو دھونے کی ضرورت ہے۔

ہندوستان کی زمین تیار کیجئے: بھائیو! ہمارا پیغام یہ ہے کہ آدمی بنو، کوئی زمین تو چاہیے جس میں کچھ بویا جائے، زمین تو پیدا کرو جس پر بیج ڈالا جائے، بیج اگر سڑا گلا ہوگا تو کچھ نہیں نکلے گا، ہندوستان کی زمین تیار کیجئے تاکہ اچھے بیج ڈالے جائیں، دلوں کی زمین تیار کیجئے، تاکہ اچھی تخم ریزی کی جائے، دماغوں کو تیار کیجئے تاکہ اچھی بات سن سکیں، آج ہمارے پرائمری اسکولوں سے لے کر کالج، یونیورسٹی کی سطح تک کہیں اخلاقی تعلیم نہیں دی جاتی، آدمی بنانے کی کوشش کیجئے، لوگ جانور بننا چاہتے ہیں، انسانیت سے اکتا گئے ہیں، آدمیت سے بیزار ہیں، پھر وحشت و بربریت کے دور، غاروں کی زندگی کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں، آپ انہیں آدمی بنانے کی کوشش کیجئے۔ اس کی سب سے بڑی ذمہ داری ہمارے مسلمان بھائیوں پر ہے۔ بڑی ذمہ داری اس لئے کہتا ہوں کہ یہ بڑا دعویٰ رکھتے ہیں، یہ دعویٰ بے جا نہیں، اس لئے کہ یہ اسی لئے پیدا کئے گئے ہیں، ان کی زندگی کا مشن ہی یہ ہے، ان کو خدائی پولیس ہونا چاہیے، مظلوم کی مدد، کمزور کی دستگیری، مخلوق کی خدمت ان کا شعار ہونا چاہیے۔

اجین کے لوگوں پر خاص طور پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ انصاف اور احسان کی قدر کریں، یہاں ایسا ماحول بنے جس میں ہر شخص کو پوری آزادی حاصل ہو اور اس کا حق ملے، اس کی صلاحیت کے مطابق وہ جہاں تک ترقی کرنا چاہے ترقی کرسکے۔ سارے ہندوستان میں اس کی کوشش کرنی چاہیے، جانوروں کی طرح بے حس زندگی میں بھی کوئی مزہ ہے۔؟

بس یہی ہمارا پیام ہے، اس کو بخوشی عبادت سمجھ کر، مذہب کا جوہر سمجھ کر اس کی روح سمجھ کر کیا جائے، ہمیں اس کی کوئی سیاسی ضرورت نہیں، یہ خالص روحانی، اخلاقی، انسانی، ربانی اور خدا پرستی کی مہم ہے، ہم مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم سچے مذہبی مسلمان بنو، تم نمازیں پڑھو ہم نے جو کچھ کہا یہ ہمیں نمازوں نے سکھایا، قرآن نے بتایا، ہم آپ سے بھی کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا بغور مطالعہ کرو، نمازیں جاندار بناؤ، آپس میں محبت و اتحاد پیدا کرو، اس کے ساتھ ساتھ انصاف اور احسان سب کے ساتھ عام ہو، ایک شریف شہری، ایک خادم خلق کی حیثیت سے تمہیں دنیا میں رہنا اور نفع پہونچانا چاہیے، تمہارا فیض عام ہو، تم جس جگہ رہو وہاں رحمت کے فرشتے سمجھے جاؤ، اس جگہ کو چھوڑ کر جانا چاہو تو لوگ تمہیں جانے نہ دیں۔

دلوں میں جگہ پیدا کیجئے: اس ملک میں ایسے لوگ گذرے ہیں کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں انہوں نے جانا چاہا تو غیر مسلموں نے ان کی جدائی گوارا نہیں کی اور انہیں جانے نہیں دیا۔ پانی پت کے مولانا لقاء اللہ عثمانی بڑے فرشتہ خصلت و اللہ والے آدمی تھے، شرنارتھی بس سب لوگ چلے گئے، وہ اپنی جگہ پر رہے، عرصہ بعد ایک مرتبہ گھبرا کر کہنے لگے کہ یہاں کوئی مسلمان نہیں، اگر مر جاؤں گا تو مسلمانوں کی طرح دفن کرنے والا کوئی نہ ملے گا، اب مجھے اپنے رشتہ داروں

اور ہم مذہبوں میں پاکستان جانے دو، وہاں کے ہندو اور سکھ شرنارتھیوں نے جواب دیا کہ ،

"مولوی صاحب یاد رکھو، جانے نہیں پاؤ گے، اگر تم جاؤ گے تو جس تانگہ پر بیٹھے ہو گے اس کے پہیوں کے سامنے ہم لیٹ جائینگے، ہماری چھاتیوں پر سے گذر کر جا سکتے ہو، مگر ہم تمہیں چھوڑیں گے نہیں، یہیں جینا، یہیں مرنا، ہم مسلمانوں کو کہیں سے لاکر بسا دیں گے، تمہارے آخری رسوم جو ہوتے ہیں وہ ادا کر دیے جائیں گے، غرض وہ ٹھہر گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

اس طرح ہونا چاہیے، اس میں زندگی کا لطف ہے، محبت و اخلاق سے بڑھ کر کسی چیز میں لذت نہیں، جس نے محبت کرنا نہ سیکھا اسے زندگی میں کوئی مزہ نہیں آیا۔

میں نے اپنی بات کہہ دی، میرے بعد جو بھائی تقریر کریں گے وہ آپ کا دل خوش کردینگے اور آپ کی جھولی بھر دیں گے، اگر مجھ میں ہمت ہوتی اور صحت بہتر ہوتی تو میں بھی بیٹھتا اور فائدہ اٹھاتا لیکن کل بہت دیر میں سونا ہوا، بھوپال میں بہت بڑا جلسہ تھا، جیسا کہ ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب نے کہا ہے جو میرے معالج بھی ہیں کہ مسلسل جاگنے اور سفر سے کہیں میں بیمار نہ پڑ جاؤں، جس سے آپ ہی کو زحمت پیش آئے گی، میں اجازت چاہتا ہوں اور کہتا ہوں کہ کوئی صاحب اپنی جگہ سے نہ اٹھیں، ہمارے بھائی پاریکھ صاحب آئیں گے اور وہ آپ کو بتائیں گے کہ زندگی گذارنے کا انسانی، ایمانی، روحانی اور اخلاقی طریقہ کیا ہے؟

ہم نے جینے کا سلیقہ سیکھا ہی نہیں،

اگر ہم جینے کا سلیقہ سیکھتے تو ہمیں دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آتے، کہ چلو زندگی کا مزہ تو وہاں ہے جہاں خدا کا نام لینے والے اچھے انسان بستے ہیں۔

میں آپ کے اس عظیم مجمع کو دیکھ کر جو بازار اور سڑکوں پر اتنے اطمینان سے ہماری بات سُن رہا ہے، بہت خوش ہوں۔ یہ بڑی صحت مند اور اچھی علامت ہے، کہ ہمارے ملک میں خلوص، نیک نیتی اور کھلے دل سے بات سُننے کا شوق ہے، خدانخواستہ بار بار سیاسی تجربوں اور سیاسی لیڈروں کے وعدوں سے لوگ سب مایوس ہو گئے تو پھر خیر نہیں — یہ جان کر کہ یہ کوئی الیکشن کی بات نہیں کریں گے، کسی پارٹی کے ایجنٹ نہیں ہیں۔ آپ نے سکون و خاموشی، تہذیب و شائستگی کے ساتھ ہماری بات سُنی اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے میں اجازت چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ زندگی میں کبھی آئندہ اجین کا سفر ہوا تو یہاں کا رنگ بہتر سے بہتر ہوگا"

اپنی نوعیت کا عجیب تجربہ: حضرت مولانا کی تقریر ختم ہوئی، ہزاروں کا مجمع تھا، لیکن ایک قسم کی سکینت طاری تھی، طویل خاموشی اور سناٹا — چوراہے کے جلسے کا یہ اپنی نوعیت کا عجیب تجربہ تھا، اسے تائید الٰہی کے سوا کسی اور لفظ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا — حضرت مدظلہ، کے بعد عبدالکریم صاحب پاریکھ نے اپنے مخصوص انداز میں تقریر شروع کی حسب معمول دھیمے لہجہ میں انہوں نے اپنی تقریر کا آغاز آیات قرآنی سے کیا، آہستہ آہستہ آواز بلند ہونے لگی اور مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا، سکوت و سناٹے کا یہ دوسرا دور تھا، پاریکھ صاحب انسانی تخلیق، جسم انسانی کے عجائبات سے گذر کر انسان کے مقصد حیات تک پہونچے اور عوام و خواص کی دلچسپی اور انہماک، تائید و تحسین میں بدل گئی، پاریکھ صاحب کا منفرد انداز بیان عوام و خواص، دوست و دشمن، مسلم و غیر مسلم سب کو متاثر کرتا ہے، مطالعۂ قرآن مجید کی برکت ہے کہ تقریر چاہے کسی بھی موضوع پر ہو، برمحل و برجستہ آیات قرآنی ان کی زبان پر رواں ہو جاتے ہیں، مدھیہ پردیش کا علاقہ ہندی علاقہ ہے، پاریکھ صاحب اپنی تقریر میں ہندی الفاظ و اصطلاحات کو نگینے کی طرح جڑ کر سامعین کے کانوں کے ذریعہ ذہن و دماغ پر چھا جاتے تھے، ان کی تقریر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی، آخر میں تحریک پیام انسانیت کا مقصد قیام، عملی پروگرام، طریقۂ کار، اور حلف نامہ راقم سطور نے پیش کیا، قاضی افتخار الدین صاحب ندوی نے شکریہ کے کلمات کہہ کر جلسے کے اختتام کا اعلان کیا، اندور سے اور اطراف کے علاقے سے لوگوں کی معتد بہ تعداد صبح ہی آچکی تھی، شام کو مولانا ابوالبرکات صاحب، قاضی عبدالحمید صاحب، سیٹھ ہارون رشید صاحب بھی اندور سے آکر شریک جلسہ ہوئے۔

جب اشوک کی زندگی میں انقلاب آیا: اجین میں انصاف، احسان، انسانیت

و اخلاق کی دعوت، انسانی جان کی قیمت و احترام کی بات، خونریزی اور غارت گری سے اجتناب کی ہدایت سُن کر تعجب نہیں کہ سامعین میں سے کسی کو سمراٹ اشوک کی زندگی کا انقلاب یاد آگیا ہو۔

جنگ کلنگ میں جو ۲۶۱ قبل مسیح میں ہوئی تھی ایک لاکھ آدمی ہلاک ہوئے ڈیڑھ لاکھ قید ہوئے اور اس سے کئی گنا زیادہ قحط، وبا اور دوسری آفات کی نذر ہوئے، یہ تمام ہولناک واقعات اشوک کی آنکھوں کے سامنے ہوئے تھے، اسے اس کا احساس ہوا کہ ان تمام مصائب کا سبب اس کی اپنی ذات اور ملک گیری کی ہوس ہے، اس احساس نے اسکی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا، اس نے مصمم ارادہ کیا کہ آئندہ ملک گیری کی ہوس میں بنی نوع انسان کو وہ مصائب کا شکار نہ کرے گا، وہ کہتا تھا کہ "کلنگ کی جنگ کے موقع پر جتنے آدمی قتل کئے گئے یا قید ہوئے، ان کی تعداد کے سوویں یا ہزارویں حصے کا نقصان بھی میرے لئے سخت افسوس کا باعث ہوگا"

اشوک اسی عہد پر کاربند رہا اور بقیہ زندگی جارحانہ جنگ سے گریز کرتا رہا، اسی زمانہ میں بدھ مذہب کی تعلیمات سے وہ متاثر ہوا، وہ کہتا تھا کہ "سب سے بڑی فتح وہ ہے جو قانون پرہیزگاری کے ذریعہ حاصل کی جائے"

جلسے سے واپسی ہوئی تو شب کا ایک بج چکا تھا، پاریکھ صاحب چائے کے بڑے شائق ہیں اتنی رات گذرنے پر بھی جب ان کے میمن عزیز نے چائے کی پیشکش کی تو وہ انکے مکان روانہ ہو گئے، مقصد تنہا چائے نہ تھی گھر والوں سے ملاقات بھی تھی، انہوں نے شب میں وہیں قیام کیا، مولانا معین اللہ صاحب ندوی اپنی ہمشیرہ کے ہاں رہ گئے جن کا مکان جلسہ گاہ کے قریب ہی تھا۔

۵ دسمبر ۷۶ء: صبح صادق سے پہلے تقریباً سب ہی بیدار ہو چکے تھے حضرت مولانا کی بابرکت صحبت سے سفر و حضر میں دعائے نیم شبی، اور آہ سحر گاہی کی نعمت غفلت کا شکار لوگوں کو بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ آج بعد نماز صبح شہر کی ایک مسجد میں خواص سے خطاب تھا، ٹھیک وقت پر ہم لوگ روانہ ہو گئے، پہلے ماسٹر عزیز الرحمٰن صاحب کے ہاں حاضری ہوئی، انہوں نے ناشتہ کا اہتمام کیا تھا، ناشتہ میں ہم لوگوں کے علاوہ اندور، دھار، دیپالپور اور مختلف مقامات سے آئے ہوئے مہمان بھی تھے، ناشتہ کے بعد گھر کی خواتین حضرت مدظلہ، سے بیعت ہوئیں، بعد مسجد سوداگران پہونچے لوگ منتظر تھے۔ حضرت مدظلہ، نے علم دین، دعوت دین اور مکاتب و مدارس کے قیام کی اہمیت پر مختصر تقریر فرمائی جس میں فرمایا کہ ،

علم، عقیدہ، عمل: خدا کی ربوبیت کا تعلق اس کائنات کے ساتھ ازل سے رہا ہے اور ابد تک رہے گا، **خدا سے بندے کا تعلق صرف عقیدے کا نہیں بلکہ عمل کا بھی ہے،** بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے دنیا کو پیدا کر دیا، اب اس کے نظم و انتظام سے اللہ کو تعلق نہیں، یہ تو ایسی بات ہوئی کہ شاہجہاں نے تاج محل بنا دیا، تاریخ میں بھی اس کا ذکر آگیا کہ شاہجہاں تاج محل بنا کر دنیا سے رخصت ہو گیا لیکن اللہ تعالیٰ کا اس کائنات کے ساتھ ایسا تعلق نہیں، بلکہ اس نے پیدا کیا اور وہی چلا رہا ہے

ہر آن، ہر پل، ہر منٹ، یہ دنیا اس کے انتظام میں اور یہ کائنات اس کی نگرانی میں چل رہی ہے، خدا کے امر کا تعلق اس دنیا کے ساتھ قائم ہے اگر یہ تعلق قائم نہ رہے تو یہ دنیا چل ہی نہیں سکتی، انہیں دو حقیقتوں کو بتلانے کے لئے خدا کے پیغمبر آئے، خالق کائنات کے ساتھ بندے کا تعلق کیسا ہونا چاہیے اور کائنات کے مالک کا معاملہ بندوں سے کیا ہے۔ بندے کا اپنے رب کے ساتھ کیسا تعلق اور اپنے مالک کے ساتھ کیسا معاملہ ہونا چاہیے، اسی کا نام عبادت اور اطاعت ہے۔ بندے کا اپنے رب کی ربوبیت اور ذات و صفات کا علم، اس کو کس طرح سمجھنا چاہیے اس کا نام معرفت ہے، اور اس کا کس طرح شکر ادا کرنا چاہیے، اس کا نام حمد ہے، یہ تمام باتیں بتلانے کے لئے انبیاء آئے،

ایسا مذہب، ایسا دین جو ان ستونوں پر قائم ہو، جو طرفین کا تعلق متعین کرے، کہ مخلوق کا خالق کے ساتھ اور خالق کا مخلوق کے ساتھ تعلق کس نوعیت کا ہوتا ہے، وہ دین جہالت اور غفلت، اور کاروباری مصروفیت کے ساتھ نہیں حاصل کیا جا سکتا، قائم نہیں رہ سکتا، اگر کسی کو دنیے کے ذریعہ کوئی دولت مل جائے تو وہ باقی نہیں رہتی ہے۔

بعض مذاہب وہ ہیں جو "نہ جاننے پر" زندہ رہتے ہیں۔ ان کی زندگی نہ جاننے میں ہے، جتنا کم پڑھا جائے، جتنی کم کُرید کی جائے، جتنی کم روشنی ڈالی جائے، اتنی ہی ان مذاہب کی خیریت ہے، یہ مذاہب تو اس کی کوشش کرتے ہیں کہ لوگوں کو ان کے مذہب کے بارے میں غور و فکر اور سوچ بچار کی فرصت نہ ملے، ان کی عافیت اسی میں ہے، اس مذہب کے پرچارک عوام کی اس جہالت سے مطمئن اور خوش رہیں گے — اس قسم کے مذاہب انسانوں کو جنت کے پروانے دیا کرتے ہیں، بعض فرقے ایسے بھی ہیں جو مسجدوں میں جگہ کا الاٹمنٹ کرتے ہیں، ان مذاہب کی بقا، حفاظت اور حیات اسی پر ہے کہ ان کے بارے میں کم سے کم جانا جائے۔

اسلام، ایک دن بھی "نہ جاننا" پسند نہیں کرتا، جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے،

"والذین اذا ذکروا بآیات ربھم لم یخروا علیھا صما و عمیانا"، (اور وہ لوگ جنہیں اللہ کی نشانیاں یاد دلائی جاتی ہیں، وہ اندھے اور بہرے ہو کر اس پر نہیں گرتے)۔

"الذین یتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض (وہ لوگ آسمان و زمین کی تخلیق پر غور و فکر کرتے ہیں)۔

قرآن سوچنے کی دعوت دیتا ہے، غور و تدبر پر ابھارتا ہے، وہ عمل پر زور دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی معرفت کی دعوت دیتا ہے، کونسا عقیدہ صحیح ہے؟ توحید و شرک کے حدود کیا ہیں؟ اس کی تعلیم دیتا ہے — ایسے مذہب کے ماننے والوں کو ہر علاقہ اور ہر زمانہ میں دین کے جاننے کا انتظام کرنا لازمی ہے، کیونکہ ہمارے دین کی اساس "جاننے" پر ہے۔

علم دین، دعوت دین اور اُردو زبان: دوسرے یہ کہ اس علم پر عمل کا جذبہ، عمل کا ذوق پیدا کیا جائے، عمل اور ذوق عمل میں فرق ہے — علم، ذوق اور عمل، جب یہ تین چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں تو مجموعہ صحیح ہوتا ہے —

علم صحیح، اس کا ذوق اور اس پر عمل کا قوی جذبہ، جب یہ پیدا ہوگا تب اسلام صحیح شکل میں باقی رہے گا۔ اگر ان میں سے کسی ایک میں بھی کمی رہ جائے گی تو اسلام اپنی صحیح شکل میں باقی نہیں رہے گا۔ انسانوں کی ہر بستی میں ڈاکٹر و حکیم ضروری ہے، اس طرح مسلمانوں کی ہر آبادی میں دینی تعلیم کا انتظام لازمی ہے،

اگر کسی بستی میں دینی تعلیم کا انتظام نہیں تو ساری بستی ماخوذ ہوگی۔ بستی میں، محلے میں سب کچھ ہے لیکن دین کی تعلیم حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں، کوئی اہتمام نہیں تو ساری بستی پورا محلہ گنہگار ہوگا۔ قرآن مجید کی تعلیم، نماز، روزہ، نکاح و طلاق، حج و زکوٰۃ، وراثت اور تدفین کے مسائل آپ کو اور آپ کی آئندہ نسل کو معلوم ہونے چاہئیں، اس کا انتظام واجب ہے، میں سمجھتا ہوں کہ مسجد بنانے سے زیادہ دینی تعلیم کا انتظام ضروری ہے، کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز ہر جگہ ہو سکتی ہے لیکن کسی ایسے انتظام کا ہونا از حد ضروری ہے جہاں سے دین کا علم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے واقفیت حاصل ہو۔ یہ ضرورت دینی تعلیم کے مدارس اور مکاتب قائم کرنے سے پوری ہو سکتی ہے۔

عمل کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے دعوت کا کام معاون بنتا ہے، دین کی دعوت، نماز کی دعوت، نیک عمل کی دعوت میں حصہ لے کر، عمل کی فضا، عمل کا ذوق پیدا کیا جا سکتا ہے۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں دو چیزیں ناگزیر ہیں، دینی تعلیم اور دین کی دعوت۔ اگر ان دو چیزوں سے مسلمانوں نے غفلت کی، تو وہ اپنا دین، اپنا امتیاز اور اپنا ملّی وجود کھو دیں گے۔

یہ بہت بڑا علاقہ ہے، یہاں بڑے بڑے شہر ہیں، مسلمانوں کی خاصی آبادی ہے، ہمیں یہ بھی اندازہ ہوا کہ یہاں دلوں میں نرگس ہے، دین کی بات غور و توجہ سے سُنی جاتی ہے۔ ایسے علاقہ میں ہر جگہ دین کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام بھی ہونا چاہیے اور تبلیغ و دعوت کا سلسلہ بھی جاری ہونا چاہیے۔

دوسری بات یہ کہ یہ ہندی زبان کا علاقہ ہے، یہاں آپ کے بچوں کی اُردو تعلیم کا بھی انتظام ہونا چاہیے، اردو زبان میں دینیات کا بڑا ذخیرہ ہے، اُردو زبان باہمی رابطہ کا موثر ذریعہ ہے، یہاں اُردو زبان کی تعلیم کی طرف بھی توجہ کیجئے۔

اس نشست میں اکثریت شہر کے سربرآوردہ اور تعلیم یافتہ حضرات کی تھی، تقریر کے اختتام کے بعد ایک صاحب نے حضرت مولانا سے کہا کہ ہم آپ کے دورۂ امریکہ کے تاثرات سُننا چاہتے ہیں، مولانا نے اپنے دورۂ امریکہ کے حالات و تاثرات کا آغاز اقبالؒ کے اس مصرعہ سے کیا ؎

تسکین مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں

پھر یہ شعر پڑھا ؎

مغرب میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
افسوس کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات

اس کے بعد موصوف نے امریکی تہذیب کے کھوکھلے پن اور خامیوں کی وضاحت کے ساتھ وہاں کی انتظامی خوبیوں اور کاروباری اخلاق و دیانت، ملاوٹ اور کرپشن سے اجتناب اور احساس ذمہ داری کی تعریف کی۔ اپنے سفر امریکہ کی تفصیلات کے لئے انہوں نے تعمیر حیات کے گذشتہ شماروں کو پڑھنے کی ہدایت کی۔ مولانا موصوف کے دورۂ امریکہ کے تاثرات اور وہاں کی اہم تقریریں "امریکہ میں صاف صاف باتیں" اس ٹائٹل کے ساتھ کتابی شکل میں مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ نے حال ہی میں شائع کی ہے۔ تقریر کے بعد ناشتہ میں شریک ہونا پڑا، یہ شرکت رسمًا تھی، ناشتہ تو ماسٹر عزیز الرحمٰن صاحب کے یہاں ہو چکا تھا، ناشتہ پر لوگوں کی

بڑی تعداد مدعو تھی، انہیں میں ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب کے ایک علیگڑھ کے ساتھی مل گئے، ایک مادر علمی کے دو فرزند جب عرصہ بعد ملتے ہیں مسرت کا ٹھکانا نہیں رہتا۔

جامعہ اسلامیہ اسکول، اجین: آج ہی اجین سے اندور روانگی تھی، ہمارے قافلہ کو اندور لے جانے کے لئے مولانا ابوالبرکات فاروقی مدنی، ندوی، قاضی عبدالحمید صاحب وغیرہ رات ہی آگئے تھے، اجین سے اندور روانگی سے پہلے ایک پروگرام میں شرکت کرنی تھی، اجین کی جامع مسجد کے پہلو میں ایک معیاری اسکول کے معائنے کی دعوت اسکول انتظامیہ کے ممبران اور پرنسپل صاحب نے دی تھی، خیال تھا کہ صرف سرسری معائنہ پر اکتفا ہوگا، لیکن مسجد سوداگران کے جلسے اور وہاں پُرتکلف ناشتہ سے فارغ ہو کر ہم جب وہاں پہونچے تو جلسے کا پورا انتظام، اسکول کے بچے، شہر کے معززین، اسکول کمیٹی کے اراکین اور اسٹاف کے ممبران مہمانوں کے لئے چشم براہ اور حضرت مدظلہ کے استقبال اور کلمات کو سننے کے لئے مستعد و مشتاق نظر آئے، جامعہ اسلامیہ اسکول کا سرسری معائنہ ہوا، طلبہ کی تعداد، نظم وضبط، نصاب تعلیم و تربیت، صفائی وسلیقہ قابل اطمینان اور لائق تحسین تھا جلسہ شروع ہوا، ابتدا میں بچوں کا مفید و دلچسپ پروگرام ہوا، اس کے بعد اسکول کے پرنسپل نے حضرت مدظلہ سے تقریر کی درخواست کی، مولانا موصوف نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا:۔

مسجد اور مدرسہ لازم وملزوم: حضرات میں اپنی اور اپنے سب ساتھیوں کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ مجھے خوشی ہے کہ ہم اس مدرسہ میں آئے اور ہم نے اس کو دیکھا اور تفصیلات معلوم ہوئیں۔ نہ صرف یہ کہ مسجد اور مدرسہ کا چولی دامن کا ساتھ ہے بلکہ مدرسہ، اسلام میں مسجد ہی سے شروع ہوا ہے اور "صفہ" اردو میں ہم اس کو چبوترہ کہیں گے، وہ مسجد نبویؐ میں ایک جگہ تھی جہاں ایسے لوگ بیٹھے رہا کرتے تھے جو خاص طور سے دینی معلومات حاصل کرتے تھے اور قرآن مجید سنتے تھے، یاد کرتے تھے اور انہوں نے اپنی زندگی اس کے لئے وقف کردی تھی۔ ان کو "اصحاب صفہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور وہ صحابہ کرامؓ میں بھی خاص علمی امتیاز رکھتے ہیں۔ آپ میں سے بہت لوگوں نے حضرت ابوہریرہؓ کا نام سُنا ہوگا جو حدیث کے مشہور راوی ہیں اور جن کی روایات تعداد کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہیں وہ بھی انہیں صحابی طالب علموں میں تھے جو اللہ پر توکل کئے ہوئے وہاں پڑے رہتے تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے اس کو غور سے سنتے اور یاد رکھتے۔ پھر اس کے بعد جب بڑی بڑی مسجدیں بننے لگیں تو بڑے بڑے مدرسے بھی ان میں قائم ہونے لگے۔ **اسلام کی تاریخ میں جو چوٹی کے مدرسے دنیا میں مشہور ہیں وہ مسجدوں ہی کی طرف منسوب ہیں۔** مثلاً سب سے قدیم درسگاہ جس میں کچھ اختلاف ہے، جامعہ ازہر یا جامعہ قروین ہے یا جامعہ زیتونہ۔ میں نے تونس کے عالموں سے سنا ہے کہ سب سے قدیم جامعہ زیتونہ ہے۔ جامعہ کے معنی عربی میں جمعہ مسجد کے ہیں جس کو آپ جامع مسجد کہتے ہیں تو وہ جامعہ زیتونہ بعد میں ہوا لیکن جامع زیتونہ پہلے وجود میں آئی یعنی مسجد پہلے بنی پھر اس میں مدرسہ قائم ہوا جو جامعہ زیتونہ کہلایا۔ ایسے ہی مسجد القرویین، فاس میں جو مراکش کا سب سے بڑا علمی شہر ہے، علمی ودینی مرکز ہے وہاں جامع القرویین یا مسجد القرویین کے نام سے ایک مسجد ہے، میں نے زیارت کی ہے وہاں وہ مدرسہ قائم ہوا جس میں بڑے بڑے ائمہ فن اور بڑے بڑے کامل الفن استاد، مصنف، فقیہ، ادیب اور مؤرخ پیدا ہوئے۔ اور جامعہ ازہر کو تو دنیا میں جو شہرت حاصل ہے وہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ اس وقت سب سے بڑی مسلمانوں کی دینی یونیورسٹی جامعہ ازہر ہے۔ جامعہ ازہر اصل میں جامع الازہر کے نام سے ایک مسجد ہے جو اب بھی موجود ہے وہاں تعلیم ہوتی تھی لیکن جب وہ مسجد ناکافی ثابت ہوئی تو اس کے بعض شعبے باہر قائم کئے گئے اور ان کے لئے عمارتیں تعمیر ہوئیں۔

اصل میں مدرسہ اور مسجد یہ دونوں لازم وملزوم ہیں جب مسجد بڑی ہو تو مدرسہ ہونا بھی ضروری ہے خواہ اس کے صحن میں ہو یا اس کی آغوش میں ہو خواہ اس کے پہلو میں ہو، دونوں کا اس سے تعلق ظاہر ہوتا ہے اور اسی طرح عیسائیوں میں بھی جو بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہیں وہ ان کے کلیساؤں سے شروع ہوئی ہیں، سوربون یونیورسٹی جو پیرس کی یونیورسٹی ہے وہ ایک گرجا گھر سے شروع ہوئی ہے ایسی ہی اور ہندوستان کی بہت سی یونیورسٹیاں!

تو ایک حقیقت تو یہ ہے اور یہ حقیقت ہمارے اندر آپ کے سامنے ہے کہ یہاں کی جامع مسجد تاریخی شاندار جامع مسجد کے پہلو میں اور اس کے زیرسایہ یہ مدرسہ قائم ہے بلکہ مسجد ہی کے گویا گود میں ہے۔

اردو زبان، دینیات اور جدید تعلیم: دوسری بات یہ ہے کہ میں یہ سُن کر بہت خوش ہوا کہ آپ نے یہاں جو مدرسہ قائم کیا اس میں آپ نے ہندی زبان کو بھی رکھا ہے اور آپ یہ کوشش کرتے ہیں کہ مثلاً آپ کا بچہ پانچواں پاس کرکے چھٹے میں داخلہ لینا چاہے تو اس کو کوئی دشواری محسوس نہ ہو اور آسانی کے ساتھ اسے داخلہ مل جائے، آپ صحیح نتیجہ تک پہونچے — ہندوستان میں حالات جو تیزی سے بدل رہے ہیں اور یہاں اسلامی خصوصیات قائم رکھنے کا جو مسئلہ درپیش ہے اس کا یہ حل ہے کہ ہم ایسے مدارس قائم کریں جہاں ایک طرف دینیات کی تعلیم کا پورا اہتمام ہو اور محض لوگوں کو دکھانے کے لئے، چندہ حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ واقعی جو اچھے سے اچھا انتظام ہو سکتا ہے ایمانداری کے ساتھ، سنجیدگی کے ساتھ اس کا انتظام کیا جائے کہ دینیات کی اچھی تعلیم ہو، اچھی کتابوں کے ذریعہ تعلیم ہو۔ اچھے استادوں کے ذریعہ تعلیم ہو اور بچے اردو سے بھی آشنا ہو جائیں۔ اردو بہت ضروری ہے۔ ہندوستان کی تمام ریاستوں کے مسلمانوں کے لئے۔ اسی سے ہمارا رابطہ قائم ہوتا ہے اسی سے اسلامی تہذیب جو ہندوستان میں پنپی اور پھلی پھولی اور اس ذخیرہ سے جو ہندوستان کے علماء نے یہاں پیدا کیا اور جو بہت کم ملکوں میں ایسا پایا جاتا ہے۔

معیاری نرسری اسکول کا قیام: ماڈرن اسکول، نرسری اسکول کنڈر گارڈن وغیرہ قسم کے مدارس نہایت ضروری ہو گئے ہیں۔ ہم جس وقت سفر پر روانہ ہوئے تھے تو اسی وقت ہی یہ ارادہ کر لیا تھا کہ ہم مسلمانوں کو توجہ دلائیں گے کہ اب صرف کنویں بنانا اور صرف مسجد کے مقابلہ میں مسجد بنانا (مسجد بنانا تو سب سے افضل عمل ہے) لیکن جہاں مسجد کی ضرورت نہ ہو وہاں بے ضرورت مسجد بنا دینا یہ بعض اوقات مسجد ضرار ثابت ہوتی ہے، اور مسلمانوں میں انتشار پیدا کرتی ہے تو صرف یہی ایک نیکی کا کام نہیں ہے بلکہ بڑی نیکی کا کام یہ ہے کہ آپ اس نئی نسل کو بچائیں اور ایسے معیاری اسکول قائم کریں جن کا انتظام، جن کے اساتذہ کی سطح، یعنی کوالیفکیشن، ان کا تجربہ، کسی طرح سے دوسرے اسکولوں سے کم نہ ہو جس کو دوسرے فرقوں نے قائم کئے ہیں بلکہ بہتر ہونا چاہیئے، **مسلمانوں کو ہر میدان میں سبقت لے جانے کی کوشش کرنی چاہیئے،** اور پھر اس کا ڈسپلن، رکھ رکھاؤ، اس کی صفائی اور اس کا نظم ونسق وہ ہر طرح سے ایسا ہو کہ کھاتے پیتے لوگ اور جن کا معیار زندگی بلند ہے وہ اپنے بچوں کو وہاں بھیجنے میں ذرا بھی تامل نہ کریں۔ آپ سب جانتے ہیں کہ میں مدرسہ کا آدمی ہوں اب بھی مدرسہ ہی کا خادم ہوں اور عربی مدارس کی دعوت دیتا ہوں لیکن اس کے ساتھ میں ہی آپ سے یہ کہہ رہا ہوں کہ اب آپ زمانہ کو سمجھئے، زمانہ کے تیور سمجھئے اور اب **آپ ہر جگہ ایسے اسکول قائم کیجئے جہاں اچھے، خوشحال اور تعلیمیافتہ لوگ اپنے بچوں کو بے تکلف بھیجیں۔** آپ یہ امید نہ رکھیں کہ سب عربی مدارس میں آجائیں گے. ہو جاتا تو بڑا اچھا تھا لیکن ہر تمنا پوری نہیں ہوتی ہے اس کا ہمیں لحاظ رکھنا چاہیئے کہ ایسا نہیں ہو سکے گا۔ بہت سے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ دینیات سے تو بچے واقف ہو جائیں لیکن اس کے بعد پھر ہندوستان کی جو عام تعلیم اور مشترک نصاب ہے، جس کے بغیر نوکری نہیں مل سکتی جس کے بغیر آدمی کاروبار بھی نہیں کر سکتا تو اس میں بھیجنا بہت ضروری ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بچے دین سے واقف ہو جائیں، اردو سے واقف ہو جائیں اس کے بعد پھر اس لائن پر چلیں، وہ کچھ غلط نہیں سمجھتے۔ زمانہ نے ان کو مجبور کیا ہے۔ یہ کوئی گناہ کی بات نہیں، ان کے لئے ایسے اسکولوں کو قائم کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے کہ جہاں بقدر ضرورت دینیات سے واقفیت ہو جائے، نماز اور روزے کے پابند ہو جائیں، اردو پڑھ لکھ سکیں اور اسلام کی خوبی کا نقش ان پر قائم ہو جائے وہ اپنے مسلمان ہونے پر فخر کریں اور اس کی کوشش کریں کہ مسلمان رہیں اور پھر دوسرے یہ بھی ایک نظام ہی ہے کہ ان میں وہ نہ صرف یہ کہ ان کے برابر تیار ہوں جو غیرمسلم اسکولوں میں پڑھتے ہیں بلکہ آپ کا تعلیمی نتیجہ ان سے بہتر ہونا چاہیئے۔ آپ کے بچے جب وہاں جائیں چھٹے میں یا اوپر ہائی اسکول وغیرہ میں داخل ہوں تو وہ ان کے مقابلہ میں بہتر ہوں۔ اگر آپ اس میں کامیاب ہوئے تو بڑی خدمت انجام دیں گے اور کبھی یہ نہ سمجھئے گا کہ آپ کوئی غلط کام کر رہے ہیں کوئی صاحب آپ کو اگر اس میں وسوسہ پیدا کر دیں کہ میاں! کہاں کس جھنجھٹ میں پڑے ہو سیدھے

سیدھے ایک سرائے بناؤ جہاں مسافر ٹھہریں یا کسی لنگر کا انتظام کر دو یا مسجد میں ایک اور منارہ بنا دو۔ دو منارے ہیں اس میں ایک اور منارہ بن جائے تو آپ کبھی ایسے آدمیوں کی بات میں نہ آیئے گا۔ ہم لوگ بھی دین کا تھوڑا بہت علم رکھتے ہیں خدا کے فضل سے دینی مدارس ہی کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور بس چلے تو آپ سب بھی اس کے لئے مدد کریں اور اپیل کریں لیکن آپ جو کام کر رہے ہیں اس کو ہم سراہتے ہیں، ہم اس کی قدر کرتے ہیں اور ہم خود اس کی ضرورت سمجھتے ہیں چاہے عربی کی کوئی یونیورسٹی قائم ہو جائے اور ہو رہی ہے مثلاً اندور میں، وہ آپ سے دور ہی کتنا ہے وہ اپنی جگہ پر۔ یہاں بھی کل مدرسہ کے سلسلے میں بات چیت ہوئی ٹھیک ہے وہ قائم ہو اور اللہ اس کو ترقی دے مگر ایسے اسکولوں کی ضرورت باقی رہے گی۔

مسجد کے زیرسایہ اسکول: آپ نے اسکول کو مسجد کے ساتھ رکھا ہے بہت اچھا کیا ہے یہاں بچے نماز کے منظر کو دیکھیں گے تو چاہے وہ کتنی ہی ترقی کر جائیں وہ ڈاکٹر ذاکر حسین بن جائیں یا جسٹس ہدایت اللہ بن جائیں یا فخرالدین بن جائیں ان کو یاد رہے کہ نماز میں کیا کشش ہے اور ان کو جو سیکھا ہوا سبق ہے بچپن کا وہ یاد آئے کہ ہم نے وہاں ایسی باتیں سُنی تھیں وہاں ہم نے ایسے اللہ کے نیک بندوں کے واقعات سُنے تھے، اولیاء اللہ کے، صحابہ کرامؓ کی سیرت کی باتیں ان کے کان میں پڑیں اور آپ وقتاً فوقتاً اس کا انتظام بھی کرتے رہیں یہ نہ سمجھیں کہ یہ بچے ناسمجھ ہیں ان کو کیا یاد رہے گا، نہیں! ان کو خوب یاد رہتا ہے، **بچوں کو بچپن کی باتیں خوب یاد رہتی ہیں** اور بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ چاہے ان کے اوپر جتنا بھی پانی پھیرا جائے مٹتی نہیں ہیں بہت سے لوگوں نے بتایا کہ بچپن میں ایک بات سُنی تھی وہ اب تک یاد ہے اور وہی ہم کو روکتی رہتی ہے بہت سی برائیوں سے، اس لئے یہ کام بہت قابل قدر ہے . . . . . میں دینی تعلیمی کونسل یوپی کا صدر بھی ہوں اور اس کے ایک بہت ایکٹیو، سرگرم ممبر اور ایک عہدہ دار ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی بھی یہاں موجود ہیں، ہم اس کام کی تبلیغ کرتے ہیں اس کے لئے دورہ کرتے ہیں، کانفرنسیں بلاتے ہیں کہ کیسے اسکول قائم ہوں؟

اساتذہ کی ذمہ داری: ایک بات میں استادوں سے کہنا چاہتا ہوں اور استانیوں سے بھی اگر میری بات ان کے کان تک پہنچ سکے کہ آپ سب سے زیادہ اثر اپنے ایمان سے ڈال سکتے ہیں جب بچے آپ کا ایمان دیکھیں گے، آپ کی ایمانی کیفیت دیکھیں گے، نمازوں کی پابندی دیکھیں گے آپ کا خوف خدا، آپ کی شرافت، آپ کا اخلاق اور آپ کی محبت جو ان بچوں کے ساتھ ہوگی اور اللہ ورسول کا نام جب آپ اس طرح لیں گے کہ جیسے منھ میں پانی بھر آیا، جیسے کوئی میٹھی چیز منھ میں ہے، یہ شیرینی ان کو کبھی نہ بھولے گی، ہزار منطق کی دلیلیں ایک طرف اور اللہ کا نام جو آپ ادب سے لیں گے اور اللہ کے رسول کا نام جو آپ محبت سے لیں گے یہ بچہ کبھی نہ بھولے گا، ممکن ہے پڑھی ہوئی کتاب بھول جائے مگر وہ جو آپ کی زبان سے اللہ اور اس کے رسول کا نام سُنے گا وہ اس کے دل پر ہمیشہ اثر کرتا رہے گا اور بڑے بڑے فتنوں سے بچالیگا، یہ امریکہ جائیں گے، یورپ جائیں گے وہاں کی یونیورسٹیوں میں پڑھیں گے مگر اللہ اور اس کے رسول کی جو محبت آپ نے انکے دل میں بٹھادی ہے انشاء اللہ وہ وہاں بھی ان کو بہت سی خرابیوں سے بچالے گی اس لئے آپ کا نمونہ اور خود آپ کے اندر جو خدا اور اس کے رسول کی محبت اور ادب ہے وہ ان پر سب سے زیادہ اثرانداز ہوگی۔ بہت سے لوگوں نے ہمیں بتایا کہ ہمیں اپنے استاد کی فلاں بات نے متاثر کیا، ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں جن کی دعا آپ نے ابھی بچوں سے پڑھوائی، سید میر حسن ان کو ایک استاد مل گئے ان کے اوپر ساری عمر ان کا اثر رہا پھر ان کو آرنلڈ بھی ملے اور پھر کیمبرج کے بڑے بڑے پروفیسر بھی ملے اور میونخ کے بڑے بڑے محقق بھی ملے لیکن میر حسن **صاحب کا جو اثر ان کے اوپر تھا وہ اخیر تک رہا اور سید میر حسن صاحب سے بھی گویا ان کے دل میں اسلام کی عزت اور اسلامی علوم کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ ہر موقعہ پر ڈاکٹر اقبال کسی نہ کسی تقریب میں اپنے استاد کا ذکر ضرور کرتے تھے،** معلوم ہوتا تھا بہت گہرا اثر ہے یہ بات تجربہ کی میں آپ سے کہتا ہوں۔ سب پڑھایئے اچھی طرح پڑھایئے لیکن آپ کا جو بولنے کا انداز ہے، آپ کی محبت ہے، آپ کی مسکراہٹ ہے اور اللہ ورسول کا نام ادب سے لینا مثلاً فرض کیجئے، کسی موقعہ پر اللہ کا نام لیا جا رہا ہو اور وہاں کوئی بچہ ہو جس سے آپ کہیں بیٹا خدا کا نام لو خدا کا نام لو۔ ادب کرنا چاہیئے ادب کرنا چاہیئے۔ وہ قرآن شریف کا ادب سیکھیں، کتابوں کا ادب سیکھیں، میں یہ بھی کہوں گا کہ مذہبی لوگوں کا اور عالموں کا بھی ادب کرنا سیکھیں اس سے ان کو بڑا فائدہ ہوگا، علم دین کا ادب، پھر علم دین کا جو بھی نمائندہ ہے اس کا تھوڑا بہت ادب اور اس کی دل میں محبت اس سے بھی ان کو بڑا فائدہ پہونچے گا، علم دین کا مذاق نہیں اڑائیں گے۔

بس انہیں چند باتوں پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ ایک اچھا کام کر رہے ہیں اور ہم میں سے اپنی قسمت سے اس کے بعد جو کبھی آئے خدا کرے وہ دیکھے کہ یہ باغ اور پھل پھول گیا اور اس وقت جو یہ آپ سمجھ رہے ہیں کہ یہ بہت چھوٹے سے پیمانہ پر ہے بڑے پیمانہ پر ہو۔

مسجد تو بنادی شب بھر میں: تقریر کے بعد چائے سے تواضع ہوئی، پھر مہمانوں نے جامع مسجد کو دیکھا، جامع مسجد بلندی پر واقع، وسیع اور کشادہ ہے، اطراف میں دکانیں ہیں، دامن میں اسلامیہ اسکول۔ اس مسجد کو مرزا محسن بیگ بہادر نے تعمیر کیا تھا، جدید مسجد کی توسیع آراضی کی حفاظت اور اضافہ کا کام چند مستعد اور مخلص حضرات کی کمیٹی نے کیا، تعمیرات کے کام کے انچارج چودھری نور محمد صاحب کی محنت وسرگرمی نے شہر کے تمام مسلمانوں کو متحرک کر دیا، جنگ جہت تیار ہونا تھی، اس دن اجین کے ہر محلہ، ہر بازار میں گھوم پھر کر قومی احساس اور جوش عمل پیدا کرنے کا کارنامہ حاجی فخرالدین نے انجام دیا، موصوف اور ان کے رفقاء کی دعوت و کوشش سے اجین کے مسلم محلوں سے مسلمانوں کی کثیر تعداد جامع مسجد میں رضاکارانہ کام کے لئے پہونچ گئی، پوری رات کام چلتا رہا، راہگیروں کے لئے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا، کہ شہر کے مسلم عوام وخواص معمولی مزدوروں کی طرح اینٹ، گارا، چونا ڈھو رہے ہیں، ایک ہی رات میں تمام کام پورا ہو گیا۔

جامعہ اسلامیہ جامع مسجد اجین کی کتاب المعائنہ پر حضرت مولانا مدظلہ کی طرف سے موصوف کے ایماء سے راقم حروف نے یہ سطریں لکھیں۔

"دینی اور دنیوی تعلیم کی جامعیت کا تصور بڑی اہمیت رکھتا ہے، خالص دینی مدارس کے علاوہ ایسے اسکولز کی بھی ضرورت ہے جو دینی و دنیوی تعلیم کا نظم وانتظام کرتے ہوں، جامعہ اسلامیہ اسکول اجین میں حاضری، اس کے معائنے اور جامع نظام تعلیم و تربیت کو دیکھ کر مسرت ہوئی، یہ قابل قدر خدمت ہے اور ہر قسم کے تعاون کی مستحق، میری دعا ہے کہ یہ درسگاہ اپنے نیک مقاصد میں کامیاب ہو اور یہاں کے بچے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے جہاں بھی جائیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی محبت کو فراموش نہ کریں۔"

مسجد و اسکول کے اسی پروگرام کے بعد ہم باہر نکلے تو اندور کے لئے دو کاریں تیار تھیں، حضرت مولانا مدظلہ اور ان کے رفقاء کے لئے اہل اندور نے ایک شاندار مرسیڈیز کار کا انتظام کیا تھا، یہ کار ایک غیرمسلم صنعت کار سنگھوی اینڈ کمپنی کی تھی، اس کار میں حضرت مولانا مدظلہ کے علاوہ مولانا معین اللہ صاحب ندوی، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، عبدالکریم صاحب پاریکھ اور راقم سطور تھے، دوسری کار قاضی عبدالحمید صاحب کی تھی جس میں بقیہ رفقاء اور اندور کے حضرات تھے۔

اجین سے اندور تک: اجین سے اندور روانگی کے لئے جامع مسجد کے جس علاقہ میں ہماری کاریں کھڑی تھیں وہ شہر کی گنجان آبادی اور بھرے پُرے بازاروں والا علاقہ تھا، دن بھی یہاں ٹریفک کی کثرت، اس پر الوداع کہنے والوں کا ہجوم، مصافحہ، معانقہ اخلاص و محبت کی موجوں سے نکلنے میں خاصا وقت لگ گیا، اب کینٹونمنٹ کا علاقہ شروع ہو چکا تھا، پختہ سڑک پر اطراف کے سرسبز و شاداب علاقے سے ہماری کاریں تیز رفتاری سے رواں تھیں، زمین کی طنابیں کھنچتی گئیں، اجین سے اندور تک کا راستہ کم و بیش ۴۰ منٹ میں طے ہوا،

انگریزی دور حکومت میں وسط ہند (مدھیہ پردیش) مستقل صوبہ نہیں تھا، بلکہ ڈیڑھ سو دیسی ریاستوں کا مجموعی علاقہ تھا، جس میں انگریزوں کے مفادات کی نگرانی کے لئے ایک انگریز ایجنٹ مقرر کیا جاتا تھا، بھوپال، اندور، گوالیار، ریوا اس علاقے کی بڑی بڑی ریاستیں تھیں، اندور دریائے سرسوتی، نربدا کے کنارے واقع ہے، ہلکر خاندان اس ریاست کا حکمراں رہ چکا ہے، ایک مرہٹہ گوجر (دھنگر) ملہار راؤ کی طرف یہ خاندان منسوب ہے، یہ مرہٹہ سردار جو پیشوا کی فوج میں ملازم تھا ۱۶۹۴ء میں ضلع پونہ (مہاراشٹر) کے مقام ہل

میں پیدا ہوا، اس وجہ سے "ہلکر" کہلایا۔ شہر اندور کی تعمیر و آبادی میں ہلکر خاندان کی ایک مشہور حکمران رانی اہلیا بائی (۱۷۶۵ء تا ۱۷۹۵ء) کا نام اندور کی تاریخ میں آتا ہے۔

اندور سطح سمندر سے تیرہ سو اڑتیس فٹ بلندی پر واقع ہے، خوبصورت باغوں، عالیشان اسپتالوں اور مشہور تعلیمی اداروں کا شہر، حکومت ہند نے بعض سیاسی مصالح کی بنا پر بھوپال کو مدھیہ پردیش کی راجدھانی بنایا ورنہ اندور جیسا مرکزی شہر، تجارتی، تعلیمی، ثقافتی مرکز اس ریاست کا موزوں دار السلطنت تھا۔ شہر میں داخل ہوتے مسنون دعا زبان پر جاری ہوگئی۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهَا۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاهَا وَحَبِّبْنَا إِلَىٰ أَهْلِهَا وَحَبِّبْ صَالِحِي أَهْلِهَا إِلَيْنَا۔

(اے اللہ برکت دیجئے اس شہر میں۔ اے اللہ نصیب کیجئے ہمیں ثمرات اس کے اور محبوب بنا دیجئے ہمیں اہل شہر کے دل میں اور محبت دیجئے ہمیں شہر کے نیک لوگوں کی)۔

لمبی چوڑی، امپورٹیڈ مرسیڈیز کار اور اس کی سواریوں کے اجنبی چہرے، شہر میں داخلے کے بعد راہگیروں کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ کشادہ مگر مصروف سڑکوں سے گذرتے ہوئے ہم اپنی قیام گاہ ہارون منزل پہونچے،

یہ مکان ایک مخیر بیس تاجر حاجی ہارون صاحب کا ہے، حاجی صاحب اور ان کے خاندان کا حضرت مولانا مدظلہ سے بیعت و ارادت کا تعلق ہے، اندور کے دینی، تعلیمی، اصلاحی کاموں میں حاجی ہارون سرگرم حصہ لیتے ہیں، مدرسہ ریاض العلوم کے (جس کی دعوت پر اندور حاضری ہوئی) اہم انتظامی ارکان میں ان کا شمار ہے، مہمانوں کی پذیرائی اور راحت رسانی میں حاجی ہارون سیٹھ اور ان کے صاحبزادوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، ہر خدمت میں پیش پیش، ہر ضرورت کی فراہمی میں مستعد

ہارون منزل کی سب سے آخری منزل، ہر طرح کے انتظامات سے آراستہ، مہمانوں کی قیام گاہ بنی، اس منزل کے کھلے ٹیرس پر سے پورا شہر دن میں سرگرم، رات میں روشن نظر آتا، اس منزل پر کئی کمرے تھے، ایک کمرہ حضرت مدظلہ کے لئے مخصوص تھا، ایک کمرے میں احباب ثلثہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، عبد الکریم صاحب پاریکھ اور راقم سطور کا بستر لگ گیا، ظہر کی نماز ادا کرکے، کھانا کھاکر کچھ دیر آرام کیا تھا کہ نماز عصر کا وقت ہوگیا، نماز پڑھ کر کھجرانہ روانہ ہوئے جہاں ایک وسیع قطعۂ آراضی پر جامعہ ریاض العلوم قائم ہے،

جامعہ ریاض العلوم اور اسکے اطراف کالونیوں کا عظیم الشان منصوبہ:

مدھیہ پردیش میں بھوپال کے علاوہ کسی مقام پر ایسے دینی مدارس نہیں جن کی شہرت ملکگیر ہو، جہاں دینی علوم اور عربی زبان کے فارغ التحصیل عالم نکلتے ہوں، علم دین کے حصول کا باقاعدہ نظم نہ ہونے کی وجہ دین و شریعت اور صحیح عقائد سے عدم واقفیت اس علاقہ کا مرض ہے، عوام کی سادہ لوحی اور علم دین سے ناآشنائی سے وہ طبقہ غلط فائدہ اٹھاتا ہے جس نے دین کو رسوم و بدعات کا مجموعہ بنا دیا ہے۔ اس طبقہ کی سیادت و پیشوائی کا مدار عوام کی جہالت پر ہے، اپنے علاقہ کی اس کمی اور خامی کا احساس مولانا ابو البرکات صاحب اور ان کے رفقاء نے بشدت محسوس کیا، جہاں کے ایک مسلم محلہ رانی پورہ کی کچی مسجد میں (جو دراصل بہت پختہ اور خوبصورت ہے) امامت و خطابت کی خدمت کے ساتھ انہوں نے وہیں ایک دینی مکتب قائم کیا۔ . . . . کچھ عرصہ بعد ان کی جد و جہد اور مخلصین کے تعاون سے مدرسہ ریاض العلوم کی بنیاد پڑی۔ رانی پورہ کے ایک پختہ مکان کے چند کمروں میں یہ مدرسہ شروع کیا گیا، اب اللہ تعالیٰ نے اس کی ترقی کے لئے ایسے اسباب مہیا فرمائے کہ جو حیرت انگیز بھی ہیں اور لائق تقلید بھی۔

مدرسہ ریاض العلوم کی مجلس انتظامیہ کے اراکین نے (جن میں بیشتر مخیر تاجر ہیں) شہر سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر ایک موضع کھجرانہ کے قریب ایک وسیع زمین خرید لی، اس قطعۂ اراضی میں سات کالونیوں کا منصوبہ بنایا گیا، ان کالونیوں کے درمیان ایک کشادہ رقبہ مدرسہ ریاض العلوم کے لئے وقف کر دیا گیا، اس زمین میں اس وقت تک اقامتی درسگاہ کی ایک خوبصورت دو منزلہ عمارت اور ایک عالیشان مسجد تعمیر ہو چکی ہے، عصر بعد حضرت مولانا کے ہمراہ جب ہم لوگ اس مقام پر پہونچے تو نو تعمیر مسجد میں کھجرانہ گاؤں، اندور شہر اور اطراف کے لوگوں کی کثیر تعداد جمع تھی، جن سے مولانا ابو البرکات صاحب خطاب فرما رہے تھے، ہمارے پہونچنے کے بعد حضرت مولانا کی ایما سے حاجی عبد الکریم صاحب پاریکھ نے تقریر شروع کی، پاریکھ صاحب کی تقریر کے دوران منتظمین مدرسہ نے ایک جیپ میں حضرت مولانا اور ان کے رفقاء کو پوری زمین کا معائنہ کرایا، سات کالونیوں اور مدرسہ ریاض العلوم کی زمین کی وسعت کا اندازہ اس عینی مشاہدہ کے بعد ہوا، تا حد نظر یہ آراضی پھیلی ہوئی تھی، اس میں ایک ٹیکنیکل اسکول کے لئے بھی جگہ مخصوص کی گئی ہے، مدرسہ کی مستقل آمدنی کی تدبیریں اس منصوبہ میں رکھی گئی ہیں۔

حاجی محمد شفیع صاحب، حاجی علی صاحب، حاجی ہارون صاحب، حاجی حبیب صاحب، حاجی عبد الغفار صاحب اور حاجی ذکریا صاحب کی کاروباری سوجھ بوجھ، معاملہ فہمی اور دور اندیشی کا جیتا جاگتا نمونہ سامنے تھا، تمام مہمانوں کے لئے یہ ایک خوشگوار انکشاف تھا، دین اور علم دین کی ترویج و اشاعت سے ملت کا ہر طبقہ دلچسپی لے تو اس کے بڑے حوصلہ افزا نتائج نکل سکتے ہیں۔ اندور کے مسلمانوں نے اپنے اس منصوبہ کے ذریعہ ایک اچھی نظیر قائم کی ہے، اس منصوبہ میں ۶ حاجی صاحبان ہیں اور حاجی کمپنی کے نام

مغرب کی نماز یہیں ادا کی گئی، حضرت مدظلہ نے مختصر خطاب فرمایا اور مجوزہ منصوبہ کی تکمیل، مدرسہ کی ترقی، دین و علم کی ترویج اشاعت و ملت کی حفاظت و بقا کے لئے دعا فرمائی،

کھجرانہ بستی میں استقبالیہ:

شام کا کھانا کھجرانہ روڈ پر چندر لوک کالونی میں قاضی عبد الحمید صاحب کے ہاں تھا، قاضی صاحب بڑے شفیق، باخبر، مطالعہ کے شائق اور زندہ دل انسان ہیں، ان سے راقم کی اولین ملاقات ۱۹۷۳ء میں اسلامک اسٹڈیز کانفرنس منعقدہ بھوپال میں ہوئی تھی، ۱۹۷۵ء میں ندوۃ العلماء کے ۸۵ سالہ جشن میں شرکت کے لئے وہ لکھنؤ تشریف لائے تھے، یہ دوسری ملاقات تھی، ان سرسری ملاقاتوں میں قاضی صاحب کی صفات و خصوصیات کے مطالعہ کا موقع نہیں تھا، لیکن اس سفر میں مسلسل رفاقت سے ان کی شخصیت کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی، قاضی صاحب، جان، مال اور اپنی کار کے ساتھ پورے سفر میں حضرت مولانا کی خدمت اور ہم نو واردوں کی تقویت کا سامان بنے رہے،

حضرت مولانا مدظلہ، سفر اور مشغول پروگرام کی وجہ سے بہت تھک چکے تھے، اس موقع پر کسی تقریب میں شرکت کی درخواست کرتے ہوئے سب لوگوں کو تکلف تھا، آخر کار حاجی حبیب صاحب نے ہمت کی اور کہا کہ کھجرانہ کے لوگ گاؤں کی مسجد میں حضرت کے منتظر، اور استقبال کے لئے بے چین ہیں، حضرت مدظلہ نے خستہ حالی کے باوجود اس درخواست کو قبول فرمایا، پورا قافلہ مسجد پہونچا، اوّلاً پاریکھ صاحب نے موقع کی مناسبت سے گاؤں والوں سے خطاب کیا، نماز عشا یہیں ادا ہوئی، اس کے بعد حضرت مدظلہ نے چند کلمات فرماکر دعا کی۔ گاؤں والوں کی سادگی اور ہار پھول سے روایتی استقبال نے متاثر کیا۔ صحیح تعلیم و تربیت کی کمی اور صحیح العقیدہ بزرگوں سے ربط و تعلق کی کمی بہت محسوس ہوئی، ورنہ یہ سادہ دل عوام ملت کا کتنا قیمتی سرمایہ بن جاتے۔

گاؤں سے واپسی کے بعد ہم کھانے سے جلد فارغ ہوئے کیونکہ ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے ٹیگور ہال پہونچنا تھا، جہاں ایک مخلوط اجتماع سے خطاب تھا،

ٹیگور ہال کا مثالی جلسہ:

ہماری اندور آمد سے ایک روز قبل مولانا ابو البرکات صاحب اور انکے رفقاء نے ایک پریس کانفرنس طلب کر کے حضرت مولانا کی شخصیت و خدمات اور اس دورے کے مقاصد و پروگرام سے پریس کو مطلع کر دیا تھا، ۴ اور ۵ دسمبر ۱۹۷۷ء

प्रसिद्ध विद्वान श्री हसन अली नदवी आज नगर में

इन्दौर ४ दिस. । अंजमन फलाहुल मुस्लिम के सचिव श्री अब्दुल बरकत फारूकी ने बताया है कि अन्तर्राष्ट्रीय ख्याति प्राप्त द्रष्टा, चिंतक, विचारक, साहित्यकार एवं समाज सेवी हजरत मौलाना सैयद अबुल हसन अली नदवी कल इन्दौर आ रहे हैं। आपने बताया कि कल ५ दिस. की रात्रि को साढे आठ बजे स्थानीय रवीन्द्र नाट्य गृह में इन्दौर के बुद्धिजीवी वर्ग के समक्ष श्री सैयद अबुल हसन अली नदवी 'मानवता का संदेश' विषय पर भाषण देंगे। इस अवसर पर आप श्रोताओं के प्रश्नों का उत्तर भी देंगे।

श्री फारूकी ने बताया कि मौलाना साहेब अरबी तथा उर्दू के सुप्रसिद्ध लेखक, विद्वान व वक्ता हैं। वे हार-वर्ड, शिकागो, लन्दन व बर्लिन विश्वविद्यालयों द्वारा एवं अंकित कर चुके हैं। वे मदीना एवं दमिश्क वि. वि. में विजीटिंग प्रोफेसर भी रह चुके हैं। उन्होंने अभी तक लग-भग १०० किताबें लिखी हैं। जिनका अनुवाद अंग्रेजी, फारसी, तुर्की, फारसी उर्दू तथा अन्य दूसरी भाषाओं में हो चुका है। मौलाना साहेब इस समय लखनऊ के दारुलउलूम नदवा के संचालक हैं।

کے مقامی اخبارات میں اس سلسلے کی خبریں برابر شائع ہوتی رہیں، ٹیگور ہال جلسے کی خبر اخبارات میں بھی آگئی تھی اور ایک ہزار دعوت نامے شہر کے مسلم و غیر مسلم تعلیم یافتہ، سربرآوردہ حضرات، سیاسی، سماجی، دینی، تعلیمی میدان سے وابستہ لوگوں کو دئے جا چکے تھے، منتظمین جلسہ کو امید تھی کہ سامعین کی معتد بہ تعداد جمع ہوگی، ہمیں اس میں شبہ تھا، دعوت نامانوس داعی اجنبی اور پھر دینی شخصیت کا حجاب۔ نہ معلوم کیسا Response ملے۔ ساڑھے آٹھ بجنے میں ابھی دس منٹ باقی تھے کہ ہم جلسہ گاہ پہونچ گئے، ٹیگور ہال اندور شہر کا غالباً سب سے بڑا، سب سے خوبصورت اور جدید طرز کا بنا ہوا ہال ہے، اسکے بام و در شاید پہلی بار دینی شخصیتوں کے پیام امن و اخلاق سے آشنا ہونے والے تھے،

आज मौलाना अली नदवी का मानवता पर भाषण

इन्दौर ४ दिस. । अंजुमन फलाहुल मुसलिम इन्दौर ने पांच दिसम्बर को रात साढे आठ बजे हजरत मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली नदवी का भाषण आयोजित किया है। भाषण का विषय है:- मानवता का संदेश।

यह जानकारी एक पत्रकार परिषद में देते हुए संस्था के श्री अबुल बरकात फारूकी ने बताया कि कार्यक्रम रवीन्द्र नाट्यगृह मे होगा। उनके भाषण के बाद प्रश्नोत्तर होंगे। आपने बताया कि मौलाना साहब अन्तर्राष्ट्रीय ख्याति के द्रष्टा, चितक, विचारक, साहित्यकार एवं समाज-सेवी है।

वर्षों के प्रयासों के बाद उन्हें इन्दौर लाया जा सका है। मौलाना साहब के इस आयोजन का उद्देश्य धर्म के नाम पर संकीर्ण एवं संकुचित विचारधारा के लोगों को यह बताना है कि धर्म, आलमी बिरादरी व मोहब्बत से रिश्ते मजबूत होते है ।

- - - - -

جلسہ شروع ہونے میں دس منٹ باقی تھے اور ہال صرف ⅓ پُر ہوا تھا، پورے سفر میں وقت کی پابندی جلسوں کے سلسلے میں ہمارا معمول بن چکی تھی، پاریکھ صاحب اس سلسلے میں خاص طور پر بہت اہتمام کرتے، ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے ہم ڈائس پر پہونچے، جلسہ شروع ہوا، قاضی عبد الحمید صاحب نے انگریزی میں حاضرین سے تمام مہمانوں کا تعارف کرایا، پھر منتظم جلسہ ڈاکٹر اقبال صاحب (لیکچرار اندور یونیورسٹی) نے حضرت مولانا سے تقریر کی درخواست کی۔ اس وقت تک ہال پُر ہو چکا تھا، حاضرین میں تعلیم یافتہ غیر مسلم بھائیوں کی کثیر تعداد تھی، جن میں وکلاء، ڈاکٹرز، انجینیر، سیاسی لیڈر، سماجی کارکن، غرض ہر طبقہ، ہر مکتب خیال کے لوگ شریک تھے، مولانا کی تقریر شروع ہوئی، لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، اب تمام کرسیاں پُر ہو چکی تھیں اور آنے والے زینوں پر بیٹھ رہے تھے، اس موقع پر مسلمانوں نے بڑے ایثار سے کام لیا، اگر انہیں کوئی غیر مسلم بھائی کھڑا نظر آتا تو وہ اپنی کرسی چھوڑ دیتے اور اسے بٹھاتے، یہ سب کچھ بڑی خاموشی اور نظم و ضبط کے ساتھ ہوتا رہا، شفقت اور شائستہ لوگوں کی اتنی بڑی تعداد کے شوق و دلچسپی کو دیکھ کر حضرت مولانا بھی متاثر ہوئے اور اپنی تقریر کے آغاز ہی میں موصوف نے اپنے اس دلی تاثر کا اظہار فرمایا،

میں اپنی خوشی آپ سے چھپا نہیں سکتا:

معزز حاضرین! دوستو اور بھائیو!

میں اس وقت اپنے سامنے ایسا تعلیم یافتہ اور چیدہ مجمع دیکھ کر بڑی مسرت اور خوشی محسوس کر رہا ہوں اور میرے اندر ایک نیا حوصلہ، ایک نئی طاقت اور امنگ پیدا ہو رہی ہے۔ کسی شخص کو جو کچھ سوچنے سمجھنے کی عادت رکھتا ہے اور پھر اس کی طبیعت میں اس کے ذہن میں کچھ خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ بعض چیزوں سے وہ خوش ہوتا ہے۔ بعض چیزوں سے وہ بے چینی اور خطرہ محسوس کرتا ہے۔ اس کو اپنے ملک سے گھرے سچی محبت ہوتی ہے، وہ ہر انسان کو محبت کی پیار اور پریم کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ایسے سننے والوں کو اپنے سامنے پاکر اور ان کو اس توجہ کے ساتھ اپنی طرف متوجہ پاکر، اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا ٹانک ہے، ایک ایسا انجکشن ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

انسان جب دنیا میں تنہائی محسوس کرتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے دل کی بات خلوص کے ساتھ کسی سے کہہ نہیں سکتا، لوگوں کو اس کی بات سننے کی فرصت نہیں ہے یا اس پر کوئی بھروسہ، وشواس اور اعتماد . . . . . نہیں ہے تو اس کا دل چکنا چور ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ انسان کے اندر جو کچھ طاقت ہے اور دنیا میں جو اس کا جی لگتا ہے، جنگل میں کپڑے پھاڑ کر نکل جانے کو اس کا جی نہیں چاہتا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ اطمینان محسوس کرتا ہے کہ اپنے دل کی بات اپنے بھائیوں سے، دوستوں سے کہہ سکتا ہے اور سب بھائی اور سب دوست اس کو شک کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، یہی خیال اگر اس کو ہو جائے کہ ہر آدمی اس کو شک

کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے اور اس کا استقبال وہ بدگمانی اور شک کے ساتھ اور کچھ تردد کے ساتھ کر رہا ہے تو اس کے دل پر اس کے جوش پر، اس کے جذبات پر اوس پڑ جاتی ہے،

میں اپنی خوشی آپ سے چھپا نہیں سکتا کہ میں اپنے سامنے ایسے پڑھے لکھے چہرے دیکھ رہا ہوں، پڑھا لکھا آدمی پہچان لیا جاتا ہے۔ اگرچہ میرا تعارف آپ سے کرایا گیا جو غیر ضروری رسم ہے، آپ کا تعارف مجھ سے نہیں کرایا گیا۔ یہ تو یکطرفہ کارروائی One way traffic ہوئی، میرا تعارف آپ سے کرایا گیا آپ کا تعارف شاید اس لئے نہیں کرایا گیا کہ یہ ذرا مشکل کام ہے۔ ایک آدمی کا دو آدمیوں کا تین آدمیوں کا تعارف کرایا جا سکتا ہے اتنے بڑے مجمع کو کیسے متعارف کرایا جا سکتا ہے، پھر اس میں یہ ہوتا کہ کوئی اگر رہ جائے تو اس کو شکایت ہوتی، لیکن میں اپنی زندگی کی بڑی مدت پڑھانے والا استاد Teacher رہا ہوں، تو ٹیچر کو خاص طور پر اس بات کی مشق ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے مخاطبوں کو جن لوگوں کو وہ Address کر رہا ہے، جن لوگوں سے وہ بات کرنا چاہتا ہے، وہ ان کی پیشانی کی لکیروں کو پہچاننے لگتا ہے، وہ ان کے چہروں کے اُتار چڑھاؤ کو پہچانتا ہے، وہ ان کی آنکھوں کی چمک کو دیکھتا ہے، اس لئے اور کوئی Distinction نہ ہو، کوئی اور میری Qualification ہو نہ ہو، لیکن میں نے بچوں کو پڑھایا ہے، نوجوانوں کو پڑھایا ہے اس لئے میں کسی حد تک آدمی کو پہچانتا ہوں۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ سنجیدہ، باوقار، پُرسکون، اور سوچنے والے Intellectual class سے تعلق رکھنے والی ایک Gathering میرے سامنے ہے تو،

میرے دل میں ایک طوفان، ایک جوش اُٹھتا ہے کہ میں اپنا دل نکال کر آپ کے سامنے رکھ دوں،

اپنے گھر کی بپتا، اپنے ملک کی کہانی:

افسوس ہے کہ سائنس کی ساری ترقیوں کے باوجود ابھی تک سائنٹسٹ اس میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں کہ کوئی شخص اپنا دل نکال کر رکھ دے، دل نکال کر رکھ دینا تو آسان ہے مگر اس کا واپس جانا مشکل ہے۔ یعنی آپریشن کے ذریعہ دل نکال کر ٹیبل پر رکھا تو جا سکتا ہے مگر پھر وہ اپنی صحیح جگہ پر پہونچ جائے یہ بہت مشکل ہے، دل کے آپریشن کامیاب تو ہو رہے ہیں لیکن ایسا کہاں ہو سکتا ہے کہ ہر مقرر اپنا دل نکال کر سامنے رکھ دے اور پھر اس کے بعد وہ اس کو اپنی جگہ پر فٹ بھی کر دے۔

لیکن سب کو اس کی ضرورت نہیں مجھے یہ اطمینان ہے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپ حضرات جب سردیوں کی اس رات میں ایک ایسے پردیسی آدمی کی بات سننے کے لئے جس سے آپ پہلے سے واقف نہیں تھے آئے ہیں تو آپ بہت Serious ہیں، آپ بہت سوچ سمجھ کر آئے ہیں اس لئے مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے دل کا درد، اپنی بپتا، اپنے گھر کی بپتا، اپنے ملک کی بپتا اور اس صدی، اس عہد یہ Era جو چل رہا ہے، اس کی ٹریجڈی آپ کے سامنے بیان کروں اور اس کا زخم، اسکی المناک روداد اور اپنے دل کا زخم آپ کے سامنے رکھوں، اگر ایسا مجمع بھی اس کا حق نہیں رکھتا تو میں نہیں سمجھتا کہ وہ کون سا مجمع ہوگا جس کے سامنے دل کے درد کی کہانی سنائی جا سکے۔ ملک میں خطرے کی گھنٹی بج رہی ہے اور ہماری سوسائٹی، دنیا کی سوسائٹی خطرہ میں ہے، لیکن دنیا تو بہت بڑی ہے اور اس کی فکر کرنے والے بھی بہت ہیں۔ لیکن یہ دیس ہمارا دیس ہے اس کی فکر کرنے والے امریکہ اور یورپ سے نہیں آئیں گے، روس سے نہیں آئیں گے، ہم ہی آپ ہوں گے۔ اس لئے میں آپ کے سامنے اپنے دل کا درد رکھنا چاہتا ہوں اور آپ کو بھی اس درد میں شریک کرنا چاہتا ہوں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میرے دل میں زیادہ درد ہے اور آپ کے دل میں درد نہیں ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ میں اپنا درد دل آپ سے کہوں اور آپ اپنا درد دل مجھ سے کہیں۔ یہ بڑی اچھی علامت ہے بہت اچھی Sign ہماری اس سوسائٹی کی کہ اگر کسی کو کوئی دعوت دی جاتی ہے Invite کیا جاتا ہے اس میں کوئی سیاسی Political غرض نہیں ہوتی، کسی پارٹی کی طرف سے جلسہ نہیں ہوتا جب کہ اتنے سنجیدہ مشغول لوگ جو کام میں مصروف ہیں، جنہوں نے دن میں محنت کی ہے اور

مطالعہ کیا ہے، پڑھا ہے لکھا ہے جو اسکالرس ہیں اور شہر کے معززین ہیں وہ جمع ہو جائیں جب تک ہمارے ملک میں اتنی بات ہے اس وقت تک اس ملک کی ناؤ ڈوبے گی نہیں، اگر کسی کی آواز پر خواہ اس آواز دینے والے کو نہ پہچانا جاتا ہو، پہچانتے ہوں جب تو کوئی بڑی تعریف کی بات نہیں ہے۔ اندور کے کوئی بڑے پروفیسر، بڑے مفکر، بڑے فلاسفر، بڑے اسکالر کے نام پر اگر آپ یہاں جمع ہوتے تو یہ کوئی زیادہ تعجب کی بات نہیں ہوتی، لیکن مجھ جیسے پردیسی اور ہمارے جیسے پردیسی بھائیوں کو سننے کے لئے آپ لوگ اپنے ضروری کام چھوڑ کر آ گئے ہیں، یہ بڑی اچھی علامت ہے اس وقت تک ہمیں اپنے ملک سے اپنی سوسائٹی سے اچھی امید رکھنی چاہئے جب تک کہ ایک اجنبی آواز پر اتنے بھائی جمع ہو جائیں۔

ذرائع اور وسائل: میرے بھائیو اور دوستو! آپ سب پڑھے لکھے لوگ ہیں، آپ سب جانتے ہیں کہ دنیا میں دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک کو ذرائع، وسائل کہہ سکتے ہیں، دوسرے مقاصد ہوتے ہیں یعنی کرنا کیا ہے ان ذرائع کو کس طرح استعمال کرنا ہے ان کو ہم Ends کہہ سکتے ہیں، Purposes کہہ سکتے ہیں تو انہی دو چیزوں پر ہمارا تمدن چل رہا ہے، اور انہی دونوں چیزوں کے Co-ordination اور Co-operation سے ان دونوں کے Balance سے اس وقت تک تمدن قائم رہا ہے اور آئندہ بھی اس کے قائم رہنے کی Civilization کے قائم رہنے کی، اخلاق کے قائم رہنے کی، سوسائٹی کے قائم رہنے کی امید کی جا سکتی ہے۔ دنیا میں جب کوئی Crisis پیدا ہوا ہے کوئی انتشار پیدا ہوا ہے تو ہمیشہ ان دونوں کے عدم توازن سے۔ یعنی ذرائع اور مقاصد دونوں الگ الگ ہو جائیں، دونوں میں بیر ہو جائے، دونوں میں تضاد ہو جائے، Frustration ہو۔ دونوں ایک دوسرے سے روٹھ جائیں۔ ذرائع مقاصد کو تلاش نہ کریں۔ مقاصد ذرائع کو ٹھکرا دیں، بے پرواہ ہو جائیں، اس سے ہمیشہ انتشار اور بے چینی پیدا ہوتی ہے۔

ذرائع کی ترقی کا دور: ہم سب جانتے ہیں کہ یہ دور ذرائع کی ترقی کا دور ہے، یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے، جو سائنس کے براہ راست اسٹوڈنٹ نہیں ہیں وہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارا یہ دور ذرائع کی پیداوار Production کا ذرائع کی ترقی کا، انسان کی دسترس میں انسان کے قبضہ میں اس کے Disposal میں آجانے کا دور ہے۔ اس دور کے بہت سے نام رکھے جاتے ہیں، کوئی کہتا ہے یہ فولاد کا دور ہے، کوئی کہتا ہے Atomic energy کا دور ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو چیز سب کو Cover کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ دور ہے ذرائع کی ترقی کا، اس میں ایٹمک انرجی بھی آجاتی ہے، اس میں لوہا اور فولاد بھی آجاتا ہے اس میں سائنس اور ٹیکنالوجی بھی آجاتی ہے، تو زیادہ سے زیادہ جو چیز Cover کر سکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ دور ہے ذرائع کی ترقی کا، انسٹرومینٹ کی ترقی کا، ٹیکنالوجی کی ترقی کا، اور Means کی ترقی کا دور ہے، اور یہی دیکھئے کہ کل تک ہم کسی جلسے کو Address کرتے تھے تو بہت زور سے ہم کو بولنا پڑتا تھا، آواز کسی کو پہنچتی تھی کسی کو نہیں پہنچتی تھی، اب یہ خدا کی کتنی بڑی دین ہے اور سائنس کا کتنا بڑا Contribution ہے، حالانکہ بہت ہی معمولی بہت ہی حقیر اور بہت ہی چھوٹا سا Contribution لاؤڈ اسپیکر کی صورت میں ہمارے آپ کے سامنے ہے، مگر یہ بھی بڑی نعمت ہے۔ میں آسانی کے ساتھ آپ سے بات کر رہا ہوں اور اگر اس سے دس گنا مجمع ہوتا تو میری آواز آسانی کے ساتھ وہاں تک پہونچتی۔ ایک روشنی کو دیکھ لیجئے کہ موم بتیاں جلائی جاتی تھیں، پھر بہت ترقی کی تو لالٹینوں کا زمانہ آیا، پھر اور ترقی ہوئی تو گیسوں کا زمانہ آیا مگر اب ایک سوئچ دبایا تو یہ سب کا سب ہال جگمگا اٹھا۔ یہ سب ذرائع ہیں پھر اس سے اوپر کچھ ذرائع ہیں۔

ذرائع خدا کی نعمت ہیں: یہ سب ذرائع خدا کی نعمت ہیں، کوئی مذہبی انسان یا جو شخص Extremist ہو، جو بالکل پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہو وہ بھی ان ذرائع کو ٹھکرا نہیں سکتا، ان کی تحقیر نہیں کر سکتا، ان کو Deny نہیں کر سکتا، ذرائع اللہ کی نعمت ہیں ہمارے مذہبی آدمی جو مذہبی طریقے پر سوچتے ہیں Religious Thinking ہے Mentality ہے Religious ہے وہ بھی اس کو مانتے ہیں اور ہماری مذہبی کتابیں، آسمانی صحیفے، ان میں سے قرآن شریف کا میں نے کچھ زیادہ مطالعہ کیا ہے، اس میں خدا نے جگہ جگہ اپنے بندوں پر احسان رکھا ہے، جو کچھ دنیا میں ہے وہ سب میں نے تمہارے لئے ہی پیدا کیا ہے، ھوالذی خلق لکم

विकृतियों का कारण साधन व साध्य में तालमेल की कमी

हजरत मौलाना नदवी का भाषण

इंदौर ६ दिसम्बर। लखनऊ इस्लामिक महाविद्यालय नदवा के हजरत मौलाना सैय्यद अबुल हसन नदवी ने आज यहां कहाकि हमारे पास साधनों की प्रचुरता है, लेकिन फिर भी सामाजिक, आर्थिक एवं राजनैतिक विकृतियां विद्यमान है। इसका मूल कारण साधन और साध्य के मध्य तालमेल का अभाव है।

रवीन्द्र नाट्यगृह में आयोजित एक सभा को संबोधित करतें हुए आपने कहाकि विज्ञान ने हमें आश्चर्यजनक साधनों से लैस कर दिया है। लेकिन इन वैज्ञानिक साधनों का उपयोग हम मानव कल्याण के बजाए अपने स्वार्थ और संकुचित उद्देश्यों की पूर्ति के लिए कर रहे हैं। साधन प्रचुर है, लेकिन उनका उपयोग दूषित है। साधनों का उपयोग मानव के विवेक पर निर्भर है। विवेक जागृत करने का एक मात्र साधन धर्म और ईश्वर में आस्था और उसका भय है। यदि ये तत्व हम मानस पटल पर अंकित नहीं कर देते तो समूचे विनाश से न तो देश बच सकता है, ना ही विश्व। इसलिए जरूरी है कि हम विवेक पुनर्जीवित करने में जुट जाएं, ताकि शांतिमय, सुरक्षित सामाजिक व्यवस्था पुनर्स्थापित हो सके।

आपने शिक्षा पद्धति में नैतिक शिक्षण, मानव प्रेम, कर्तव्य पालन एवं अनुशासन को प्राथमिकता देने पर बल दिया। इसके बाद नागपुर के जनाब अब्दुल करीम पारिख ने भी विचार व्यक्त किए।

अंत में जनाब इसहाक जलीस साहब ने मौलाना अबुल हसन नदवी के मानव एकता अभियान के उद्देश्य और उनके पालन कर्ताओं द्वारा अपनाए जाने वाले शपथपत्र को पढ़कर सुनाया। (चित्र में मौलाना सैयद अबुल हसन नदवी संबोधित करते हुए।)

मौलाना नदवी साहब का व्याख्यान इस्लामिया करीमिया कालेज में भी हुआ। यूनियन के अध्यक्ष जसबीर सिंह चावला ने अतिथि का स्वागत किया। प्रो. हाशमी ने आभार माना।

ما فی الارض جمیعا، وہ ہے جس نے سب تمہارے لئے ہی پیدا کیا ہے وہ سب تمہارے Disposal میں دیدیا ہے تمہارے ہاتھ، تمہاری مٹھی میں دیدیا ہے، اور وہ کہتا ہے، و لقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر، ہم نے انسان کی عزت عظمت بڑھائی، خشکی اور تری پر اور فضا پر اس کو سوار کرا دیا، ہم نے زمین کو بھی اس کی سواری بنایا، ہوا اور فضا اور سمندر کو بھی اس کی سواری بنایا۔ میں سمجھتا ہوں جو دوسری مذہبی کتابیں ہیں، ان سب میں ذرائع کو، Means کو، آلات اور خدا نے جو چیزیں پیدا کی ہیں وہ خدا کی بہت بڑی نعمت ہے، اب یہی دیکھئے فاصلے کیسے سمٹ گئے ہیں۔ میں لکھنؤ سے آپ کے یہاں اندور آیا ہوں یہی فاصلہ شاید پہلے ایک مہینے میں طے ہوتا، کتنی بڑی خدا کی نعمت ہے کہ ریل پر، ہوائی جہاز پر، کار پر کوئی آدمی بیٹھے اور اس سواری کے حساب سے آدمی مہینوں کی منزل ہفتوں میں اور ہفتوں کی منزل دنوں میں، اور دنوں کی منزل گھنٹوں میں طے کر سکتا ہے، یہ سب خدا کی نعمتیں ہیں۔

ذرائع کی افادیت نیک مقاصد پر منحصر: اب میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ نعمتیں، یہ ذرائع، یہ Means یہ انسٹرومنٹ خود کافی نہیں ہیں، ان کی جو قدر و قیمت، ان کی جو merit ان کی جو افادیت ہے وہ سب مقاصد پر منحصر ہے، کہ ان سے کیا کام لیا جاتا ہے، اگر ہمیں یہ نہ معلوم ہو کہ ہم ان سے کیا کام لے سکتے ہیں تو یہ ہمارا منہ دیکھتے رہ جائیں گے اور ہم ان کا منہ دیکھتے رہ جائیں گے، کوئی فائدہ نہیں اٹھائیں گے اور اگر ہم ان سے کوئی غلط کام لیں تو یہ بھی ان کی ناقدری ہوئی اور گویا ہم نے ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ ان سے کام کئی طرح کے لئے جا سکتے ہیں لیکن جو سب سے بہتر کام ہو سکتا ہے سب سے Superior، Best اس کو ہم چھوڑ دیں اور ان سے ہم ادنیٰ درجہ کا کام لیں مثلاً میں یہ کر سکتا ہوں کہ میں اس مائک سے کچھ غلط باتیں کہنا شروع کر دوں، آپ کی دل آزاری کی باتیں کہوں، ریڈیو سے کتنا بڑا کام لیا جا سکتا تھا، ہم کو یہ بتایا گیا تھا اور یہ کوئی غلط بات نہیں تھی کہ جب ریڈیو عام ہو جائے گا تو سب Countries تمام

Nations ایک دوسرے سے بغل گیر ہو جائیں گے اور سب ایک دوسرے کے چاہنے والے اور ایک دوسرے سے محبت کرنے والے بن جائیں گے، ہر طرح کی عداوتیں، غلط فہمیاں، شکایتیں رفع ہو جائیں گی، اس لئے یہ سمجھا جاتا تھا کہ دنیا کی سب سے بڑی بیماری یہ ہے کہ ایک دوسرے کو جانتا نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ایسا سمجھنے والے بڑے سادہ لوح، کم سمجھ تھے ہمیں یہ بتایا جاتا تھا کہ دنیا میں جتنی لڑائیاں ہوتی ہیں، یہ سب نہ جاننے کی وجہ سے ہوتی ہیں، اگر ایک شخص دوسرے کی تہذیب سے واقف ہو، اس کی خوبیوں، کارناموں سے واقف ہو، اس کے ادب و شاعری اور لٹریچر سے واقف ہو، اس کے فنون لطیفہ Fine Art سے واقف ہو، اس کے جذبات سے واقف ہو، اس کے Architecture فن تعمیر سے واقف ہو تو پھر کبھی لڑائی کی نوبت نہ آئے، بہت دنوں تک یہ کہا جاتا تھا۔ لکھا جاتا رہا کہ دنیا کی ساری بیماریوں کا سارے دکھوں کا علاج یہ ہے کہ ایک دوسرے کو جاننے لگیں پہچاننے لگیں اور Appreciate کر سکیں، ایک دوسرے کے دکھ درد کو معلوم کر سکیں تو ہم بھی سمجھتے تھے کہ بات دل کو لگتی ہوئی ہے، ٹھیک ہے ایک آدمی دوسرے آدمی سے بعض اوقات لڑ جاتا ہے کہ پہچانتا نہیں ہے۔ بھائی سے بھائی لڑ جاتا ہے اب جب ایک دوسرے کا Introduction ہوتا ہے، بتایا جاتا ہے کہ تمہارا بھائی ہے، تمہارے محلے میں رہتا ہے، ڈاکٹر ہے، انجینئر ہے، آدمی خود رک جاتا ہے، تو بات یہ غلط نہیں تھی، بہت Absurd نہیں تھی، سمجھ میں آنے والی Reasonable تھی۔ ۔ ۔ ۔ اور Common Sense کے مطابق تھی لیکن ہم نے یہ دیکھا کہ یہ دریافت Discovery بڑی تکلیف دہ Discovery ثابت ہوئی۔ ریڈیو جتنا عام ہوا بجائے اس کے کہ فاصلے کم ہوں فاصلے بڑھتے چلے گئے، اور ریڈیو نے بجائے اس کے کہ ایک دوسرے کی خوبیاں بیان کی ہوتیں اور ایک دوسرے کی محبت کے، خوبی کے گیت گائے ہوتے، ایک دوسرے کو جوڑنے کی کوشش کی ہوتی، ریڈیو نے سیاسی پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا، ہر ریڈیو کا کام یہ ہو گیا کہ وہ اپنے ملک کے قصیدے پڑھے، اس کی خرابیوں اور کمزوریوں کو بھی کمال بتلائے اور دوسرے ملک کی شکایت کرے، دوسرے ملکوں پر تنقید کرے،

آپ دیکھئے کہ ریڈیو جیسی چیز جس سے بڑھ کر کوئی طاقت نہیں تھی، قوموں کو قوموں سے قریب کرنے کے لئے، ملکوں کو ملکوں سے قریب کرنے کے لئے، فاصلوں کو کم کرنے کے لئے اور جو دیواریں کھڑی ہیں ان کو گرانے کے لئے، دلوں کو جوڑنے کے لئے اور قوموں کو ایک دوسرے سے بغل گیر کرنے کے لئے۔ ریڈیو سے بڑھ کر کون سی طاقت تھی جو اتنی آسانی کے ساتھ اور تھوڑے وقت میں یہ خدمت انجام دے سکتی تھی Deputation جاتے اور Seminar، Symposium، Conferences ہوتیں، یونائیٹڈ نیشن میں ایک دوسرے نیشن کا Representative یا ہر Country کا ممبر اپنی قوم کا تعارف کراتا کتنی دیر لگتی، کتنا پیسہ خرچ ہوتا، گھر بیٹھے ہم ریڈیو سنتے ہیں، لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں، ہم آپ اسی دنیا میں رہتے ہیں، روز ریڈیو سنتے ہوں گے، کیا واقعی ریڈیو نے قوموں کو قریب کر دیا ہے، کیا واقعی ریڈیو نے دکھے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا ہے؟ کیا واقعی ریڈیو نے ملکوں میں، قوموں میں، نیشن میں Country میں یہ شوق پیدا کیا کہ وہ دوسرے قوموں کے لٹریچر کی Study کریں، ان کی ہسٹری ان کی تاریخ کا مطالعہ کریں، ان کے ملکوں کو جا کر دیکھیں اور ان کو جو تکلیفیں ہیں جو Harms ہیں، وہاں قحط پڑا ہے، وہاں کوئی طوفان آ گیا ہے، اس کی مدد کریں، کہاں تک ریڈیو نے یہ خدمت انجام دی اور کہاں تک اس سے فائدہ حاصل ہوا؟ ایسا کیوں ہوا؟

وجہ یہ ہے کہ ذرائع اور وسائل اور مقاصد مینس اور اینڈس میں Co-ordination نہیں ہے ان دونوں میں وہ تناسب نہیں ہے، وہ اتحاد نہیں ہے اور کوئی ایسی ہستی کوئی ایسا ادارہ Institution کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو ان دونوں کو ملائے جوڑے اور متحد کرے۔

اخلاقیات سائنس کا موضوع نہیں: سائنس ایک آرٹ، ایک فن ہے، بڑے سے بڑے سائنٹسٹ نے یہ دعویٰ، یہ Claim نہیں کیا کہ وہ اخلاق تعلیم اور اچھے مقاصد، بہترین Aims آپ کو دے گا، وہ آپ میں احساس ذمہ داری Responsibility پیدا کرے گا۔ یہ تمام باتیں اس کے دائرے سے خارج ہیں، نہ سائنس دانوں نے یہ دعویٰ کیا، نہ ہم اس پر ملامت یا شکایت کر سکتے ہیں، کسی سائنسداں سے یہ کہنا کہ تم نے بڑے ذرائع ہمارے سامنے رکھ دیے، ایٹم بم اور جراثیمی اسلحہ بھی تیار کر لئے، لیکن تم ان کے استعمال پر نگرانی قائم نہیں کرتے، خدا کا خوف اور انسانوں سے ہمدردی کا جذبہ پیدا نہیں کرتے تاکہ ہیروشیما اور ناگاساکی جیسا تباہ کن واقعہ پیش نہ آئے، سائنس اور سائنسداں کا یہ جواب ہوگا اور بجا جواب ہوگا کہ یہ ہمارا موضوع نہیں، یہ مذہبی آدمیوں، اخلاقیات کے ماہروں Ethics کے یا Reform کے یا Priest hood کلاس کے لوگوں کا کام ہے، یہ سوال ان سے پوچھو، سائنٹسٹ اس پر وقت صرف نہیں کریں گے کیونکہ یہ ان کا کام نہیں ہے، آج کی دنیا کا سانحہ Tragedy یہ ہے کہ ذرائع میں تو برابر ترقی ہو رہی ہے، اور ہر روز نت نئے وسائل و ذرائع کا سلسلہ جاری ہے، ہم خود ذرائع کے حوالے ہو رہے ہیں، ہم پر ذرائع کا رعب طاری ہے، ہماری Mentality ایسی ہو گئی ہے کہ ہم یہ سوچتے بھی نہیں کہ مقاصد کی بھی ضرورت اور اہمیت ہے — یہ ذرائع ناکافی، نامکمل Incomplete ادھورے بلکہ خطرناک ہیں، اگر ان کے ساتھ صحیح مقاصد نہ ہوں۔

ہمارا Mental attitude صحیح نہیں ہے، اگر ہمارے اندر Morale Sense نہیں ہے Civic sense نہیں ہے اگر ہمارے دل میں انسانیت کا احترام، انسانیت کی عزت، انسان کی محبت، انسانی جان کی قدر و قیمت اور انسان کے بارے میں اعلیٰ تصور نہیں ہے، اگر ہم کوئی انسانی کلچر نہیں رکھتے تو یہ تمام ذرائع اور وسائل بڑے خطرناک ثابت ہو چکے ہیں اور ہوں گے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے، یہ Commonsense کی بات Practical چیز ہے، تجربات کی بات ہے۔

ذرائع اور مقاصد کی ہم آہنگی: وہ لوگ جو ذرائع میں بہت Advance ہیں، بہت ترقی کر رہے ہیں، جو دنیا کو Lead کر رہے ہیں، انسانیت کی قیادت کر رہے ہیں خود ان کا کیا حال ہے؟ ایک جنگ عظیم Great War ہوئی، پھر دوسری جنگ عظیم Second Great War ہوئی، اب دنیا تیسری جنگ عظیم Third Great War کے خطرات سے دوچار ہے، جس کے متعلق اندیشہ ہے کہ اگر یہ ہوئی تو پوری نسل انسانی تباہ ہو جائے گی۔ اس لئے کہ Means ہیں، لیکن وہ Aims نہیں ہیں جو کنٹرول کر سکیں اور بریک لگا سکیں، یہ تو ایسا ہی ہے کہ کسی ناسمجھ بچے کے ہاتھ میں بلیڈ دیا یا دیا سلائی دیدی جائے یا کسی ایسے آدمی کو جس کا دماغی توازن بگڑ چکا ہو Abnormal ہو کوئی ایسی نازک چیز دیدی جائے جس سے خطرہ ہو۔

آج دنیا کی یہ حالت ہے کہ اسے سائنس Drive کر رہی ہے، اور جو لوگ سائنس، تہذیب، تمدن، کلچر اور سیاست کی قیادت کر رہے ہیں، ان میں توازن Balance نہیں ہے، ان میں ذرائع کے صحیح استعمال کا احساس و شعور نہیں ہے، انہیں کسی ملک، کسی قوم، کسی شہر، کسی فرد کی تباہی کی پرواہ نہیں، ذرائع اور مقاصد کے عدم توازن کے تباہ کن نتائج، ہمارا دن رات کا مشاہدہ ہیں۔

انسانیت کی قسمت، انسانی تہذیب Civilization سوسائٹی کا تحفظ ذرائع اور مقاصد کی ہم آہنگی پر منحصر

ہے، ان دونوں میں تعاون Co-operation ہو، ایک دوسرے کی خدمت کا جذبہ ہو، ایک دوسرے کو Favour کرے، طاقت پہونچائے، ذرائع آگے بڑھ کر کہیں کہ ہم خدمت کے لئے حاضر ہیں، اور مقاصد کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور دے دیں۔

پھر خدا کا خوف، انسانیت کا احترام، انسانی جان کی قدر و قیمت کا احساس اور پر شعور ہو کر ذرائع انسان کے خادم ہیں، آقا نہیں، سکھ پہونچانے کے لئے ہیں دُکھ دینے کے لئے نہیں۔ آدمی کے دل میں ایسا جذبہ، ایک ایسی کیفیت ہونی چاہئے کہ وہ ذرائع کو احساس ذمہ داری کے ساتھ اور بہتر سے بہتر مقاصد کے لئے استعمال کرنے پر آمادہ ہو، اگر یہ بات نہیں ہے تو یہ سب چیزیں نہ صرف بیکار ہوں گی، بلکہ انسان کو تباہ کر دیں گی۔

جب ذرائع کم تھے لیکن مقاصد اعلیٰ تھے: ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ جب ذرائع نہیں تھے، لیکن مقاصد اچھے تھے، نیتیں اچھی تھیں، دل اچھے اور پاک تھے، جب دماغ روشن تھے، جب خدا کا خوف غالب تھا جب انسانوں کو انسانوں سے ہمدردی تھی، تو بہت تھوڑے ذرائع میں انسانوں نے وہ کام کئے جو آج تک تاریخ میں نقش ہیں،

راجہ بکرما جیت جس کا دار السلطنت اجین تھا اور یہ پورا علاقہ اس کے زیر نگیں تھا، اس نے جو سماج بنایا، جیسے قوانین بنائے، اس کے ذرائع کیا تھے؟ — ایران کا شہنشاہ نوشیروان، اسلام کے خلفائے راشدین جن کے کارناموں نے انسانی تاریخ میں چار چاند لگائے، ان کا زمانہ آج جیسا ترقی یافتہ اور وسائل و ذرائع سے مالا مال نہیں تھا، بادبانی کشتیوں، اونٹوں اور گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھ کر وہ طویل فاصلے طے کرتے تھے، بڑے بڑے لشکر اونٹوں اور گھوڑوں کے ذریعہ دوسرے ملکوں تک جاتے تھے رسد وغیرہ کا کوئی معقول انتظام نہیں ہوتا تھا، لیکن انہوں نے انسانیت کی جو خدمت کی ہے انصاف کیا ہے، ان کے دور میں عوام کو سکھ، اطمینان، عافیت اور خوشحالی نصیب تھی، دولت جیسی عام اور انسانی ذرائع کا حصول سب کے لئے جس طرح ممکن تھا اس کی مثال اب نہیں ملتی، تاریخ میں ان کا یہ ریکارڈ ہے کہ محدود ذرائع کے ساتھ انہوں نے کیسے اہم مقاصد پورے کئے اور کتنی بڑی کامیابی حاصل کی۔

اگر ذرائع ہوں اور مقاصد نہ ہوں تو ذرائع بیکار، اور مقاصد ہوں اور ذرائع نہ ہوں تو مقصد بیکار۔ خدا نے جو چیزیں پیدا کی ہیں، ہم اس کو Discover کریں، اور جتنا Capture کر سکتے ہوں کریں، کوئی مذہب اس سے نہیں روکتا، آدمی کے ارادے اچھے ہوں تو ذرائع پیدا ہوں گے، لیکن اگر اس کے اندر کسی نیک کام کی کوئی خواہش ہی نہ ہو، انسانی ہمدردی، انسان کی خدمت کا، سیوا کا جذبہ ہی نہ ہو تو یہ ذرائع کوئی نفع نہیں پہونچائیں گے، بجائے راحت کے نقصان پہونچائیں گے۔

جو ظلم پہلے بادبانی کشتی سے سفر کرتا تھا، جو سفاکی اور درندگی اونٹ اور گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر اور بیل گاڑیوں اور یکّوں سے، ایک جگہ سے دوسرے جگہ منتقل ہوتی تھی، آج وہ سفاکی، وہ درندگی، وہ حیوانیت و بہیمیت، وہ خود غرضی Selfishness، ہوائی جہازوں سے ایک ملک سے دوسرے ملک گھنٹوں میں پہونچ جاتی ہیں۔

پہلے ایک شخص کو ایک ملک سے دوسرے ملک پہونچنے میں مہینوں لگ جاتے تھے، سکندر کو یہاں پہونچنے میں مہینوں لگ گئے تھے، لیکن آج کوئی سکندر، کوئی چنگیز، کوئی نیرو ہوائی جہاز میں چند گھنٹوں میں پہونچ جاتا ہے۔

اگر دل اچھا نہیں، من پاپی ہے، دماغ میں تاریکی ہے، روح بیمار ہے، تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ذرائع سے انسانیت کی تعمیر Constructive Work... کی بجائے تخریب کا کام Destructive work ہوگا۔ ہماری تمام کوششیں منفی Negative ہو جائیں گی۔

سائنس کا مست ہاتھی: ہماری اس صدی کی سب سے بڑی ٹریجڈی یہ ہے کہ اس دنیا کو جنت بنانے کے تمام ذرائع ہمارے پاس موجود ہیں، ہمارا ملک آزاد ہے، اس کی باگ ڈور خدا نے ہمارے ہاتھ میں دی ہے، اس ملک میں کتنی یونیورسٹیاں ہیں، ۱۹۴۷ء کے بعد ہمارے یہاں کتنی یونیورسٹیاں، پاٹھ شالے، مدرسے قائم ہوئے، ریسرچ سنٹرز اور لائبریریاں وجود میں آئیں، ان سب کے باوجود انسان برابر انحطاط کا شکار، معاشرہ اخلاقی زوال سے دوچار اور ملک انارکی میں مبتلا ہے، پوری دنیا کا یہ حال ہے، شکاگو کی لائبریری میں میں نے پوچھا کہ یہاں کتنی کتابیں ہیں تو لائبریرین کہا کہ پچاس لاکھ کتابیں ہیں — ہارورڈ یونیورسٹی جانے اور وہاں لیکچر دینے کا اتفاق بھی ہوا، وہاں معلوم ہوا کہ ایک کروڑ کتابیں ہیں۔

اس کے علاوہ امریکہ میں چپے چپے پر یونیورسٹی ہے، ایک ایک یونیورسٹی میں ایک ایک لاکھ طالب علم پڑھتے ہیں، لیکن کتابوں کی کثرت، یونیورسٹیوں کی بھرمار، لیبارٹریوں کی رونق، علم و سائنس کی ترقی، اس نے امریکہ کو کیا دیا؟ جب نیویارک کے پاور پلانٹ پر بجلی گری اس وقت میں فلاڈلفیا میں تھا، بجلی گری اور تین گھنٹے کے لئے پورا نیویارک شہر اندھیرے میں ڈوب گیا، لیکن، ان تین گھنٹوں میں دنیا کے اس متمدن شہر میں کئی ارب روپیوں کی لوٹ ہو گئی، لوگ بھک منگوں، فاقہ کشوں اور وحشی جانوروں کی طرح دوکانوں پر، تجارتی اداروں پر، سامان پر، کیش بکسوں پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے نیویارک کو لوٹ لیا — تین گھنٹے تک نیویارک Out of control ہو گیا تھا، وہاں کا انتظامیہ بے بس تھا، بتائیے! ان یونیورسٹیوں، لائبریریوں، لیبارٹریوں نے امریکہ کو کیا دیا —؟ آج امریکہ ساری دنیا کے انسانوں کو بھولے بھالے بچوں کی طرح بہلا رہا ہے، جانوروں کے ریوڑ کی طرح ہانک رہا ہے، لیکن خود اس کا حال کیا ہے —؟

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ تنہا ذرائع کچھ نہیں کر سکتے، اگر اخلاقی طاقت، احساس ذمہ داری اور مذہب کی زبان میں خدا کا خوف نہ ہو تو بڑے بڑے سائنسداں، ریسرچ اسکالرز، یونیورسٹیاں، لائبریریاں، لیبارٹریز، عظیم الشان پروجیکٹ کچھ نہیں کر سکتے۔

یہ احساس ہونا چاہئے کہ کسی بھی انسان پر ظلم اور زیادتی خود اپنے پر ظلم ہے، تمام انسان ایک ہی جسم کے ٹکڑے ہیں، قرآن کے الفاظ میں "وما خلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدۃ" ایک جان کا پیدا کرنا گویا پوری نسل انسانی Mankind کو پیدا کرنا ہے، پوری نسل انسانی ایک جسم ہے، گلستاں، بوستاں جیسی اخلاقی کتابیں جب بچپن میں پڑھائی جاتی تھیں تو ہم پڑھتے تھے کہ

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند ٭ کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

آدم کے بیٹے ایک ہی جسم ہیں، کیونکہ ایک ہی زمین، ایک ہی مادہ سے بنائے گئے ہیں، اسی کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلکم من آدم و آدم من تراب، اے انسانو! تم سب آدم سے بنے ہو اور آدم مٹی سے بنا تھا، کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر کسی گورے کو کالے پر، کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔ کسی بات پر فخر کرنے کا حق نہیں۔

اس بات کی کمی نے آج روس اور امریکہ کو مست ہاتھی

بنا دیا ہے، سائنس کو مست ہاتھی بنا دیا ہے، کسی کو خبر نہیں کہ کس بچہ کو کچل ڈالے اور کس غریب کے جھونپڑے کو گرا دے۔

اس مست ہاتھی کو اگر کوئی چیز کنٹرول کر سکتی ہے تو وہ خدا کا خوف ہے، خدا پر یقین اور اخلاقی طاقت ہے، اس نے بڑے بڑے طاقتوروں کو جن سے دنیا لرزتی، کانپتی تھی پیٹ پر پتھر باندھنے، فاقہ کرنے، اور راتوں کو بھیس بدل کر پہرہ دینے پر آمادہ کیا،

میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں اور اس کی معافی چاہتا ہوں کہ چونکہ میں اسلامک ہسٹری کا طالب علم ہوں، میں نے اس موضوع پر کتابیں بھی لکھی ہیں، میں نے اپنی تاریخ کا زیادہ مطالعہ کیا ہے اس لئے اس وقت ذہن میں یہی واقعہ آ گیا، اور اسی کو مثال بنا سکتا ہوں ورنہ ہندوستان میں بھی جب اخلاقی طاقت ہر چیز پر غالب تھی، ایسی مثالیں گذری ہوں گی، یہاں بھی بڑے بڑے لوگ گذرے ہیں۔

یہ واقعہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ہے جو پہلے خلیفہ تھے، ان کا پورا وقت خلافت و حکومت کے کاموں میں صرف ہوتا تھا لہٰذا ان کے گذارے کے لئے بیت المال سے ایک معمولی رقم بطور وظیفہ ملا کرتی تھی،

مثالی حکمراں: حضرت ابو بکرؓ بیت المال سے اپنے لئے جو وظیفہ لیتے تھے، اسکی مقدار کتنی تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ ان کی اہلیہ کا جی چاہا کہ حلوہ کھائیں، شوہر سے فرمائش کی تو انہوں نے جواب دیا کہ گنجائش نہیں ہے، بیوی نے کہا کہ "اچھا آپ روزمرہ کے خرچ کے لئے مجھ کو جو دیتے ہیں اب میں اسی میں سے پس انداز کروں گی، یہاں تک کہ وہ حلوہ کی قیمت کے برابر ہو جائے"، چند روز میں اتنا پس انداز ہو گیا کہ حلوا بن سکے، خلیفۂ رسولؐ کو اس کا علم ہوا تو فرمایا کہ " روزمرہ کا خرچ ان چند پیسوں کو کم کر دینے کے بعد بھی پورا ہو سکتا ہے جو تم روزانہ پس انداز کرتی تھیں، اس لئے اب آئندہ تم کو گھر کا خرچ کم کر کے دیا جائے گا، اور جو رقم حلوہ کے نام سے پس انداز ہوئی تھی وہ بیت المال میں داخل کر دی۔

یہ مثال اس انسان کی ہے جو مدینہ سے لے کر سیریا اور پورے جزیرۃ العرب کا حکمراں تھا جس کا رقبۂ سلطنت ہندوستان سے بھی زیادہ تھا۔

اصل ضرورت ذرائع اور وسائل کو مفید بنانے اور اسے صحیح رُخ دینے کی ہے، سائنس کی ترقی اور وسائل کی فراوانی سے سوسائٹی اس خطرہ سے محفوظ نہیں رہ سکتی جو اس کے سر پر منڈلا رہا ہے، خدا کا خوف، اخلاقی حِس، انسانیت کا اکرام اور احساس ذمہ داری کے ذریعہ انسانی سماج کو خطرات سے بچایا جا سکتا ہے۔

یہ دنیا سائنس اور ٹکنالوجی میں، مالیات Economy میں اور زندگی کے تمام مادی شعبوں میں ترقی کر رہی ہے، ہمارا ملک بھی ترقی کر رہا ہے اور خود کفیل بنتا چلا جا رہا ہے، لیکن جو کام نہیں ہو رہا ہے، وہ اخلاق، انسان کی عزت، محبت اور پریم کو عام کرنے کی دعوت ہے، آدمی کو آدمی سے ملانے، خود غرضی کو کم کرنے، خلوص کو پیدا کرنے، حب الوطنی اور وفاداری کے جذبات کو فروغ دینے اور ہر قسم کے کرپشن اور خرابیوں کو دور کرنے کے لئے عوامی سطح پر پرچار کا کام ہے۔

آج یورپ اور امریکہ کی سوسائٹی میں باوجود بہت سی خرابیوں کے یہ خوبی ہے کہ وہاں کرپشن، ملاوٹ اور وطن دشمنی آپ نہیں پائیں گے، دوا میں، غذا میں، ملاوٹ کا تو وہاں کوئی تصور نہیں کر سکتا اور ہمارے ملک میں یہ بھی ہوتا ہے اور بڑے پیمانے پر ہوتا ہے۔

میں ترقی کا مخالف نہیں: میں کسی چیز کا انکار نہیں کرتا، کسی چیز کو Reject نہیں کرتا، جو تعلیم عام کی جا رہی ہے، اس کے اور زیادہ پھیلانے کی ضرورت ہے، اگر یونیورسٹیاں اور قائم ہوں تو ہمیں فخر اور خوشی ہوگی، میں کسی چیز کو کم نہیں کہتا، میں صرف ایک اضافہ چاہتا ہوں، وہ یہ کہ اس ملک میں اخلاق کا پرچار کیا جائے، انسانیت کا احترام پیدا کیا جائے، اور یہ بات دل میں بٹھا دی جائے کہ

यह इन्दौर है

खुदगरजी के माहौल में इंसानियत का इंकलाब जरूरी

मौलाना सैयद अबुल हसन नदवी का पैगाम

(नगर प्रतिनिधि द्वारा)

इन्दौर ६ दिस. । अंजुमन फलाहुल मुस्लिमीन के तत्वावधान में आयोजित बड़ी सभा को संबोधित करते हुए लखनऊ इस्लामिक महाविद्यालय नदवा के हजरत मौलाना सैयद अबुल हसन नदवी ने कहा कि इस संसार में प्रचुर साधनों के उपरांत भी सामाजिक, आर्थिक व राजनैतिक विकृतियों का मूल कारण साधन व साध्य के मध्य सही ताल मेल का अभाव है। आपने कहा कि हमें फक्र है कि हम इन्सान हैं। इसलिए इन्सानियत का प्रचार प्रसार करना आवश्यक है। इन्सान इन्सान के बीच प्रेम मोहब्बत होना जरूरी है।

मौलाना ने सा.कहा कि आज चारों ओर खुदगरजी व रिश्वतखोरी की आग लगी हुई है, स्वार्थी व असामाजिक तत्व मुल्क को तबाह करने में लगे हुए हैं। ऐसी स्थिति में इन्सानियत के इन्कलाब में हमें जुट जाना चाहिये। आपने यह भी कहा कि आध्यात्मिकता के द्वारा ही मानवता आ सकती है और इन्सान प्रेम मोहब्बत से अपना जीवन व्यतीत कर सकते हैं। आपने कहा कि विश्वविद्यालयीन शिक्षा पद्धति में नैतिक शिक्षण, मानव, मानव प्रेम, कर्तव्य पालन एवं अनुशासन को प्राथमिकता दी जाना चाहिए। मजहबी शिक्षा देने पर भी आपने जोर दिया

श्रोताओं से खचाखच भरे रवीन्द्र नाट्य गृह की सभा को संबोधित करते हुए नागपुर के जनाब अब्दुल करीम पारीख ने कहा कि मुसलमान सात सौ वर्ष से भारत में रह रहे हैं किन्तु वे अपने ही देशवासियों को कुरान का संदेश नहीं दे पाये। संदेश पहुंचाते कैसे? क्योंकि मुसलमान स्वयं ही कुरान का अनुसरण नहीं करते हैं। स्वार्थ व शक्ति से ओत प्रोत मानव स्वयं शैतान का प्रतिनिधि बना हुआ है। इन प्रवृत्ति का निवारण राजनैतिक परिवर्तन से संभव नहीं है, इसके लिये आध्यात्मिकता की जरूरत है। डा. इश्तियाक हुसैन कुरेशी ने मौलाना के विचारों का समर्थन किया। अन्त में जनाब इसहाक जलीस साहब ने अखिल भारतीय पयामे इन्सानियत फोरम के उद्देश्यों एवं कार्य प्रणाली पर प्रकाश डाला। वक्ताओं के विद्वतापूर्ण भाषणों की सभी ने सराहना की।

درخت، جانور، دریا، ستارے، چاند، سورج، سب سے زیادہ قیمتی انسان ہے، یہ سب انسان کے لئے بنائے گئے ہیں، اور ہمیں انسان بننا ہے۔ اگر ہم ہوا میں بھی اڑنے لگیں، اور پانی میں پیرنے لگیں، لیکن ہمیں زمین پر آدمی کی طرح چلنا نہ آئے تو اس ملک کا اور انسانی سوسائٹی کا خدا حافظ۔ یہ ملک پھر بچ نہیں سکتا۔

یوروپ اور امریکہ بھی خطرے میں ہیں، اس کے لئے کسی دور بین اور خوردبین کی ضرورت نہیں، صاف نظر آ رہا ہے کہ یوروپ و امریکہ ڈانوا ڈول ہو رہے ہیں، اپنے دن پورے کر رہے ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ ہمارے دل میں یہ لگن لگ جائے کہ ہم اخلاق کا پرچار اور انسانیت کا احترام پیدا کریں۔ خدا نے جو نعمتیں ہمیں دی ہیں، ان کے استعمال کا سلیقہ ہم میں ہونا چاہئے۔ ہمارے پاس صالح اور تعمیری مقاصد ہونے چاہئیں، ہمارے اندر Goodwill کا جذبہ ہونا چاہئے، ہم وسائل کو انسانوں کے فائدے کے لئے، ان کے دُکھ درد کو دور کرنے کے لئے، دنیا میں محبت اور پریم پھیلانے کے لئے، دلوں کو جوڑنے کے لئے، فسادات روکنے کے لئے، انسان کُشی ختم کرنے کے لئے استعمال کریں۔ مل جل کر انسانیت کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کی ضرورت ہے، اور یہی ہمارا پیغام ہے۔

یہ ملک جن خطرات سے دوچار ہے، اور انسانیت جس زوال کی شکار ہے، اس کا احساس

ہر محبت وطن کے دل میں ہونا چاہیے،

انسانیت کا سفینہ گرداب میں: انسانیت کی کشتی گرداب میں ہے، اس پر نسل انسانی کا صدیوں کا قیمتی سرمایہ ہے، تہذیب ثقافت، ادب لٹریچر، علوم و فنون، سب خطرے میں ہیں۔ کشتی غرقاب ہوگی تو کچھ بھی نہیں بچے گا، ڈوبنے والے بحری جہازوں اور حادثہ کے شکار ہونے والے ہوائی جہازوں میں پڑھے لکھے اور قابل لوگ بھی ہوتے ہیں اور وہ بھی لقمۂ اجل بن جاتے ہیں، بھنور میں پھنسی ہوئی انسانیت کی کشتی کو بچانے کی ضرورت ہے، ہمارا یہی پیغام ہے، آپ حضرات سنجیدگی سے اس پر غور کریں یہ نہیں کہ ایک قسم کی Cursory آپ کو یہاں لے آئی ہو، محض تجسس، محض شوق آپ کو یہاں لے آیا ہو کہ دیکھیں یہ مولوی لوگ ٹیگور ہال میں کیا تقریر کرتے ہیں اور سن کر سو جانا ہے، یہ تقریر نہیں بلکہ میری، آپ کی کہانی ہے، یہ آپ بیتی ہے، جگ بیتی نہیں، یہ ہماری زندگی کا معاملہ ہے، تاریخ، جغرافیہ کا مسئلہ نہیں، ہمیں نیک مقاصد، مذہب سے، اخلاقیات سے ملتے ہیں، نیک ارادے نیک لوگوں سے ملتے ہیں، اگر ہمارے مقاصد نیک نہیں تو یہ چیزیں معدوم ہیں، یہ چھلکے مفید نہیں، صرف وسائل حاصل کرنا اور اس سے کوئی بحث نہیں کہ ان سے کیا کام لینا ہے، بے معنی بات ہے، اگر اسی مائک سے میں کوئی غلط بات کہہ دوں تو یہ جوں کا توں اسے پہونچا دے گا، قصور مائک کا نہیں کہنے والے کا ہوگا، قصور سوچنے، سمجھنے والوں کا ہے، ان جمادات کا قصور نہیں جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہیں، آج ملک میں ہر جگہ آگ لگی ہوئی ہے، اپنے ذاتی مقاصد اور ارادوں کے لئے نیند حرام کرنے والے گھر بار چھوڑنے والے، وطن سے بے وطن ہونے والے موجود ہیں لیکن کوئی ایسا نہیں جو آستین چڑھا کر اور خم ٹھونک کر میدان میں آجائے اور کہے کہ میری زندگی میں ملک تباہ اور انسانی معاشرہ برباد نہیں ہو سکتا، ہم پڑھے لکھے لوگ، دانشور انسان اگر یہ کام نہیں کریں گے تو کیا آسمان سے دیوی اور دیوتا اصلاح کے لئے آئیں گے؟ جو لوگ رشوت لیتے ہیں، پیسے کی محبت میں، کسی لالچ میں اپنا گھر بھرتے ہیں اور دوسروں کا گھر اجاڑتے ہیں، ہم آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ روکیں، انہیں سمجھائیں ان کو سنبھالیں — آج سارا ملک یا تو سیاست میں لگا ہوا ہے یا دولت کے حصول میں الجھا ہوا ہے، آج صرف دو زندہ حقیقتیں ہیں، طاقت اور دولت Wealth اور Power

فقیرانہ آئے صدا کر چلے:

طاقت اور دولت کی پوجا میں ملک تباہ ہو رہا ہے، یہ ملک

طاقت اور دولت سے نہیں بچے گا، یہ ملک اخلاق، انصاف، شرافت

اور خدا کے خوف سے بچے گا، آپ سب پڑھے لکھے لوگ ہیں ہمارا کام

تو صرف صدا لگانا ہے، آج یہاں صدا لگائی، کل کہیں اور یہ صدا

لگائیں گے ۔

فقیرانہ آئے صدا کر چلے

میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

ہم نے صدا لگا دی، آپ نے ساتھ دیا تو قافلہ بن جائے گا۔ ہم نے اپنی ذمہ داری محسوس کر کے خطرے کی گھنٹی بجائی، مجھے ڈر تھا کہ ہم خدا کے سامنے کہہ سکیں کہ ہم نے آگاہ کر دیا تھا، یہ ملک تباہی کے کنارے پر ہے، اسے کوئی پالیٹکس، کوئی پارٹی خواہ وہ کانگریس ہو یا جنتا پارٹی کوئی نہیں بچا سکتا۔ یہ ان کے بس کا کام نہیں، یہ ان کا Function نہیں ہے، ہاں گاندھی جی کو اس کا خیال تھا لیکن انہیں موقع نہیں ملا، بعد کے لوگ ملک کے مسائل اور انتظامی معاملات میں ایسے کھو گئے کہ اخلاقیات کا انہیں خیال نہیں رہا، پالیٹکس کے پٹے ہوئے راستے پر چل کر اور سیاسی پارٹیوں کے جتانے اور ہرانے سے کام نہیں چلے گا، بے غرض ہو کر خدا کی رضا اور انسان کی خدمت کے نیک مقصد کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے، ملک کے بچانے، انسانیت کے وقار کو بلند کرنے اور تہذیب تمدن اور ادب و لٹریچر کو پروان چڑھانے کا کام انہیں بے لوث اور انجان لوگوں نے کیا جو تعریف سے بے نیاز رہے اور تنقید سے خائف نہ ہوئے، انہوں نے خاموش کام کیا اور اس دنیا سے چلے گئے، آج ہمیں پھر انتظار ہے ان سعید روحوں اور بہادر انسانوں کا جو اس ملک کو تباہ ہونے سے پہلے بچا لیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ ان سیاسی لوگوں اور خود غرضوں کے ہاتھوں جو ہر مسئلہ کو اپنی پارٹی کے نقطۂ نظر سے سوچتے ہیں، ملک تباہ نہ ہو جائے۔

वैज्ञानिक साधनों का प्रयोग मानव कल्याण हेतु करें

मौलाना अबुल हसन नदवी का व्याख्यान

इन्दौर ६ दिस.। लखनऊ इस्लामिक महाविद्यालय (नदवा के हजरत मौलाना सैयद अबुल हसन नदवी ने लोगों से अनुरोध किया है कि वे अपने विवेक को पुनर्जीवित करने में जुट जायें ताकि हम वही सुखी, शांतिमय एवं सुरक्षित जीवन व सामाजिक व्यवस्था की पुन स्थापना कर सकें जो हमारे पूर्वजों के युग में थी।

मौलाना कल रात्रि को रवीन्द्र नाट्य गृह में उपस्थित जन समुदाय को सम्बोधित कर रहे थे। नाट्य गृह श्रोताओं से खचाखच भरा हुआ था।

अपने व्याख्यान में मौलाना ने कहा कि–वर्तमान जगत में प्रचुर साधनों के उपरांत भी पाई जाने वाली सामाजिक, आर्थिक व राजनैतिक विकृतियों का मूल कारण साधन और साध्य के मध्य सही तालमेल का अभाव है। हमें विज्ञान ने आश्चर्य जनक साधनों से लैस कर दिया है। हमारी ध्वनि और हमें विश्व के एक कोने से दूसरे कोने तक पहुंचा दिया है फिर भी हम एक दूसरे से अजनबी हैं, एक दूसरे से आशंकित एवं भयभीत हैं और सम्भवतः विनाश की ओर उतनी ही तीव्रगति से बढ़ रहे हैं जितनी तीव्र गति से प्रकाश की किरणें या विद्युत लहरें बढ़ रही हैं। ऐसा क्यू ? इस विनाशकारी प्रवृत्तियों का इतना तीव्रगति से बढ़ने का कारण क्या है ? मौलाना के अनुसार हमें जिन वैज्ञानिक साधनों का प्रयोग मानव कल्याण हेतु करना चाहिये उसका प्रयोग हम अपने स्वार्थ एवं संकुचित उद्देश्यों की प्राप्ति के लिये कर रहे हैं। साधन प्रचुर हैं परन्तु उनका दूषित है। वह इसलिये कि विज्ञान, वैज्ञानिक और उसके द्वारा अविष्कृत वैज्ञानिक साधन अपने आपमें तटस्थ होते हैं उनका उपयोग मानव विवेक पर निर्भर है जिसे जागृत करने का एकमात्र साधन है धर्म और ईश्वर में पूर्ण आस्था और उसका भय। जब तक यह तत्व हमारे समाज के प्रत्येक व्यक्ति के मन मानसपटल पर हम अंकित नहीं कर देते हम समूचे विनाश से न तो अपने देश को बचा सकते हैं और न विश्व को।

इस अवसर पर नागपुर के विद्वान वक्ता जनाब अब्दुल करीम पारिख एवं डा. इश्तियाक हुसैन कुरेशी ने भी अपने प्रेरक विचार रखे। अन्त में जनाब इसहाक जलीस सा. ने मौलाना अबुल हसन नदवी सा. द्वारा चलाये जा रहे मानव एकता अभियान के मूल उद्देश्य और उसके शपथ पत्र को पढ़कर सुनाया।

ہمیں امید ہے کہ خدا اس ملک سے بڑا کام لے گا، یہاں بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے، مسلمانوں میں بھی غیر مسلموں میں بھی، ان لوگوں نے دور دراز خطوں تک پریم راگ پہونچایا ہے، محبت کو عام کیا ہے، خدا اس ملک کو مہلت دے گا اور موقع دے گا کہ یہ ملک زوال و پستی سے نکل آئے، یہ ملک اپنے کو بھی بچائے گا اور اس دنیا کو بھی بچائے گا جو ڈوبنے کو ہے۔

میں نے بے غرض ہو کر یہ باتیں پیش کی ہیں، امید ہے کہ آپ بھی اسے دل و دماغ میں جگہ دیں گے۔ تعلیم یافتہ لوگ آگے بڑھیں، پہلے کشتی کو بچائیں پھر اس کا فیصلہ کر لیں گے کہ کونسی چیز کہاں رکھی جائے۔

ایسا باوقار، پڑھا لکھا مجمع دیکھ کر امید بندھتی ہے، خوشی ہوتی ہے اور یہ ایک اچھی علامت ہے،

تحریک پیام انسانیت کا سب سے کامیاب جلسہ:

تحریک پیام انسانیت کی مختصر سی تاریخ میں ٹیگور ہال کا یہ جلسہ کمیت اور کیفیت ... Quantity and Quality ہر دو اعتبار سے کامیاب ترین جلسہ کہا جا سکتا ہے، یہ ذکر تو گذر چکا کہ جلسہ کے آغاز ہی میں ہال کی وسعت سامعین کی کثرت کی وجہ سے تنگ ہو چکی تھی، آنے والوں کا پھر بھی تانتا بندھا ہوا تھا، ہال کے چپہ چپہ پر لوگ بیٹھے ہوئے تھے، جن لوگوں کو بیٹھنے کی جگہ نہ ملی وہ کھڑے کھڑے پورے پروگرام میں شریک رہے، ہال میں کھڑے ہونے کی گنجائش جب نہیں رہی تو ہال کے باہر کے لان پر ایک جم غفیر اکٹھا ہو گیا، منتظمین جلسہ کی یہ پیش بندی کام آئی کہ انہوں نے باہر بھی لاؤڈ اسپیکر لگا دیا تھا، اس سے پہونچنے والی صدا باہر کے لوگوں کی تسکین کا سبب اور محرومی سے بچنے کا اچھا ذریعہ ثابت ہوئی، حضرت مدظلہ کی تقریر کے بعد جناب عبدالکریم صاحب پاریکھ نے اپنے مخصوص انداز میں خطاب کیا، مذہب، اخلاقیات کی ضرورت، انسان کے مقصد وجود اور اس کی تخلیق عجائبات، دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں اشرف المخلوقات کی فضیلت و امتیاز کی انہوں نے

تشریح کی، اپنی تقریر میں انہوں نے ہندی الفاظ و اصطلاحات کو بکثرت استعمال کر کے سامعین کے لئے اسے سہل الفہم بنا دیا، پاریکھ صاحب کے بعد ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ڈائس پر آئے، انہوں نے ملک میں انارکی، تعلیمی اداروں میں انتشار، طلبہ کے اخلاقی زوال کی تصویر اعداد و شمار کی زبان میں پیش کر کے خود سامعین کے دلوں کی گویا ترجمانی کر دی، آخر میں راقم سطور نے ہندی میں مانوتا کا سندیش، سنایا، اس کی تاریخ، مقصد قیام اور حلف نامہ کو پیش کیا۔ جلسے کے اختتام کے بعد اہم شخصیتوں سے تعارف و ملاقات کا سلسلہ رہا، ہال سے باہر نکلے تو ایک بڑی تعداد نے جو باہر تقریر سے تو مستفید ہوئی تھی لیکن حضرت مولانا کی زیارت سے محروم تھی، ملاقات کی، اس ہجوم میں غیر مسلم بھائیوں کی بڑی تعداد تھی جو پریم کی مرلی سنانے والے ایک مہان انسان کے درشن کے لئے بے تاب تھی۔ ایک اچھا تاثر لے کر اور اچھا تاثر چھوڑ کر ہم لوگ اپنی جائے قیام ہارون منزل پہونچے۔

عمارت کی سب سے آخری منزل پر ہمارا قیام شب مالوہ کو قریب سے دیکھنے اور لطف اندوز ہونے کے لئے موزوں مقام ثابت ہوا۔ رات دیر تک ملنے والے ہمارے کمرے کا رخ کرتے رہے رات کے بارہ بجے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اللھم باسمک اموت واحییٰ پڑھتے ہوئے شب کے ایک بجے ہم نیند کی آغوش میں تھے۔

٦ دسمبر ١٩٧٨ء: صبح صادق سے پہلے بیدار ہوئے، چلتی پھلتی خانقاہ متحرک ہو چکی تھی، آہ سحرگاہی، آداب سحرخیزی، ذکر و دعا کی یہ فضا ایک شخصیت کے نفس گرم اور قلبی حرارت کی برکت تھی ورنہ زندگی میں روزانہ آخر شب ہوتی ہے، اور قبولیت دعا کے وہ لمحات آتے ہیں جب مالک کائنات سارا دنیا سے خود صدا لگاتا ہے کہ ہے کوئی سائل جسے میں عطا کروں، وہ مائل بہ کرم ہوتا ہے لیکن دست سوال دراز نہیں ہوتے، اس غفلت کو کسی اللہ والے کی قربت و صحبت ہی دور کر سکتی ہے — ع

صحبت اہل صفا نور و حضور و سرور

صبح صادق ہوتے ہی اذان دی گئی، نماز صبح ہوئی، آج کے اخبارات نے ٹیگور ہال کے پروگرام کو نمایاں طور پر شائع کیا تھا، اندور سے کوئی انگریزی روزنامہ شائع نہیں ہوتا، ہندی کے کئی روزنامے شائع ہوتے ہیں اور ان میں سے بعض بڑے معیاری اور کثیر الاشاعت ہیں، مقامی احباب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس جلسے کا شہر کے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں بڑا چرچا اور اچھا تاثر ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

ناشتہ اپنی قیام گاہ پر ہوا، ہمارے میزبان حاجی ہارون صاحب اور ان کے گھر کے ہر فرد نے جس مسرت اور گرمجوشی سے مہمان نوازی کی وہ ایک نہ بھولنے والی خوشگوار یاد ہے، ٩ بجنے والے تھے کہ ہمارا قافلہ جامع مسجد چھاؤنی پہونچا، جہاں شہر کے مسلمان دانشوروں، سرکردہ حضرات اور تعلیم یافتہ طبقہ کو خطاب کرنا تھا، مسجد کے وسیع ہال میں مجمع منتظر تھا، تقریر کا آغاز عبدالکریم صاحب پاریکھ نے کیا، تھوڑی دیر میں حضرت مولانا مدظلہ تشریف لے آئے، اور حمد و ثنا کے بعد یہ تقریر فرمائی:–

یتیم کو رونا سکھانے کی ضرورت نہیں: حضرات! مثالیں بڑے طویل بلکہ صدیوں کے تجربات اور زندگی کے واقعات کا نچوڑ ہوتی ہیں، کوئی کہاوت، کوئی ضرب المثل، محض ذہین افراد کی ذہانت اور شاعروں کی شاعری نہیں ہوتی، بلکہ جو بات ضخیم کتابوں میں نہیں لکھی جا سکتی اور جس کے لئے ہزاروں صفحات بھی کافی نہیں ہیں، وہ ایک چھوٹی سی کہاوت اور ضرب المثل میں ادا کر دی جاتی ہے — ان میں سے عربی کی دو مثالیں ہیں، جب میں یہ مثالیں آپ کے سامنے پیش کروں گا تو آپ کو تعجب ہوگا کہ موجودہ حالات، ہمارے خیالات اور آج کے موضوع سے اس کا کیا تعلق ہے؟

پہلی مثال یہ ہے کہ "یتیم کو رونا سکھانے کی ضرورت نہیں"

دوسرے یہ کہ "کرایے کی رونے والیاں کسی غمزدہ ماں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں"

عربوں کا دستور تھا کہ جب کسی کے گھر کوئی میت ہو جاتی تھی تو وہ اپنی حیثیت کے مطابق پیشہ ور رونے والیوں کو کرایہ پر بلا لیتا تھا، اس نوحہ خوانی سے اور پیشہ ور نوحہ خوانوں کی تعداد سے گھر والوں کی مالی حیثیت کا اندازہ ہو جاتا تھا، تو کسی عرب نے کہا کہ "کرایہ پر رونے والی اس ماں کی طرح نہیں رو سکتی، جس کی گود سے اس کا بچہ چھین لیا گیا ہو، اور جسے اپنے لخت جگر کی جدائی کا صدمہ پیش آیا ہو" ہزار کرائے کی رونے والیاں ایک غمزدہ ماں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اگر اسلام سے صحیح تعلق و محبت ہو، وہ جان سے زیادہ عزیز ہو، اسی سے اپنی عزت، آبرو، مال و اولاد اور اپنے وجود کو وابستہ سمجھا گیا تو ذہن میں بہت سارے سوالات پیدا ہوں گے، راہوں کی تلاش ہوگی، طریقۂ کار کی فکر ہوگی پھر انگلی پکڑ کر یہ بتانے کی ضرورت نہ ہوگی کہ اس موقع پر یہ کرنا چاہیے اور یہ نہ کرنا چاہیے، غم اور فکر خود اپنا راستہ پیدا کر لیتے ہیں — فرض کیجیے کہ کسی گھر میں آگ لگی ہو، دھواں اٹھ رہا ہو، گھر میں صرف ایک دروازہ ہو تو آدمی کھڑکیاں پھاند جاتا ہے، روشندانوں سے نکل جاتا ہے، اس لئے کہ اس کو جان بچانے کی فکر ہوتی ہے۔

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا: سوالات بہت پیدا ہوتے ہیں، سوالات قابل احترام چیز ہے، میں ہمیشہ جواب دیتا رہا ہوں، امریکہ میں سوالات کا بہت رواج ہے، تقریر کم اور سوالات زیادہ، لوگ اپنے سوالات لیکر جاتے ہیں اور منتظر رہتے ہیں کہ تقریر ختم ہو اور ہم سوالات کریں، وہاں کے لوگ اس معاملے میں کچھ معذور بھی ہیں، کبھی کبھار کوئی دینی شخصیت وہاں جاتی ہے تو وہ ان کے مسائل میں اور وہاں کی زندگی اور ماحول نے جو Problems پیدا کر دئے ہیں، ان کے سلسلے میں وہ رہنمائی چاہتے ہیں، وہاں میں انہیں موقع دیا کرتا تھا، لیکن وہاں بھی بعض بعض جگہ میں نے کہا کہ جب تک میں تقریر کروں آپ اپنے ذہن میں سوالات نہ بناتے رہئے گا، اگر ذہن سوالات بنانے میں مصروف رہا تو تقریر کی افادیت کم ہو جائے گی، جب تک میں تقریر کروں آپ متوجہ رہیں۔

بدلے ہوئے حالات میں دو انقلاب جمع ہو رہے ہیں، زمانے کا انقلاب اور ملک کا انقلاب زمانہ بڑی تبدیلیاں لے کر آیا ہے اور ملک بھی بہت تیزی سے بدل رہا ہے بلکہ ہمارا ملک بدل چکا ہے، ان حالات میں جس کے دل پر چوٹ لگتی ہے، وہ لوگوں سے سوالات نہیں کرتا کہ صاحب میں کیا کروں، اگر یہ سوال ٥٠ آدمیوں سے پوچھے گا تو ٥٠ رائیں ہوں گی اور وہ ایک بھی نہ کر سکے گا، آسان تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایک شخصیت پر اعتماد کر کے اس کی رہنمائی میں جو سہل اور قابل عمل معلوم ہو اس پر عمل کیا جائے۔

دینی حمیت، ملی غیرت: ہندوستان کے بدلے ہوئے حالات میں ہمیں ہر حالت میں اپنے دین کی حفاظت کرنا ہے، اس کا ایک قابل غور و عمل راستہ یہ ہے کہ عوام میں دینداری پیدا کی جائے، وہ اسلام سے وابستہ، فرائض کے پابند، دینداری سے سرشار ہوں، صرف یہی کافی نہیں بلکہ ان کے اندر دینی حمیت اور ملی غیرت بھی ہو،

دینی حمیت کی ملی زندگی میں بڑی اہمیت ہے، بعض مرتبہ دینداری اتنا نہیں بچاتی جتنا دینی حمیت بچاتی ہے، اس لئے کہ دینداری کے لئے اتنا کافی ہے کہ آدمی اپنے گھر میں نماز، روزہ کرتا رہے۔ اپنے گھر میں سب سے الگ تھلگ رہ کر اپنے دین کی حفاظت کرتا رہے، لیکن جس کے اندر دینی حمیت ہوتی ہے وہ بہت سی غیر دینی چیزوں کو برداشت نہیں کر سکتا اور اس کی یہ حمیت بڑے کام آتی ہے، اسی حمیت سے فتنوں اور خرابیوں کو بریک لگتا ہے اور وہ آگے بڑھنے نہیں پاتیں۔

عوام میں دینی حمیت اور اسلامی جذبہ پیدا کرنے کے لئے کسی نئے تجربے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ٤٠۔٥٠ سال سے جو تجربہ تبلیغی جماعت کا ہے وہ کامیاب ہے اور کسی دلیل کا محتاج نہیں، عوام میں نمازوں کی پابندی، دینی احکام پر عمل، غلط رسوم و رواج سے پرہیز کا جذبہ پیدا کرنے میں اس تحریک نے بڑا کام کیا ہے — کل شام ایک مسجد میں جانا ہوا، وہاں ہار پھول ڈالے گئے، بڑی خوشی کا اظہار ہوا، ہم لوگ جب نماز پڑھ کر باہر نکلے تو دیکھا کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد مسجد سے باہر بازار میں مصروف ہے، حالانکہ ان سب کو مسجد میں ہونا چاہیے تھا، کیونکہ گاؤں کی یہ ایک ہی مسجد تھی۔ ہمارا جب فرائض سے تعلق نہیں تو اللہ تعالیٰ کی مدد کیسے نازل ہوگی۔ ہم چند لوگوں کا دیندار، تہجد گذار ہونا بھی کافی نہیں، اس سے مجموعی طور پر قوم اللہ تعالیٰ کی مدد کی مستحق اور سربلندی کی اہل نہیں ثابت ہوتی، پہلی ضرورت یہ ہے کہ عوام میں دین کی تبلیغ کی جائے، نماز روزے کا انہیں پابند بنایا جائے خدا کے غضب کو بھڑکانے والی چیزوں سے انہیں روکا جائے، ان میں دین کا فہم و شعور پیدا کیا جائے، اپنی دینی، اسلامی شخصیت کو برقرار رکھنے، تعلیم کے ذریعہ لوگوں کو مانوس کرنے، اخلاقی اور انسانی دعوت و پیام کے ذریعہ غیر مسلموں کو قریب کرنے کی کوشش کی جائے، تاکہ وہ سمجھیں کہ اسلام یہ ہے — غیر مسلم بھائیوں کے ذہن میں اسلام اور مسلمانوں کی بڑی غلط تصویر گئی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان وہ ہے جو تلوار یا لاٹھی لے کر مارنا شروع کر دے ہے جو اس کے سامنے آئے

اس کی تجربیت نہیں، وہ مجذوب ہوتا ہے، مذہبی جنونی ہوتا ہے، اس کی باتیں معقول ہیں کو نہ ماننا مسلمان کا شعار ہے۔ ان غلط فہمیوں کو مسلمان اپنے اسلامی اخلاق و کردار سے دور کر سکتے ہیں،

غیر مسلم یہ سمجھیں کہ مسلمانوں کو اللہ تعالٰی نے جو دین دیا ہے، اس کو سمجھے بغیر، اس کی قدر کئے بغیر اور اس سے فائدہ اٹھائے بغیر دنیا اور آخرت کی فلاح ممکن نہیں — وہ اس کا مطالعہ کریں، خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان میں اُردو زبان اور مختلف زبانوں میں اچھا لٹریچر تیار ہو گیا ہے،

اسلام کی صلاحیت پر اعتماد پیدا کیجئے: مسلم نوجوانوں کا اسلام پر، اسلام کی صلاحیت پر اعتماد بحال کرنا ضروری ہے، ان میں ایک طبقہ کا خیال ہے کہ اسلام نے دور جاہلیت اور اس تاریک زمانہ میں بڑا کام کیا، جب لڑکیاں زندہ دفن کی جاتی تھیں، بُت پرستی، اوہام پرستی عام تھی، عورت مظلوم تھی، اسلام نے اس زمانہ میں بڑا کام کیا لیکن اب اس کی ضرورت نہیں — ایسے نوجوانوں میں اسلام پر اعتماد کو بحال کرنے کی ضرورت ہے، اسلام کی وہاں سب سے زیادہ ضرورت ہے، جہاں سائنس اور مشینوں کی بہار ہے، لوہے کی ترقی ہے، یہ سب اوپری باتیں ہیں، اندر کھول ہی کھول ہے — ہم خود دیکھ کر آ رہے ہیں۔ دور کے ڈھول سہانے معلوم ہوتے ہیں۔

کوشش شرط ہے: بھائیو! اگر واقعی کام کرنے کا جذبہ ہے تو کیجئے، اللہ تعالٰی خود راہ متعین کرتا ہے، وہ خود فرماتا ہے، جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں، ہم ان پر اپنی راہیں کھول دیں گے، اتنا بڑا وعدہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے مگر شرط یہ ہے کہ تھوڑی کوشش ہو۔ کل ہی ایک صاحب نے دعا کے لئے کہا، ہم نے کہا بھئی جتنا ہو سکتا ہے ہم کریں گے، لیکن اپنی کوشش ضروری ہے، ہم نے ایک واقعہ سُنایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے زیادہ مقبول بندے اور مستجاب الدعوات کون ہو سکتے ہیں؟ لیکن ہمیں وہاں بھی اپنی بھر کوشش و محنت نظر آتی ہے، غزوۂ خندق میں صحابہؓ نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ پیٹ پر پتھر بندھے ہیں، آپ نے اپنا کُرتا اُٹھایا تو دو پتھر بندھے ہوئے تھے، کبھی آپ نے توکل کی تعلیم دی ہے اور کبھی شانِ کبریائی کی، اور حکم دیا کہ جو کچھ ہو لیتے آؤ پھر برکت کی دعا کی بمدد کم باموال و بنین کا مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالٰی جو کچھ ہے اس میں اضافہ کرے گا، ملک بھی بچائے گا، بندہ اپنے پاس جو کچھ ہے راہ خدا میں لگا دے، کامیابی، برکت، ترقی اور اضافہ اللہ تعالٰی فرمائے گا۔

دعا کے بعد یہ نشست ختم ہوئی اور ہم اسلامیہ کریمیہ کالج پہونچے، جہاں کالج کے طلبہ، طالبات، اسٹاف اور معززین شہر کی بڑی تعداد منتظر تھی۔

اسلامیہ کریمیہ کالج میں: اندور کے اس ڈگری کالج کا نام پہلی مرتبہ اپنے محترم دوست ڈاکٹر انور علی صاحب (ایم۔ایس سی، پی۔ایچ ڈی علیگ، حال پرنسپل انجمن کالج بھٹکل کرناٹک) سے سُنا تھا، ڈاکٹر صاحب اس کالج کے پرنسپل رہ چکے ہیں، اور کالج انتظامیہ کے بعض ممبران سے اختلاف کی بنا پر مستعفی ہو کر پونا (مہاراشٹر) چلے آئے اور پونا کالج آف سائنس، آرٹس اینڈ کامرس میں کیمسٹری ڈپارٹمنٹ کے سربراہ کی حیثیت سے تین سال تک کام کرتے رہے، ان دنوں راقم سطور اپنے وطن پونا ہی میں تھا، ڈاکٹر انور علی پونا کے سماجی تعلیمی اور دینی کاموں میں سرگرم حصہ لیتے رہے، ڈاکٹر صاحب کے بارے میں اندور کے احباب، کالج کے موجودہ انتظامیہ اور اسٹاف سے کلمات خیر اور تعریف سُن کر مسرت ہوئی۔

اسلامیہ کریمیہ کالج کی تاریخ پون صدی پر محیط ہے، ۱۹۰۲ء میں اسلامیہ کریمیہ سوسائٹی نے اس نام سے ایک اسکول قائم کیا جو ترقی کرکے انٹر کالج بن گیا۔ ۱۹۶۳ء میں اس کی موجودہ بلڈنگ کا افتتاح اس زمانہ میں جمہوریہ ہند کے نائب صدر ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم نے کیا۔

اسلامیہ کریمیہ کالج ترقی کے منازل طے کرتا ہوا، ڈگری کالج بنا، اس میں آرٹس، کامرس، سائنس کے شعبے قائم ہوئے، کالج میں اس وقت اٹھارہ سو طلبہ ہیں، کالج لائبریری میں بیس ہزار کتابیں ہیں، بجٹ ۵ لاکھ روپئے سالانہ ہے، بیس ہزار روپئے ماہوار اسٹاف کی تنخواہ کا بجٹ ہے — کالج کی روز افزوں ترقی اور طلبہ کی کثرت کی وجہ سے کھجوانہ روڈ کے ایک پُرفضا مقام پر چھ ایکڑ زمین حکومت سے حاصل کرکے کالج کی خوبصورت عمارت کی تعمیر شروع کر دی گئی ہے، تعمیر کے اس منصوبے کی تکمیل کے لئے ۱۵ لاکھ روپئے کا تخمینہ ہے، اسلامیہ کریمیہ سوسائٹی کے صدر خورشید حسن خاں ایڈوکیٹ اور سکریٹری عبد الحفیظ خانصاحب ایڈوکیٹ ہیں، مجلس منتظمہ میں شہر کے ممتاز حضرات ہیں، ہمارے میزبان حاجی ہارون صاحب (مالک ہارون پٹرول پمپ) بھی اس کالج کی مجلس منتظمہ میں ہیں۔

کالج میں جلسے کا وقت دس بجے صبح تھا، لیکن چھاؤنی جامع مسجد سے یہاں پہونچتے پہونچتے کچھ دیر ہو گئی، مجمع منتظر تھا، جلسے کی کارروائی کا آغاز مولوی عثمان صاحب ندوی کی قرأت سے ہوا۔ اس کے بعد رفیق محترم ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی نے حضرت مولانا مدظلہٗ کا تعارف کرایا، ڈاکٹر صاحب کی تعارفی تقریر کے بعد موقع کی مناسبت، طلبہ کی نفسیات اور ماحول کی رعایت کرتے ہوئے حضرت مولانا مدظلہٗ نے فرمایا:-

"میری جانب سے بس کالج کے لڑکوں کو دعا کہنا"

پرنسپل صاحب، اساتذہ، معززین شہر اور عزیز طالب علمو!

کسی اسکول یا کالج میں کوئی ایسا مضمون بیان کرنا، جس سے دماغ پر زور پڑے اور طالب علموں کو ایسا محسوس ہو کہ وہ کوئی فلسفہ پڑھ رہے ہیں، کسی نئے مضمون کا اضافہ کر رہے ہیں، یہ بڑے عیب کی بات ہے — میں نے اپنی زندگی ایک استاد کی حیثیت سے شروع کی، جیسا کہ میرے دوست جناب اشتیاق حسین صاحب قریشی نے بیان کیا، اس لئے مجھے طالب علموں کی سائیکالوجی اور ان کے احساسات کا پورا اندازہ ہے۔ جلسے بلائے جاتے ہیں تو لڑکے خوش ہوتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے لئے ایک Change ہوگا، تفریح ہوگی، نئی نئی صورتیں، نئے نئے لباس نظر آئیں گے، شہر کے دوستوں سے ملاقات ہوگی، ایسے ماحول میں اگر کوئی فلسفہ بیان کرنے لگے، منطق Logic کی بات کرے تو بڑی زیادتی ہوگی، اور سب سے زیادہ طالب علموں کو اس کے خلاف احتجاج کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

آپ نے اکبر الٰہ آبادی مرحوم کا نام سُنا ہوگا، اُردو کے بہت مشہور شاعر ہیں اور ان کے اشعار لوگوں کی زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں، انہوں نے بڑی بڑی سچائیاں، بڑی گہری باتیں ہنسی مذاق کی زبان اور تفریحی انداز میں بیان کی ہیں، ایک مرتبہ ان کے پاس علی گڑھ اینگلو محمڈن کالج کے (موجودہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ بنا) طلبہ کا ایک ڈیپوٹیشن آیا، اور اس نے کہا کہ ہم ایک جلسہ کر رہے ہیں، آپ اس موقع پر علیگڈھ کے طلبہ کے نام کوئی پیغام دیجئے — تو انہوں نے ایک شعر کہا، وہ شعر حقیقت کی پوری تصویر ہے ؎

خود اُن کا بوجھ کیا کم ہے کہ میں بھی کچھ کہوں ان سے
مری جانب سے بس کالج کے لڑکوں کو دعا کہنا

اب اگر میں دعا بھی کرنے لگوں تو آپ عبادت سمجھیں گے، کہئے صاحب نماز کا وقت نہیں پھر بھی دعا ہو رہی ہے۔ اکبر الٰہ آبادی نے جس مشکل کو آسان کر دیا تھا، میرے لئے وہ اب بھی مشکل ہے — اکبر الٰہ آبادی ایک پڑھے لکھے آدمی تھے، قدیم علوم کے بھی اور انگریزی کے بھی، میں نے بھی کچھ پڑھا ہے اور پڑھایا ہے — اس لئے مجھے معلوم ہے کہ کورس کتنا طویل ہوتا ہے، اس زمانہ میں یہ ایک پرابلم Problem بن گیا ہے، اتنے Subjects بڑھا دئے گئے ہیں کہ طالب علم پریشان ہیں، کسی بھی مضمون میں کمال پیدا نہیں ہوتا، طلبہ پریشان رہتے ہیں، اس صداقت کا، اس مشکل کا احساس کرتے ہوئے میں اپنے طالب علم بھائیوں اور بہنوں کو ایک کہانی سنانا چاہتا ہوں، اس وقت میرے مخاطب صرف طلبہ اور طالبات ہیں۔ آپ حضرات تو اس ادارے سے تعلق کی بنا پر آ گئے ہیں، آپ کو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے، آپ میں سے اکثر مسجدوں میں اور کل ٹیگور ہال میں بھی موجود ہوں گے، غالباً آج شام کے جلسے میں بھی آئیں گے، لیکن یہ طالب علم اور طالبات پھر ملیں یا نہ ملیں۔ اس لئے میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اسے ایک کہانی کی صورت میں پیش کرتا ہوں، کہانی پُرانی ہے، لیکن کہانی کبھی پرانی نہیں ہوتی، کہانی اگر پُرانی ہو تو اسے لوگ شوق اور دلچسپی سے سنتے ہیں۔

ساری عمر ڈبو دی: کہانی یہ ہے کہ طالب علموں کی ایک جماعت پکنک کے لئے گئی، موسم بہت اچھا تھا، ہوا خوشگوار، بھینی بھینی، ٹھنڈی ٹھنڈی سی تھی، انہوں نے بوٹنگ کا ارادہ کیا، ایک کشتی کرایہ پر لی اور سوچا کہ دریا کے اس پار اُتر کر تفریح کریں، خوشگوار سماں، دل و دماغ کو گدگدانے والی فضا، طلبہ کا موڈ اچھا تھا، دریا بھی موج پر تھا اور ان کی طبیعت بھی موج پر تھی، انہوں نے

آپس میں تفریحی جملے کہتے کہتے کشتی چلانے والے کو مخاطب کیا، سب نے اس غریب کو اپنا موضوع اور Target بنایا، ایک صاحبزادے نے ملّاح سے پوچھا، "چچا تم نے کیا کیا پڑھا ہے؟" ملّاح نے جواب دیا "بھیّا میں نے تو کچھ نہیں پڑھا"۔ دوسرے نے کہا جاگرفی تو پڑھی ہوگی؟ ملّاح نے ہاتھ جوڑ کر کہا یہ کس آدمی، کس ملک کا نام ہے؟ لڑکے ہنسے اور کہا کہ "تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ جاگرفی ایک فن کا نام ہے۔ ایک Subject کو کہتے ہیں"۔ ملّاح چپ ہو گیا، دوسرے صاحبزادے نے پوچھا "تم نے ہسٹری تو پڑھی ہوگی؟" "میں نے یہ بھی نام نہیں سُنا"۔ ملّاح نے کہا۔ تیسرے نے کہا "تم نے الجبرا تو ضرور پڑھا ہوگا، اس کے بغیر تو کام ہی نہیں چلتا"۔ ملّاح بیچارہ پھر شرمندہ ہو گیا، اس طرح لڑکوں نے مختلف مضامین کا نام لیا اور وہ بیچارہ شرمندگی سے اپنی لاعلمی کا اعتراف کرتا رہا اور سر جھکائے کشتی چلاتا رہا۔ اب لڑکوں نے کہا کہ تمہاری عمر کیا ہے؟ اس نے کہا یہی کوئی ۳۰ – ۳۵ برس — لڑکوں نے کہا کہ "تم نے اپنی آدھی عمر گنوا دی، اگر پڑھتے تو دس پندرہ سال میں گریجویشن کر لیتے"۔ ملّاح غریب چپ ہو گیا، غریب یونہی کمزور ہوتا ہے اور پھر بے پڑھا ہو تو ڈبل کمزور ہو جاتا ہے — مگر خدا کو اس کی غریبی اور بے بسی پر رحم آیا، ہوا تیز چلی، دریا میں طغیانی کچھ طوفان سا آ گیا، اور کشتی اِدھر اُدھر ہچکولے کھانے لگی، اب ملّاح کی باری تھی، اس نے کہا "میاں صاحبزادو! تم میں سے کسی کو پیرنا بھی آتا ہے؟" انہوں نے کہا پیرنا تو نہیں آتا، اس نے کہا جاؤ "تم نے تو ساری عمر ڈبو دی"۔ ملّاح نے کیسے پتہ کی بات کہی، انہوں نے کہا تھا "تم نے آدھی عمر کھو دی"۔ اس نے کہا "تم نے ساری عمر ڈبو دی"۔ پیرنا بھی ایک فن ہے اگر کسی نے دریا پار کرنا، کشتی کو ساحل پر لگانا نہ سیکھا تو ایسے موقع پر جاگرفی، ہسٹری، میتھمیٹک، لٹریچر کیا کام آئے گا۔ یہاں تو سیدھے سیدھے پیرنا جو اگر جاہل آدمی بھی جانتا ہو تو وہی کام آئے گا۔ اسی سے جان بچے گی، لڑکے اپنا سا منھ لے کر رہ گئے۔

بہت بڑا مسئلہ: یہ بڑی سبق آموز کہانی ہے، آج ہمارے سامنے بہت بڑا مسئلہ ہے، ہمارے طلبہ، اساتذہ، دانشور، مفکر، فلاسفر، مورخ، سائنس داں، ریسرچ اسکالرز سب کا مسئلہ کہ وہ علم و فن کے میدان میں تو بہت کچھ کر رہے ہیں، لیکن زندگی کے بہتے ہوئے دریا اور اس تیز و تند دھارے سے پار اُترنے کا فن وہ نہیں جانتے — ہم میں سے کتنے آدمی ہیں جو یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم اس دریا کی حقیقت، اس کی گہرائی، اس کی وسعت، اس کے سرچشمہ سے واقف ہیں۔ ہم اس سے کامیابی کے ساتھ پار ہو سکتے ہیں؟ زندگی کے دریا میں پیراکی کسی استاد کے بغیر نہیں آتی، پیراکی نہ تقریروں سے آ سکتی ہے نہ کتابوں سے، پیراکی تو اس فن کے کسی ماہر کی شاگردی سے سیکھی جا سکتی ہے، زندگی کے دریا سے بغیر ڈوبے کنارے پہونچ جانے کا علم و عمل سکھانے کے لئے خدا نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا — اللہ تعالٰی کے پیغمبروں میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ جاگرفی، الجبرا، تاریخ، جغرافیہ، سائنس اور مختلف علوم و فنون سکھانے آئے ہیں بلکہ سب نے یہ کہا کہ ہم انسان کو زندگی کے تیز و تند دریا سے کامیابی کے ساتھ کنارے پہونچ جانے کا فن بتانے آئے ہیں۔

ڈوبنا دو طرح کا ہوتا ہے، ایک ڈوبنا تو یہ کہ آدمی دریا کی تہ تک پہونچ جائے، اور مر جائے، دوسرا ڈوبنا یہ کہ گلے گلے پانی میں ڈوبا ہو، دلدل میں پھنسا ہو، نفس پرستی، انسان دشمنی، جارحانہ قوم پرستی، ذات پات کی پرستش، اقربا پروری کے دلدل میں پھنسا ہو اور اس سے نجات کی صورت نہ ہو، یہ بھی ڈوبنا ہے،

پیغمبروں نے علم کی ہمت افزائی کی: خدا کے پیغمبر صرف ایک جچی تُلی بات کہتے ہیں، کہ ہم اس دلدل سے نکالنے کا فن سکھانے آئے ہیں، اے انسانو! تمہیں تمہارے علمی کمالات، ذہنی صلاحیت، سائنسی ایجادات، تحقیق و ریسرچ کے ادارے یہ سب مبارک — ہم اس میں دخل نہیں دیتے، ہم اس میں رکاوٹ نہیں بنتے، ہم تو ایک سیدھی سی بات کہتے ہیں کہ اپنے مالک کو پہچانو — تم جس ملک میں رہتے ہو اس کے قانون، دستور، حقوق شہریت اور فرائض مملکت سے واقفیت جب ضروری سمجھتے ہو اور کون سی چیز قانون کے دائرے میں ہے اور کون سی بات خلاف قانون شمار ہوتی ہے اس کا علم رکھتے ہو، قانون قدرت اور مالک کائنات کے دستور بتانے کے لئے خدا کے پیغمبر آئے ہیں، انہوں نے ہمیں بتایا کہ یہ کائنات Universal ایک خالق نے پیدا کی اور وہی اس کو کنٹرول کر رہا ہے، پیدا بھی اس نے کیا اور Govern بھی وہی کر رہا ہے، وہ بلا شرکت غیرے ہم سب کا، پوری کائنات کا خالق و مالک اور منتظم ہے۔

پیغمبر علوم و فنون اور سائنس اور ٹکنالوجی کی ہمت شکنی نہیں کرتے بلکہ ہمت افزائی کرتے ہیں، کم سے کم میں کسی ایسے پیغمبر سے واقف نہیں جس نے کہا ہو کہ دنیا میں آنکھیں بند کرکے رہو، دماغ سے کام نہ لو، بے سوچے سمجھے اناڑی پن کی باتیں کیا کرو۔ میں نے جتنے پیغمبروں کے حالات پڑھے ہیں سب میں یہی ہے کہ وہ عالموں کو، دانشوروں کو پسند کیا کرتے تھے، پڑھے لکھے لوگوں کو اپنے قریب بٹھایا کرتے تھے، خود ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے قیدیوں کا فدیہ مقرر فرمایا کہ وہ مدینہ کے ناخواندہ بچوں کو پڑھائیں تو انہیں رہا کر دیا جائے گا۔

ایک مرتبہ آپ مکان سے باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ دو حلقوں میں بیٹھے ہیں، ایک حلقہ کے لوگ اللہ اللہ کر رہے ہیں، ذکر الٰہی میں مشغول ہیں اور دوسرے حلقہ میں سیکھنے سکھانے اور پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ چل رہا ہے، آپ نے ذکر کے حلقہ والوں کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، لیکن فرمایا کہ میں معلم اور معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، میرا پسندیدہ حلقہ پڑھنے پڑھانے والوں کا حلقہ ہے، آپ نے علم کی اس قدر سرپرستی اور ہمت افزائی فرمائی ہے اس سے زیادہ ہم اس میں اضافہ نہیں کر سکتے، تم شوق سے اسکول، کالج، یونیورسٹی قائم کرو، اسلام نے تعلیم کے بڑے بڑے ادارے، عظیم الشان یونیورسٹیاں قائم کیں،

جامعہ قرویین، جامعہ ازہر، جامعہ زیتونہ سینکڑوں برس کی قدیم یونیورسٹیاں ہیں جہاں ساری دنیا سے طلبہ پڑھنے آتے ہیں، اسلام علم کی ہمت افزائی کرتا ہے، مسلمان حکمرانوں اور بادشاہوں نے علم کی بہت خدمت کی، ان میں خود بھی بڑے بڑے عالم تھے، لیکن پیغمبر اس میں ایک اضافہ کرتے ہیں یہ کہ زندگی کا جو دھارا ہے، جس میں ہزاروں انسان، صدیوں کی تہذیبیں، علمی ذخیرے، بڑے بڑے مادّی کارنامے ڈوب گئے ہیں، اس دھارے سے بچنے کا علم و فن سیکھو، اس کے بغیر زندگی کا سفینہ سلامتی کے کنارے تک نہیں پہونچ سکتا،

اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو: دنیا کے کسی خطہ کے لوگوں نے جب اپنے پیدا کرنے والے کو بھلا دیا اور انہوں نے اپنے معدے کو مرکزی مقام Central Point بنا کر اس کے گرد گھومنا اور اس کی سیوا کرنا اپنا مقصد زندگی بنا لیا، کھاؤ، پیو، موج اڑاؤ Eat drink and enjoy کا جذبہ جب پوری سوسائٹی میں عام ہوا تو اس دھرتی پر بڑے بڑے طوفان آئے، جس میں انسان اور اس کا صدیوں کا اثاثہ بہہ گیا، خدا کے پیغمبر اسی مصیبت سے بچانے کے لئے کہتے ہیں کہ خوب پڑھو، ریسرچ کرو، ترقی کی معراج تک پہونچو، لیکن اپنے مالک کو پہچانو ؎

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اُڑو عرش پہ جھولو

پر ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

خدا کے پیغمبروں نے اپنی ساری محنت اس پر صرف کی کہ لوگ اپنے خالق کو پہچانیں، ہر کام رضائے الٰہی کے لئے کریں، ہر انسان دوسرے انسان کی عزت کرے، اس سے محبت کرے، ساری مخلوق کو خدا کا کنبہ سمجھے، اس کے دُکھ درد میں شریک ہو، صرف دولت کو اپنا معبود نہ بنائے، خود تکلیف اُٹھا کر دوسروں کو آرام پہونچائے، مظلوم کی مدد کرے، ظالم کا ہاتھ پکڑے، نفس پرستی کا جو دھارا بہہ رہا ہے اسے روکنے کی کوشش کرے، خدا کے پیغمبروں نے یہی پیغام دیا۔

عزیز نوجوانو! خوب پڑھو، خوب محنت کرو، کمال پیدا کرو، نام روشن کرو اپنا بھی اور اپنے والدین، خاندان، ملک، قوم اور اپنے کالج کا — ہر جگہ سے سند لو، ہر جگہ سے ڈگریاں

پاؤ، لیکن اپنے مالک کو نہ بھولو، آدمی کو آدمی سمجھو، اس کا شکار نہ کرو، جیسے آجکل رشوت کی گرم بازاری میں انسان کو شکار سمجھا جاتا ہے، ہمارے دفتروں میں بیٹھنے والے کسی ضرورت مند کی خدمت اور سیوا کی بجائے اس کو شکار سمجھ کر پیسے اینٹھتے ہیں، اس کا خون چوستے ہیں، اس کی مجبوری اور ضرورت سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں ـــــ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ کرپشن کے اس سیلاب کی لپیٹ میں تعلیمی ادارے بھی آ گئے ہیں، اسکول اور کالجوں میں داخلہ کے لئے رشوت دینی پڑتی ہے، میڈیکل کالجوں میں تو یہ وبا اور زیادہ ہے، وہاں admission اب غریب اور متوسط خاندان کے طالب علم کو ملنا محال ہے Donation کے نام سے ہزاروں روپے دینے پڑتے ہیں،

خدا کے پیغمبر یہ نہیں کہتے کہ تم نہ پڑھو اور جاہل رہو، پیغمبر کے غلام بھی یہ نہیں کہتے کہ علم و فن کو بالائے طاق رکھ دو۔ ان کا مقام اس سے بہت اونچا ہے، وہ یہ اضافہ کرتے ہیں کہ سب سے زیادہ مشکل کام زندگی کے دریا سے پار ہونا ہے، اس کی فکر و، اخلاق، انسانیت اور خوفِ خدا کے ساتھ زندگی گذارو، پیراکی کا یہ فن نجات کا راستہ ہے، یہ فن مذہب سکھاتا ہے، خدا سے ڈرنے والے استادوں سے یہ فن آتا ہے، مجھے اندازہ ہے کہ آپ کے یہاں ایسے لوگ ہوں گے جن سے آپ سیکھ سکیں، آپ کو اس فن کے سیکھنے کے لئے مسجد جانا پڑے تو مسجد جائیے، یہ فن جو بھی سکھا سکتا ہو اس کی خدمت میں جائیے، ضرورت پڑنے پر ہمیں اسپتال جانا پڑتا ہے، اسپتال سے آپ ڈرتے ہیں لیکن مسجد سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

میں آپ کی سافر نوازی سے متاثر ہوں اور اپنی اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے جن میں سے ہر ایک ایسا ہے کہ آپ اس کی تقریر سنیں، لیکن وقت کم ہے، میں سب کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں، میری دعا ہے کہ مرنے کے بعد ہم اپنے مالک کے سامنے سرخرو ہوں، یہی زندگی کے دریا کو پیرنے کا فن ہے، جس کا سیکھنا ہماری فلاح اور نجات کے لئے ضروری ہے،

حضرت مدظلہ، کی تقریر طلبہ نے سکون اور توجہ کے ساتھ سنی، اس کے بعد کالج کے سکریٹری صاحب نے کالج کی تاریخ، اس کی خدمات اور آئندہ منصوبوں کا ذکر اپنی خیر مقدمی تقریر میں کیا، ان کی تقریر میں باہمی اختلافات کا ذکر بھی تھا، مسلمانوں کے اجتماعی کاموں میں ہر جگہ اختلافات کا مرض عام ہو چکا ہے، اتحاد، مثبت طرزِ عمل اور باہمی اعتماد کے ذریعہ زیادہ بہتر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ کالج کے قانونی مشیر شری کلکرنی مہاراشٹرین برہمن ہیں جنھیں اپنے ہم وطن پا کر خوشی ہوئی، اور راقم سطور سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔ کالج کے پرنسپل صاحب اور شعبۂ اردو کے پروفیسر ہاشمی صاحب نے شکریہ ادا کیا، طلبہ کے یونین کے صدر جسبیر سنگھ چاولا نے حضرت مولانا مدظلہ، اور ان کے رفقاء کی گلپوشی کی۔

اسلامیہ کریمیہ کالج کے پروگرام کے بعد ظہر کی نماز ادا کی گئی، دوپہر کا کھانا رانی پورہ میں ایک میمن تاجر حاجی علی صاحب کے مکان پر تھا، کھانے پر بیرونی مہمان اور مقامی احباب کی بڑی تعداد مدعو تھی۔

آر۔ ایس۔ ایس کا وفد:

ٹیگور ہال میں حلقۂ پیامِ انسانیت کے جلسے اور وہاں کی تقریروں کا اندور کے عوام و خواص، مسلم و غیر مسلم حلقوں میں بڑا شہرہ اور چرچا تھا، مختلف جماعتوں کے ذمہ داروں اور کارکنوں نے ملنے کی خواہش ظاہر کی، اپنے یہاں مدعو کرنا چاہا، ہمارے مصروف پروگرام میں گنجائش کم تھی، تاہم اس موقع کو ہم نے غنیمت سمجھ کر ملاقات و تعارف کے لئے اپنے آرام و راحت کے لمحات کا بھرپور استعمال کیا، ٹیگور ہال کے جلسے میں راشٹریہ سیوک سنگھ کے عہدہ داران اور کارکنوں کی بڑی تعداد شریک تھی، ان لوگوں کی ملاقات کی خواہش پر تین بجے دوپہر کا وقت دیا گیا، ٹھیک وقت پر مدھیہ پردیش آر۔ ایس۔ ایس کے سنچالک، مہامنتری، منتری، آرگنائزر، آفس سکریٹری، ان عہدہ داروں اور کارکنوں پر مشتمل آٹھ نو افراد کا وفد ہماری جائے قیام ہارون منزل پہونچا، جناب عبد الکریم صاحب پاریکھ، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور راقم سطور سے وفد کی ایک گھنٹہ تک خوشگوار ماحول میں گفتگو رہی، وفد نے ٹیگور ہال کے جلسے اور حلقۂ پیامِ انسانیت کے اغراض و مقاصد سے اپنی گہری دلچسپی اور اچھے تاثرات کا اظہار کیا، ہم لوگوں نے اس ملک میں انسانیت و اخلاق، محبت و رواداری، مختلف مذہب و کلچر کے احترام اور ہندوستان کی رنگا رنگ تہذیب کے ساتھ انسانی وحدت کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیا جس سے وفد کے ارکان نے مکمل اتفاق کیا، وفد کے ممتاز رکن شری پرانجپے اور کئی ارکان مہاراشٹرین تھے، راقم سطور نے مرہٹی زبان میں ان سے تبادلۂ خیالات کیا، یہ چیز ان کے لئے پُر مسرت انکشاف تھی، ۱۹۲۵ء میں ایک مہاراشٹرین برہمن ڈاکٹر کیشو بلی رام ہیڈگیوار نے اس تحریک کو شروع کیا تھا، ۱۹۴۰ء میں اس تحریک کے بانی پہلے سر سنچالک ڈاکٹر ہیڈگیوار کی موت کے بعد سر سنچالک کے عہدہ پر ایک دوسرے مہاراشٹرین برہمن مادھو رائے گولوالکر کا (جو گرو گولوالکر کے نام سے معروف تھے) تقرر ہوا، آر۔ ایس۔ ایس کے تیسرے سر سنچالک بالا صاحب دیورس بھی مہاراشٹرین برہمن ہیں، اس ہندو احیاء پسند تنظیم کا اثر شمالی ہندوستان میں زیادہ ہے لیکن قیادت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، آر۔ ایس۔ ایس ہائی کمانڈ مہاراشٹرین برہمنوں کے ہاتھ میں ہے، اس تحریک کا مقصد ہندوؤں کو متحد اور منظم کرنا ہے، اس کے لٹریچر سے اندازہ ہوتا ہے کہ خالص مسلم دشمنی کی بنیاد پر اسے شروع کیا گیا، مسلم دورِ حکومت کی تاریخ کو مسخ کر کے ہندوؤں پر مظالم کی داستانیں گڑھ کر موجودہ دور کے مسلمان کو جارح، مذہبی جنونی اور بھارت کے ٹکڑے کرنے والا کہہ کر نوعمر بچوں اور غیر پختہ نوجوانوں کے ذہن کو مسموم کیا جاتا ہے، ان میں اپنے وجود و بقا، قدیم تہذیب، معاشرت، دھرم اور سنسکرتی، ملک اور قوم کی حفاظت کے نام پر ایسا جذبہ پیدا کیا جاتا ہے جس کے ڈانڈے جارحیت اور اسلام دشمنی سے جا ملتے ہیں، ایمرجنسی کے زمانہ میں جیل میں مسلم تنظیموں کے کارکنوں کی رفاقت نے مسلمانوں سے ان کی وحشت کو کسی حد تک کم کیا، اس زمانہ میں سیاسی مصالح کا یہ تقاضہ تھا کہ مسلم دشمنی، تنگ نظری اور جارحانہ قوم پرستی کو کم کر دیا جائے، مگر اس تحریک کا فکری سرچشمہ، اس کے بانی کے عزائم و خیالات، اس کے ذمہ داروں کی کتابیں، اس کے کارکنوں کی تربیت اس سے متاثر طلبہ کی تنظیم و دیارتھی پریشد کی سرگرمیاں، اس فکر سے متاثر ادیبوں اور صحافیوں کی تحریریں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس تحریک کے چند کارکنوں اور ذمہ داروں کے ساتھ جیل کی رفاقت و ملاقات، انہیں ان کی بنیادی فکر سے ہٹانے اور جارحانہ عزائم سے دستبردار کرانے میں قطعاً ناکافی ہیں، اس میدان میں مسلسل محنت و جد و جہد، تقلب ماہیت کی کوشش و دعا کا عمل جاری رہنا ضروری ہے۔ ؏

حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

ابھی تک اس تحریک کے عام کارکنوں، بلکہ ذمہ داروں میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بڑی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، اس کا ذاتی طور پر ہمیں اندازہ ہوا، ماہ نومبر میں رفیق محترم عبد الکریم صاحب پاریکھ کے ہمراہ آر۔ ایس۔ ایس کے کل ہند مرکز ہیڈگیوار بھون ناگپور جانا ہوا، وہاں مرکزی لیڈروں سے دیر تک گفتگو رہی پھر اسی سال جنوری میں سر سنچالک بالا صاحب دیورس کی لکھنؤ آمد پر ملاقات و گفتگو کے بعد اندازہ ہوا کہ ان کے ذہن کی گتھیوں کو سلجھانے اور دل بدلنے کے لئے بڑی محنت کی ضرورت ہے، اگر اس تحریک کو مسلمانوں کے دانشور طبقہ اور اہل علم اور صاحبِ دل بزرگوں نے نظر انداز کیا تو مستقبل میں ملک و ملت کے لئے یہ بہت بڑا خطرہ بن سکتی ہے،

پختہ زنّار، شکستہ تسبیح:

آر۔ ایس۔ ایس پارلیمانی سیاست سے کنارہ کشی کی پالیسی پر گامزن ہے، ۱۹۵۱ء میں جن سنگھ کے بانی ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی نے۔ ڈاکٹر ہیڈگیوار سے عملی سیاست میں حصہ لینے کی درخواست کی تو اس نے بلا توقف فوراً جواب دیا "Sangh does not take part in day-to-day politics"

آر۔ ایس۔ ایس اپنے بانی کے طے کئے ہوئے راستے پر آج تک چل رہی ہے تاہم اس نے سیاست و حکومت پر اپنا بھرپور اثر ڈالا ہے، موجودہ ہندوستان کے مرکزی کابینہ میں کم از کم تین وزراء، چار ریاستی وزرائے اعلیٰ اور کئی وزیر، حکمراں جماعت کے ایک چوتھائی رہنما اسی تحریک کے پروردہ ہیں اور ایک زمانہ میں نیکر پہن کر اور لاٹھی لے کر آر۔ ایس۔ ایس کی شاکھاؤں میں ڈرل، پریڈ کرتے رہے ہیں، ایڈمنسٹریشن کے اعلیٰ عہدہ داران اور عام ملازمین کی اکثریت اس تحریک سے متاثر ہے، ان کے دل میں سر سنچالک کا جو مقام اور احترام ہے وہ کسی اور شخصیت کا نہیں، سیاست کے خار زار سے دامن بچا کر، اس میدان کی حریفانہ کشمکش سے گریز کر کے اپنے کو خالص ہندو کلچرل آرگنائزیشن کا نام دے کر اس تحریک کی ایک دور رس منصوبے کے ساتھ پس پردہ رہ کر ملک کی سیاست و حکومت میں اپنا مطلوبہ انقلاب لانے کی کامیاب پیش رفت جاری ہے، یہ تو ہے "برہمن کی پختہ زنّاری" ـــ "شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ" کا افسوسناک منظر پڑوسی مملکت پاکستان میں اور ہندوستانی کشمیر میں دیکھئے۔ جہاں اسلامی انقلاب کے داعی اور شریعت اسلامی کے علمبردار پارلیمانی سیاست کے دلدل میں گلے گلے ڈوب کر اسلام کو تو نافذ نہیں کر سکے البتہ انہوں نے اسلام کے حریفوں کی فہرست اور اپنی مشکلات میں اضافہ ضرور کیا، تحریک اسلامی کے کارکنوں کو سیاسی ہنگامہ آرائی اور الیکشن میں کامیابی کی مہم کا ایسا چسکہ پڑ گیا ہے کہ اب سیاست ان کے لئے وہ کمبل ہے جس سے چھٹکارہ ممکن نہیں۔ جس ملت میں بیشمار ایسی شخصیتیں پیدا ہوئی ہوں جنھوں نے حکومت و سیاست سے کنارہ کش رہ کر اس کی نگرانی کی، مسلم حکومت کے لئے اچھے کارکن تیار کئے، اکبر کے دینِ الٰہی کے فتنہ کو ناکام بنا کر ایک خاموش انقلاب کے ذریعہ، پس پردہ رہ کر اسی تختِ سلطنت پر اورنگ زیب جیسے متشرع بادشاہ کو بٹھایا ہو، اس ملت کے دینی رہنما اور نظامِ اسلام کے داعی، اسلامی مملکت کے لئے کارکن تیار کرنے، اذہان کی تطہیر اور اصلاحِ معاشرہ کے ضروری عمل کو ثانوی درجہ دے کر مغربی جمہوریت اور انتخابات کے میدان کو اپنی محنت و توجہ کا مرکز بنائے ہوئے ہیں ـــ آر۔ ایس۔ ایس نے اپنے طریقۂ کار سے ملک کی مقننہ Legislature، انتظامیہ Executive میں اپنے ہمدردوں کی اکثریت پیدا کر لی ہے، عدلیہ Judiciary کے کارکن جہاں ڈھلتے ہیں اس پر آر۔ ایس۔ ایس کا غلبہ ہے، ملک کے بار ایسوسی ایشن کے ممبران کی اکثریت آر۔ ایس۔ ایس کی ہمنوا اور اس سے متاثر ہے، اس تنظیم نے ہندوؤں کے تعلیم یافتہ طبقے، دانشوروں، ادیبوں، صحافیوں اور طلبہ کو متاثر کیا ہے، باکردار، محب وطن، اپنے ویدک دھرم پر فخر و اعتبار رکھنے والے، اپنی سنسکرتی پر فخر کرنے والے، اپنے بزرگوں کا آدر کرنے والے لاکھوں نوجوان پیدا کر دئے، ہندو مذہب جس کی تعریف Definition مشکل ہے، جس کے پیرو مختلف کلچر و تہذیب، ثقافت و زبان، عقائد و معاشرت رکھتے ہیں، شمال کے ہندوؤں کے دیوتا جنوب کے ہندوؤں کے لئے ناقابلِ قبول، نامانوس، ایسی منتشر قوم کو کشمیر سے کنیا کماری تک منظم اور متحد کرنے، اور عسکری تربیت کے ذریعہ ان میں نظم و ضبط، جرأت و ہمت پیدا کرنے کا بیڑا آر۔ ایس۔ ایس نے اٹھایا ہے اور اس کام پر پوری توجہ مرکوز کر دی ہے، اسے اپنے مقصد سے عشق ہے، اپنے سر سہرا باندھنے کا شوق نہیں ـــ اس کے تربیت یافتہ مرکزی وزراء اٹل بہاری باجپئی (وزیر خارجہ) اور رام کرشن اڈوانی (وزیر اطلاعات و نشریات) کی سوجھ بوجھ، متوازن بیانات اور انتظامی صلاحیت پر انگلی اٹھانے کا کسی کو موقع نہیں ملا۔

اس کا موازنہ اسلامی تحریک کے رہنماؤں اور کارکنوں سے کیجئے تو بڑی مایوسی ہوتی ہے، اسلام کی منزل سے ملک دن بدن دور ہوتا گیا، بد سے بدتر قیادت آئی، معاشرہ کے اخلاقی زوال میں اضافہ ہوا، ایک کلمہ، ایک خدا، ایک رسول، ایک قبلہ اور ایک کتابِ ہدایت کے ماننے والے باہم دست بگریباں ہوئے، ایک حصہ نے علیحدگی اختیار کی، دوسرا حصہ علاقائی عصبیت اور ہر قسم کی خرابیوں کا شکار، کیا یہ حالات اس بات کی علامت نہیں کہ اسلام کے نام لیواؤں کا طریقۂ کار اور لائحہ عمل نظر ثانی کا محتاج ہے۔؟ ؎

دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ
بتکدے میں برہمن کی پختہ زنّاری بھی دیکھ

اندور یونیورسٹی میں:

آر۔ ایس۔ ایس کے وفد سے گفتگو جاری تھی کہ عصر کی اذان ہو گئی، اذان کی آواز سن کر حضرت مولانا اپنے کمرے سے باہر تشریف لائے، وفد کے ارکان کا موصوف سے تعارف کرایا گیا، حضرت مولانا نے سب سے خندہ پیشانی سے مصافحہ کیا، اور وفد کے ارکان کو انسانیت و اخلاق کے پرچار اور فرقہ وارانہ نفرت اور طبقاتی کشمکش کو دور کرنے کا مشورہ دیا، وفد نے بہت احترام سے حضرت مولانا کے ارشادات کو سنا، نماز کی صف بندی کے وقت وفد نے رخصت چاہی، ان لوگوں کے جانے کے بعد حضرت مدظلہ، نے فرمایا کہ ان لوگوں کو بیٹھنے کا مشورہ دینا چاہیے تھا تاکہ وہ دینِ مساوات کا طریقۂ عبادت بھی دیکھ لیتے، نماز غیر مسلموں کو متاثر کرتی ہے۔ ہم لوگوں کو اپنی اس کوتاہی پر افسوس ہوا۔ ہمارے میزبان حاجی ہارون صاحب، سرفراز صاحب ہارون، حاجی حبیب نے چائے ناشتہ سے وفد کی تواضع کی، گفتگو کے دوران ان کے علاوہ مولوی زبیر ندوی، مولوی ولی اللہ ندوی، قاضی عبد الحمید صاحب اور کئی احباب موجود تھے۔

نماز عصر کے بعد اندور یونیورسٹی کیمپس جانا ہوا، یونیورسٹی گیسٹ ہاؤس میں پروفیسر ڈاکٹر اقبال صاحب نے عصرانہ دیا تھا، عصرانے میں یونیورسٹی کے وائس چانسلر شریک ہونے والے تھے، لیکن ایک ضروری میٹنگ کی وجہ سے عین وقت پر انہیں اپنا پروگرام تبدیل کرنا پڑا، یونیورسٹی کے رجسٹرار، اسٹاف کے مسلم اور غیر مسلم ممبران، معززین شہر کی معتد بہ تعداد عصرانے میں شریک تھی، مغرب سے قبل تک Get-together سلسلہ جاری رہا، واپسی میں ہو کر ہاسپٹل میں مولانا معین اللہ صاحب ندوی کے بھانجے کی عیادت کے لئے حضرت مدظلہ، اور ہم سب پہونچے، ان کی طبیعت تشویشناک حد تک خراب تھی، مغرب کی نماز اپنی جائے قیام میں پڑھی، شب کا کھانا حاجی عبد الرزاق میمن سپاری والے کے یہاں محلہ رانی پورہ میں تھا، کھانے سے فارغ ہو کر کچی مسجد میں (جس کے امام و خطیب مولوی ولی اللہ ندوی ہیں) نماز پڑھی ـــ کچی مسجد کو راقم سطور کچھی برادری کے نام سے موسوم کچھی مسجد سمجھا تھا، لیکن اندور میں معلوم ہوا کہ یہاں مسجدوں کے نام اس قسم کے ہیں، کچی مسجد، پکی مسجد، اوپر والی مسجد، نیچے والی مسجد، سفید مسجد، کالی مسجد، چھوٹی مسجد، بڑی مسجد ـ مسجدوں کے نام اندور کی خصوصیت ہے کسی اور شہر میں مسجدوں کے اس قسم کے نام نہیں سنے تھے۔

درسِ تفسیر قرآن کا عظیم الشان جلسہ:

مولانا ابو البرکات صاحب فاروقی نے برسوں سے درسِ قرآن کا سلسلہ جاری رکھا ہے، آج محلہ رانی پورے کے ایک عظیم الشان جلسے میں انکے اس درس کے پانچویں دور کا اختتام تھا، تلاوتِ قرآن مجید اور نعت خوانی کے بعد انہوں نے ایک پُر جوش تقریر کی جس میں حضرت مولانا کا تعارف، ان کے دینی اور علمی مقام کا ذکر کیا اور اہل اندور کی اس خوش نصیبی پر مبارکباد دی کہ عالم اسلام کی ایک نابغۂ عصر شخصیت کی زیارت اور ان کے ارشاداتِ عالیہ کو سننے کی سعادت انہیں نصیب ہوئی، حضرت مولانا مدظلہ، ہنوز جلسہ گاہ میں تشریف نہیں لائے تھے، مولانا ابو البرکات صاحب نے اسی موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تفصیلی تعارف کرایا، اس کے بعد سورۂ فلق اور سورۂ ناس کی تفسیر بیان کی ـــ مولانا ابو البرکات صاحب کے بعد راقم سطور نے افتتاحی تقریر کی، دورانِ تقریر حضرت مدظلہ، تشریف لے آئے، میں نے تقریر روک دی مگر حضرت مولانا نے تقریر جاری رکھنے کی ہدایت فرمائی، میرے لئے سب سے مشکل مرحلہ حضرت مولانا کی موجودگی میں تقریر کرنا ہوتا ہے، لحاظ اور رعب کی وجہ سے زبان لڑکھڑا جاتی ہے، مضامین کا ورود، خیالات کی ترتیب، جملوں کی ساخت سب بے قابو ہو جاتے ہیں، چند منٹوں میں اپنی بات ختم کر کے میں نے اجازت چاہی، اس کے بعد حضرت مولانا کی تقریر ہوئی، مجمع ہزاروں کی تعداد میں تھا لیکن سکون و خاموشی کی چادر تنی تھی، مولانا نے خطبۂ مسنونہ کے بعد آیت لیس بامانیکم ولا امانی اہل الکتاب، من یعمل سوءًا یجز بہ الخ تلاوت کر کے فرمایا:۔

قرآن مجید کا اعجاز:

دوستو! اور بھائیو! آپ کے اس محبت و خلوص اور اس بڑے مجمع کو دیکھ کر پتھر دل بھی موم ہو جائے، اور اس کا بھی جی چاہے کہ اس کے پاس جو بڑی سے بڑی پونجی اور سوغات ہے وہ پیش کر دے، سچی بات تو یہ ہے کہ ایسے سچے طالب اور اللہ کے مخلص بندے کہیں جمع ہو جائیں تو ان کا بڑا حق ہے لیکن میرے پاس دینے کے لئے کیا ہے؟ ہم سب فقیر ہیں، جھولی پھیلائے ہوئے ہیں، ہاں قرآن مجید نے ہماری جھولی میں کچھ خیرات ڈال دی ہے۔۔۔

ہم اگر غنی ہیں تو اسی قرآن مجید کے خزانۂ علم سے

قرآن مجید کے مطالعہ سے کچھ موتی ہاتھ لگ جائیں تو ہم آپ کو پیش کریں۔ یہ انسانیت اور آدمؑ کے پورے کنبے کو دینے کے لئے کافی ہے،

بڑے بڑے فرمانرواؤں،

سرمایہ داروں اور دولت مندوں کو دینے کے لئے اگر کوئی چیز ہے

اور جو اضافہ کر سکتی ہے، دنیا بدل سکتی ہے، قسمت چمکا سکتی ہے،

وہ قرآن مجید کی بھیک ہے،

قرآن مجید تحت الثریٰ سے اٹھا کر افلاک و ثریا پر پہونچا سکتا ہے، اور جو لوگ اس پر عمل نہیں کرتے ہیں، ان کو منہ کے بل گرا دیتا ہے، یہی قرآن مجید ہے جس نے عرب کے خانہ بدوشوں، صحرا نشینوں کو جن کے پاس پیٹ بھر کھانے کو تھا نہ تن ڈھانکنے کو تھا۔۔۔ کہاں سے کہاں پہونچا دیا، جو ساربان تھے ان کو جہانبان بنا دیا ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

یہی قرآن مجید ہے جس نے عرب کے بدوؤں کو خانہ بدوشوں کو جن پر دنیا کو توجہ بھی نہ ہوتی تھی۔ ؏

"جہانبان و جہاں دار و جہاں آرا"

بنا دیا، انھوں نے قیصر و کسریٰ کے تاج کو پاؤں سے روندا اور ان کے تختِ سلطنت پر ایسے بے تکلف بیٹھے جیسے بوریے پر بیٹھتے ہیں ؎

در شبستانِ حرا خلوت گزید | قوم و آئین و حکومت آفرید
ماند شبہا چشمِ او محروم نوم | تا بہ تختِ خسروی خوابیدہ قوم

غارِ حرا میں ایک کملی پوش نے چند راتیں گذاریں، ایک قوم پیدا کر دی، ایک آئین دیا، ایک حکومت بنا دی، اس کی آنکھیں چند راتیں نیند سے محروم رہیں لیکن اس کی قوم تختِ خسروی پر

سونے کے قابل ہوگئی۔ اس نبی امی کے غلام قیصر و کسریٰ کے تخت پر قابض ہوگئے۔ قرآن مجید مٹی کو اکسیر بناتا ہے، اور جو اس کی ناقدری کرتا ہے، وہ اکسیر ہوتا ہے تو اس کو مٹی میں تبدیل کردیتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا بے لاگ قانون ہے، یہ دو دھاری تلوار ہے، اگر اسکا استعمال صحیح نہیں ہوا، ناقدری کی گئی تو قوموں کا کام تمام کرسکتی ہے، اللہ کا قانون بے لاگ ہوتا ہے اور ہر غیور قانون کسی حد تک بے لاگ ہوتا ہے، ہر باعزت شخص کے بات کی لاج ہوتی ہے، احترام ہوتا ہے، حکومتوں کا قانون جب نافذ ہوجاتا ہے تو اس کا احترام لازمی ہوتا ہے۔

اللہ کے ۲ دو قانون: اللہ تعالیٰ کے ۲ دو قانون ہیں، پہلا قانون جس سے ہمیں دن رات واسطہ پڑتا ہے وہ اس کا طبعی اور تکوینی قانون ہے، اس نے دنیا میں جو چیزیں پیدا کی ہیں، ان میں کچھ خاصیت رکھی ہے، جس کے سپرد جو خدمت کردی، وہ اس سے ذرا بھی سرتابی نہیں کرتا، پہاڑ کو حکم دیا کہ کھڑے رہو، دریاؤں کو حکم دیا کہ بہتے رہو، ھوا کو حکم دیا کہ چلتی رہے، سورج و چاند کو حکم دیا کہ روشن رہیں، آگ کو حکم دیا کہ جلائے، جب تک ہم حکم نہ دیں کہ یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ، اے آگ! ٹھنڈک اور سلامتی بن جا ابراہیم پر۔ اگر یہ حکم نہ آتا تو آگ کی مجال نہ تھی کہ وہ کام نہ کرتی جس کی خاطر پیدا کی گئی ہے، جلانا اس کی فطرت ہے، اور یہی اس کی بندگی، شرافت اور معقولیت ہے،

خدا نے دواؤں میں تاثیر رکھی، درخت کی پتیوں، گھاس اور کونپلوں، کنکر اور پتھروں میں تاثیر رکھی، نمک میں تاثیر رکھی، آپ نے یہ کبھی نہ سنا ہوگا کہ نمک نے نمکینی کا کام چھوڑ دیا، بعض چیزوں میں اس نے مٹھاس رکھی اور سینکڑوں برس سے وہ مٹھاس دے رہی ہیں، کیسی کیسی تہذیبیں آئیں اور کیسے کیسے واقعات ہوئے، طبیب حاذق پیدا ہوئے اور ان کے مطب قائم ہوئے، دنیا کیسے کیسے باجبروت اور جری لوگوں کے ہاتھوں میں آئی لیکن چیزوں میں جو خاصیت قدرت نے رکھی تھی وہ بدستور قائم ہے، دنیا کے نظام میں خدا کا قانون تکوینی بے لاگ، غیر جانبدار، عالمگیر اور دائمی ہے — کوئی اسے معطل نہیں کرسکتا

اعمال خاصیت رکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے دوسرے قانون کا تعلق کفر و ایمان، شرک و توحید، اخلاق و بداخلاقی، علم و عمل سے ہے، یہ بھی اپنی خاصیت رکھتا ہے، یہ قانون بچوں کا کھیل نہیں کہ کوئی اسے کھلونا بنائے یا معطل کردے یا اس کے نتائج سے انکار کردے، یہ بات اللہ تعالیٰ کے قانون، اس کی حکمت اور ربوبیت کے خلاف ہے کہ ہم سونٹھ کی خاصیت، سنکھیا کی خاصیت، گل بنفشہ کی خاصیت اور تمام چیزوں کی خاصیت کے قائل ہوں، ہم خدا فراموش انسانوں کی تیار کی ہوئی دوائیوں کے قائل ہوں، مگر اعمال کی خاصیت پر ہمارا یقین نہ ہو،

اعمال کی خاصیت اور اچھے اور برے نتائج کا علم ہمیں پیغمبروں کے ذریعہ ملا، جو انسانی تاریخ کے سب سے باکردار، سب سے سچے، سب سے نیک انسان تھے، شرک و توحید، اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی خاصیت کا ذکر اللہ کی کتاب قرآن مجید میں خدا کے آخری پیغمبر کے ذریعہ پوری نسل انسانی کے لئے آیا ہے، بندہ، خدا کی بندگی، تابعداری کے ذریعہ خدا کا محبوب بنتا ہے، اس کے ذریعہ دنیا میں امن و امان، لوگوں میں اتحاد پیدا ہوتا ہے، دشمنی دور اور عداوتیں کافور ہوتی ہیں، ملک نہ اسے فرقہ پرست کہتا ہے نہ قوم پرست۔

اللہ تعالیٰ نے ظلم کو حرام قرار دیا ہے، یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ حکومت شرک کے ساتھ تو قائم رہ سکتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی، ظلم کا نتیجہ ضرور نکلے گا، ظلم رنگ لاکر رہے گا — وہ سلطنتیں جن کا دنیا میں ڈنکا بج رہا تھا، مشرق سے مغرب تک جن کا طوطی بولتا تھا، ان کا چراغ گل ہوگیا، اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ ظلم چاہے آدمی کرے یا سلطنت کرے، ظلم میں یہ خاصیت ہے کہ وہ جلا کر راکھ کردے گی، وہ ظالم کو پچھاڑ دے گی — ہم لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ سیاسی چالاکی، مکر و فریب، جوڑ توڑ، دغابازی اور عیاری سے لوگ اقتدار حاصل کرلیتے ہیں، قرآن مجید صاف صاف کہتا ہے، وما کید الکافرین الا فی ضلال — اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عزت و دولت میں دیتا ہوں لیکن اس سے دل نہ لگانا، تمام پیغمبروں نے اعمال کی خاصیت اور نتیجہ کو بیان کیا ہے، حدیث میں آتا ہے الصدق ینجی والکذب یھلک، سچائی نجات دیتی ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے، ہم آپ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی سچا ہے لیکن ترقی سے محروم اور فلاں آدمی جھوٹا ہے، مکار ہے اور اسے ترقی ہورہی ہے اور اس کا اقبال ہے لیکن یہ سب ہماری نظر کا قصور ہے، ہماری ناسمجھی کا نتیجہ ہے،

شریعت جوان ہے: میرے بھائیو! ذرا انصاف کرو بیشمار ایسی چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں جنھیں ہم پاؤں سے مسل سکتے ہیں، دریابرد کرسکتے ہیں، جانوروں کو کھلا سکتے ہیں۔ ان کی خاصیت کے تو ہم قائل ہوں اور قرآن مجید کے اعلانات کی صداقت — اعمال کے نتائج اور اللہ تعالیٰ کے محبوب پیغمبروں کے ارشادات پر ہمیں یقین نہ ہو۔ قرآن مجید نے اسراف کی ممانعت کی ہے لیکن ہم آنکھ بند کرکے روپیہ اڑائیں گے، گھر پھونک تماشہ دیکھیں گے، غلط رسوم پر پانی کی طرح روپیہ بہائیں گے لیکن بچوں کی تعلیم کے لئے مدرسے، مریضوں کے شفاخانے، قائم کرنے سے ہمیں دلچسپی نہ ہو، بستی شہرت اور شہر میں چرچا ہو، دھوم مچے اس کے لئے سب کچھ کریں گے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں خدا کا قانون مؤخر اور منسوخ کردیا جائے گا؟ ہم مسلمانوں نے یہ سمجھا ہے کہ خدا کا قانون غیروں کے لئے تو ہے، ہمارے لئے نہیں — آگ کا شعلہ اپنا کام کرتا ہے اور ہماری صورت دیکھ کر کوئی رعایت نہیں کرتا، تو کیا خدا کا قانون پاسداری اور جانبداری برتے گا۔؟

آج مسلمانوں کی زندگی بتارہی ہے کہ انہوں نے خدا کے قانون کو بے لاگ نہیں سمجھا، جیسے پہلے لوگ سمجھتے تھے، مجھے ایک بزرگ کی بات بہت پسند آئی، ایک بوڑھی عورت ان سے بیعت ہونے کیلئے آئی، انہوں نے اسے بے پردہ سامنے بیٹھ کر بیعت کرنے سے انکار کردیا۔ اس بڑھیا نے کہا حضور میں بھی بوڑھی اور آپ بھی بوڑھے کیا حرج ہے ایسے بیعت کرلیں، ان بزرگ نے جواب دیا،

"بڑی بی! یہ صحیح ہے کہ ہم دونوں بوڑھے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت جوان ہے۔ اور وہ رہتی دنیا تک جوان رہے گی،

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا، کہہ کر اس کی ابدی جوانی کا اعلان کردیا گیا۔ وہ ہمیشہ جوان رہے گی، جب چارج دیا جائے گا تو ویسے ہی جوان رہے گی، جیسے غار حرا میں اس کی آب و تاب تھی، وہی قرآن، وہی شریعت جو مکہ سے مدینہ جاکر، عرفات کے میدان میں تکمیل کو پہونچی، آج بھی تر و تازہ، زندہ و تابندہ ہے،

سلطنتیں بوڑھی ہوتی ہیں، تہذیبیں بوڑھی ہوتی ہیں، فلسفے بوڑھے ہوتے ہیں، آدمی بوڑھے ہوتے ہیں، لیکن سنت و شریعت جوان رہتی ہے۔ چونکہ شریعت نے پردے کا حکم دیا ہے اس لئے تم میرے ہاتھ میں ... ہاتھ نہیں دے سکتیں، چاہے تم بوڑھی ہو، تمہارے ہاتھ میں رعشہ، چہرے پر جھریاں ہوں، لیکن شریعت تو جوان ہے اور ایسی جوان کہ اس کے برابر کوئی جوان نہیں۔

جنہیں خود نہیں معلوم کہ کل کیا ہوگا؟: مسلمان بھائیو! ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ شریعت ریٹائرڈ ہوچکی ہے، شریعت نے بہت زمانے تک خدمت کی، صدیوں خدمت کرتی رہی اور اب ریٹائرڈ ہوگئی — لیکن خدا اعلان کرتا ہے "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"۔ میں نے دین کو مکمل کردیا، قیامت تک کے لئے تمہارے لئے اسلام کو منتخب کرلیا، اگر تمہیں عزت حاصل کرنی ہے، نجات پانی ہے تو اس کا راستہ یہی ہے، العزة للہ ولرسولہ وللمومنین — ہم حکومتوں سے عزت کے طلب گار ہوتے ہیں جن کو خود پتہ نہیں ہوتا کہ کل کیا ہونے والا ہے، مارچ ۱۹۷۷ء کی نہ جانے کونسی تاریخ تھی میں خوش قسمتی سے یا بدقسمتی سے رائے بریلی کا رہنے والا ہوں، جہاں گذشتہ حکومت کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا،

رات سویا تو اندرا جی کی حکومت تھی، صبح نماز کے لئے مسجد پہونچا تو معلوم ہوا کہ ان کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ ان حکومتوں میں عزت پانے کے لئے لوگ خدا کے قانون کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، اُن کو خبر نہیں کہ رات کو سوئیں گے تو کیا صبح اسی حکومت کے زیر سایہ ہوں گے؟ میں اسی حکومت کو نہیں کہتا یہ تو شروع سے چلا آرہا ہے ؎

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ ایک عارضی شے ہے
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارہ

یہ سب کے ساتھ ہوا، عباسیوں کے ساتھ ہوا، رومیوں کے ساتھ ہوا، مغلوں کے ساتھ ہوا۔ عباسی خاندان نے تقریباً ساڑھے پانچسو سال تک حکومت کی، ساری دنیا میں اس کا ڈنکا بجتا رہا اور وہ امیر المومنین کہلاتے رہے لیکن ان کی بھی کتاب تہہ کرکے رکھدی گئی، اسی طرح ہندوستان میں مغلیہ خاندان عرصہ تک حکمراں رہا اور پھر زوال کا شکار ہوا۔ کوئی بھی حکومت ہو چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم بے سہارا اور ناقابل اعتماد ہے۔ اس سے اپنی قسمت وابستہ کرنا عقلمندی نہیں۔

اسلام اللہ کے حکم کا نام ہے: میرے بھائیو! اصل چیز یہ ہے کہ ہمیں اپنی زندگی بدلنی چاہئے، اپنی زندگی کو قانون الٰہی کے مطابق بنانا چاہئے، جس کے بغیر عزت، سکون اور اطمینان کی صورت نہیں۔ ہزار جتن کرو، کسی بھی پارٹی میں شامل ہوجاؤ، کتنے ہی سرمایہ دار ہوجاؤ حقیقی عزت نہیں ملے گی، حقیقی اطمینان و سکون نصیب نہیں ہوگا، جب تک قانون الٰہی کے مطابق زندگی نہ ڈھالوگے۔ جو حقائق مقرر کردئے گئے، جو فروع طے کئے گئے، جو اعمال مقرر کئے گئے، ان پر عمل کرو۔ جو ناجائز ہے اسے ناجائز سمجھو، اگر سلطنت خدا کی ناراضگی کی قیمت پر ملتی ہو تو اسے ٹھکرادو، اس پر لعنت بھیجو، اگر خدا کی اطاعت میں سلطنت و دولت جاتی ہو تو خدا کا شکر ادا کرو۔ صحابہ کرامؓ نے یہی کیا۔ اسلام اللہ کے حکم کا نام ہے، وہ کسی قومیت، کسی خاندانی نسبت کا نام نہیں۔

میرے بھائیو! آپ کا مجمع دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، یہ نہ سمجھئے گا کہ میں آپ کے سامنے تقریر کررہا ہوں، میں آپ کو کسی غلط فہمی میں بھی نہیں رکھنا چاہتا، میں آپ کو یہ بھی اطمینان نہیں دلاتا کہ تمام نمازیں معاف، ایک رات میں اتنا پڑھ لیجئے تمام گناہ معاف، آپ جو چاہے کریں، میں آپ کے سامنے حقائق پیش کررہا ہوں، اپنی زندگی کو قرآن کے سانچے میں ڈھالئے، اللہ تعالیٰ کے احکام کو اپنی زندگی میں داخل کیجئے۔

خدائی احکامات پہلے اپنے پر نافذ کیجئے: رانچی میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا عظیم الشان اجلاس تھا، ساٹھ ہزار سے ایک لاکھ تک مجمع کا اندازہ تھا، مسئلہ پرسنل لا کے تحفظ کا تھا، میں انہی دنوں امریکہ سے واپس آیا تھا، میرے پاؤں میں تکلیف تھی، منتظمین جلسہ کے اصرار پر مجھے بھی جانا پڑا، جلسے میں بڑی پرجوش اور مدلل تقریریں ہوتی رہیں، لوگ اشتیاق سے سن رہے تھے، جب میری تقریر شروع ہوئی تو مجمع منتظر تھا میں حکومت کو ایسا للکاروں گا کہ حکومت کا تخت بھی ہل جائے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں حکومت سے نہیں ڈرتا لیکن میں نے کہا کہ اللہ کے بندو! تم حکومت سے کہتے ہو کہ وہ تمہارا شخصی قانون باقی رکھے، لیکن کیا تم نے بھی اس قانون کو باقی رکھا ہے، تمہارے گھروں میں، تمہاری زندگی میں اس قانون پر عمل ہے، اگر اس قانون پر تم عمل نہیں کروگے تو زبردست حکومتیں بھی اس کو باقی نہیں رکھ سکتیں، سب سے پہلے تمہیں خدائی احکامات کو اپنے پر نافذ کرنا چاہئے،

تم کہتے ہو کہ ہم جان دیں گے، لیکن اس قانون میں ترمیم نہ ہونے دیں گے، بتاؤ تم نے اس قانون کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ کتنے ہی آدمیوں نے دوسروں کے کھیت اور جائداد پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے، کتنے ہی ان حقوق کو تم نے ادا نہیں کیا جو قرآن مجید کی سورۂ نساء میں نازل ہوئے ہیں، نکاح، طلاق اور وراثت کے سلسلے میں تم قرآن، حدیث اور خدا کی شریعت پر عمل نہیں کرتے، کب طلاق دینی چاہئے؟ مطلقہ کے حقوق کیا ہیں؟ اس کا نفقہ کتنے دن تک ہے؟ اور وہ کہاں رہے گی؟ ان سب پر غور اور عمل نہیں کرتے، تمہاری بیریاں

جو اللہ تعالیٰ کی نام کی برکت سے تمہاری شریک زندگی اور رفیقۂ حیات بنیں، بیگانہ سے یگانہ ہوئیں، رفیق سفر بن گئیں، کیا تم ان کے حقوق ادا کرتے ہو؟ یہ جو ہزاروں انسان یہاں بیٹھے ہیں کیا ان کے گھر والے مطمئن ہیں۔؟ اگر ہم نے اپنی شریعت پر عمل نہیں کیا تو لاکھ دستوری تحفظ کے باوجود وہ خطرہ میں ہے۔ حکومت سے بھی مطالبہ کیجئے اور اپنی زندگی میں بھی اسکو جاری کیجئے۔ رانچی کے لوگ نہ جانے مجھ سے کس پرجوش تقریر اور حکومت کو للکار سننا چاہتے ہوں گے، لیکن میں نے انہیں پہلے اپنے گھروں کو اپنی زندگی کو درست کرنے کی ہدایت کی، آپ کو بھی ایسے لوگ مل جائیں گے جو آپ کی ذمہ داریاں بھی کم کردیں گے اور نمازیں بھی معاف کروا دیں گے، پانچ وقت کی نماز کا بدل نذرانے کو بتادیں گے، یہ بھی کہیں گے کہ قیامت کے دن ہمارے جھنڈے کو پہچان کر اس کے نیچے آجانا، بغیر حساب کتاب کے جنت مل جائے گی۔ لیکن میں آپ کو اس غلط فہمی میں نہیں رکھنا چاہتا، اس لئے کہتا ہوں کہ اپنی زندگی بدلئے، اپنی زندگی کو قرآن مجید کے سانچے میں ڈھالئے، پھر دیکھئے کہ آپ ہی آپ ہوں گے، انتم الاعلون ان کنتم مومنین، خدا کے عزت و جلال کی قسم پھر آپ کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جل سکتا، آپ عمل کرکے تو دیکھئے۔

آئیے ہم اپنی زندگی بدلیں، دین کے اکثر قوانین ہم کو معلوم ہیں اور جو معلوم نہیں اسکو معلوم کریں، اور اپنی زندگی اسلام کے مطابق ڈھالیں، اسلام کے قانون اخلاق، قانون معاشرت کے مطابق بنائیں، پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کیا عزت اور محبوبیت عطا فرماتا ہے، کیسی برکت اور رحمت نازل ہوتی ہے، کیسی مشکلات آسان ہوتی ہیں، جان و مال کی حفاظت ہوتی ہے،

بھائیو! آخر میں یہ کہونگا کہ اپنے عزیز اقربا، خاندان اور برادری کے حقوق پہچانئے، ملک و قوم کے لوگوں اور برادران وطن کے ساتھ محبت اور برابری کا سلوک کیجئے، ان کے ساتھ عدل کا معاملہ کیجئے، سب کی قدر کیجئے، ایمانداری برتئے، ہر ایک کا ہمدرد بنئے، ہر ایک کے کام آئیے، ہر ایک کے لئے دعائے خیر کیجئے، ہر ایک کا بھلا چاہئے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ آنکھ پر بٹھائے جائیں گے، آپ دل میں جگہ دئے جائیں گے، سب نفرتیں اور عداوتیں ختم ہوجائیں گی۔

اندورا آج جس حال میں ہے انشاء اللہ کل اس سے بہتر ہوگا، زندگیاں بدل جائیں گی، یہ پیغام ہے اس پر عمل کیجئے، یہ جلسے، یہ مسجدیں، یہ مدرسے اسی پیغام کو پہنچانے کا ذریعہ ہیں اور ان کا اصل مقصد یہی ہے،

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مولانا تقریر فرماکر قیام گاہ تشریف لے گئے، عبدالکریم پاریکھ صاحب کی تقریر جاری تھی، درس قرآن مجید پاریکھ صاحب کا اصل موضوع ہے، گذشتہ ۲۵ سال سے ناگپور کی جامع مسجد میں ہر اتوار کو پابندی سے وہ درس دیتے ہیں، مجلس تعلیم القرآن کے ذریعہ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے کی ایک کامیاب تحریک وہ چلا رہے ہیں، قرآن کے ترجمہ اور تفہیم میں مدد کے لئے "لغات القرآن" نامی انہوں نے ایک لغت تیار کی ہے جس سے معمولی اردو داں بھی قرآنی الفاظ کے معانی دیکھ کر کسی حد تک ترجمہ سمجھ سکتا ہے۔ درس قرآن مجید کے اس جلسے میں پاریکھ صاحب نے مفصل تقریر کی، رات ۲ بجے تک یہ سلسلہ جاری رہا، مولانا ابوالبرکات صاحب کی دعا پر جلسے کا اختتام ہوا، ہم اپنی قیام گاہ پہونچے تو ایک ساعت شب ہوچکی تھی، رات خاصی بیت چکی تھی، تاہم ہمارے میزبان حاجی ہارون صاحب اور ان کے صاحبزادوں نے راقم سطور اور پاریکھ صاحب کی رعایت سے چائے کا اہتمام کیا، ڈاکٹر اشتیاق صاحب شب کو چائے نہ پینے کے اصول پر سختی سے کاربند رہتے، ایک آدھ بار کے علاوہ ہم لوگوں کو ان کی توبہ شکنی میں کامیابی نہیں ہوئی — رات ہی ہم نے اپنا سامان درست کیا، کل علی الصبح دھار، مانڈو، دیپالپور روانگی تھی۔ مولوی ولی اللہ ندوی، مولوی فضل اللہ ندوی اور وہ احباب جنہیں صبح دھار جانا تھا ہارون منزل ہی میں قیام کیا۔ دیو آس کے کچھ حضرات وہاں کے پروگرام کے لئے بہت مصر رہے لیکن وقت میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے معذرت کردی گئی۔

۷؍ دسمبر ۱۹۷۷ء، اندور سے دھار: حسب معمول صبح صادق سے قبل بیدار ہوئے، آج سفر کی ہماہمی تھی، اپنے بستر اور غیر ضروری سامان کو یہیں چھوڑ کر نماز سے فارغ ہو کر صبح ۸ بجے کاروں کا کارواں دھار روانہ ہوا، صبح کا پُر کیف سماں تھا، صاف و شفاف پختہ سڑک سے گذرتے اردگرد کے سرسبز و شاداب ماحول میں جابجا کھجوروں کے درخت اور اس خطہ میں نخلستان کا منظر اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ کبھی یہاں ان قافلوں کا پڑاؤ ہوگا جو ساری دنیا میں ۔ ع

مے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے

ابھی اس راہ سے گذرا ہے کوئی کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی

اس نخلستان کو "عبد الرحمٰن اول" جیسے احساسات رکھنے والا کوئی عرب آج بھی دیکھ لے تو اپنے جذبات کی ترجمانی اقبالؒ کے اشعار سے کرے گا ؎

میری آنکھوں کا نور ہے تو میرے دل کا سرور ہے تو
اپنے وادی سے دور ہوں میں میرے لئے نخل طور ہے تو
غربت کی ہوائیں بار ور ہو ساقی تیرا نم سحر ہو
مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے مومن کا مقام ہر کہیں ہے

دھار، مالوے کے پرمار خاندان کی راجدھانی تھی، جس کی بنیاد نویں صدی عیسوی کے اوائل میں سردار اپیندر یا کرشن راج نے رکھی تھی، یہ بہت قدیم شہر ہے، پرمار شہنشاہیت کے زمانہ میں پورے ہندوستان میں تعلیمی، ثقافتی، تہذیبی مرکز کی حیثیت سے اس کی شہرت تھی، مشہور و معروف راجہ بھوج کی ۱۰۱۰ء میں مالوا کے دار السلطنت دھار میں تخت نشینی ہوئی تھی اس نے ۴۰ برس تک کامیاب حکومت کی، اس راجہ کی شہرت علم و فن کے مربیؔ اور عادل و منصف کی حیثیت سے تاریخ میں محفوظ ہے، علم ہیئت، فن تعمیر، علم عروض اور دیگر علوم و فنون کی اکثر کتابیں اس کے نام سے منسوب ہیں۔

دھار کی ایک عظیم الشان مسجد کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ کسی زمانہ میں راجہ بھوج کی سنسکرت پاٹھ شالا تھی۔

ایک روایت: بھوج نامی راجہ غالباً ایک سے زائد گذرے ہیں، کسی راجہ بھوج کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ معجزۂ شق القمر دیکھ کر ایمان لایا تھا، آئینۂ اودھ کے مصنف نے اس کے متعلق سُنی ہوئی روایت درج کی ہے، لیکن تاریخ و سیر میں اس واقعہ کا تذکرہ نہیں، نواب شاہجہاں بیگم والیہ بھوپال اپنی تاریخ تاج الاقبال میں لکھتی ہیں کہ دھار میں عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت عبد اللہ چنگالؒ مکہ معظمہ سے مالوہ آئے، جن کے ہاتھ پر راجہ بھوج اسلام لایا، اس سے قبل وہ معجزۂ شق القمر دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غائبانہ ایمان لاچکا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ رئیسہ بھوپال کو اس قصیدہ کے اشعار سے یہ خیال ہوا جو حضرت چنگالؒ کے مزار پر کندہ ہیں، جن کے چند اشعار یہ ہیں ؎

چو وقت آمد کہ خورشید حقیقت شود طالع دریں بلدائے دیجور
رسد ایں خیر مرد از مرکز دیں دریں دیر کہن با جمع جمہور
بزد برہم تماثیل و بتاں را مصلاّ ساختہ آں معبد زور
چوں رائے بھوج دید ش انوارش مسلماں گشتہ با اہل ہمہ سور
بنور شرع روشن گشت ایں قصر رسوم شرک شد معدوم و مدحور
زہجرت مقصد و پنجاہ و نہ بود کہ تاریخش مجدد گشت مسطور

آخری شعر سے واضح ہوتا ہے کہ ۸۵۹ھ میں آپ کا دوبارہ مزار تعمیر ہوا ہے، آثار مالوہ کے مصنف کے خیال میں جس راجہ بھوج نے حضرت موصوف سے کلمۂ توحید پڑھا ہے وہ اس وقت کا کوئی مقامی راجہ ہوگا، راجہ بھوج متوفی سمت ۱۱۶۲ کے عہد میں مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد شروع نہیں ہوئی تھی ـــــ سنین کی مطابقت سے راجہ بھوج کے عہد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا پایا جاتا ہے، راجہ بھوج سمت ۵۴۲ میں تخت نشین ہوا اور سمت ۶۲۱ میں فوت ہوا، اس حساب سے سن ہجری کا تیسرا سال آتا ہے۔

کرنل ٹاڈ مورخ تاریخ راجپوتانہ کی تحقیق میں ۵۶۷ء میں راجہ بھوج گدی پر موجود تھا، ۵۷ سال بکرمی سن کے بعد سن عیسوی کا آغاز ہوا، ۵۶۷ء میں ۵۷ عدد کو شامل کر دیا جائے تو سمت ۶۲۴ بکرمی ہوتا ہے۔ اس وقت راجہ بھوج زندہ تھا،

اسلام کا داخلہ: چودہویں صدی عیسوی کے آغاز میں مسلمانوں نے دھار پر قبضہ کیا، تقریباً چار سو سال تک وہ یہاں کے حکمراں رہے، مالوہ اور اس کے نواح میں چشتیہ سلسلے کی اشاعت حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے جن خلفاء کے ذریعہ ہوئی ان میں شیخ کمال الدینؒ بہت ممتاز ہیں، شیخ کمال الدینؒ شیخ نصیر اللہ بن بابا فریدؒ کے پوتے تھے، حضرت محبوب الٰہیؒ کے دامن تربیت سے وابستہ ہوئے، شیخ نے انہیں ایک چنبیلی کا پھول دیا اور کہا کہ تم مالوہ جاکر رہو، اپنے شیخ کے فرمان پر انہوں نے مالوہ کا رُخ کیا، دھار میں سکونت اختیار کی اور ارشاد و تلقین میں مصروف ہو گئے، سلاطین مالوہ کو ان سے بڑی عقیدت تھی، سلطان محمود خلجی (م ۱۵۳۰ء) نے شیخ کی قبر پر گنبد اور متعلقین سلسلہ کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرائی تھی، مصنف سیر الاولیاء نے لکھا ہے کہ سلطان محمد تغلق کے عہد میں شیخ کمال الدینؒ دھار سے دہلی تشریف لائے تو انہوں نے ان سے ملاقات کی تھی۔

"در عہد سلطان محمد تغلق در شہر دہلی از دھار کہ مقام سکونت او بود آمد، کاتب حروف بخدمت ایں بزرگ بسبب رعایت حقوق خاندان معظم ایشاں کہ آباء و اجداد کاتب حروف را اشتند رفتہ بود"۔

شہنشاہ اکبر نے ۱۵۹۸ء میں دھار کا دورہ کیا تھا، ۱۴۰۵ء میں دلاور خاں نے لاٹ مسجد بنائی، یہ نام لوہے کے ایک ستون کی وجہ سے مشہور ہوا، شیخ کمال الدینؒ کا مقبرہ اور وہ مسجد جو راجہ بھوج کی پاٹھ شالا کے نام سے مشہور ہے، چودہویں یا پندرہویں صدی عیسوی کی تعمیر کردہ ہنوز اچھی حالت میں موجود ہے، مسجد میں پانچوں وقت نماز نہیں ہوتی کیونکہ ہندو معترض ہوتے ہیں، شمالی سمت کی بلندی پر ایک قلعہ کے آثار ہیں جس کے پتھر سُرخ ہیں، اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے محمد بن تغلق نے چودہویں صدی میں تعمیر کیا یہاں ایک گنج شہیداں ہے جس میں چالیس شہداء مدفون ہیں۔

۱۷۳۰ء تک یہاں مسلمانوں کی حکمرانی رہی، بعد مرہٹہ اس پر قابض ہو گئے، پوار خاندان کی یہ ریاست تھی، جس کا بانی آنند راؤ پوار نامی مرہٹہ سردار تھا، ۱۷۴۹ء میں اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا جسونت راؤ پوار جانشین ہوا، جو پانی پت کی جنگ میں مقتول ہوا، ۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریزوں کی مخالفت کی وجہ سے یہ ریاست ضبط کر لی گئی تھی، جو بعد میں واپس کر دی گئی۔

وگیان بھون میں جلسہ: پروگرام کے مطابق دھار میں قاضی عبد القدوس صاحب (برادر اکبر مولانا ابو البرکات صاحب) کے یہاں ناشتہ کر کے ہمیں جلد مانڈو پہونچنا تھا، لیکن ہماری کار جب شہر میں داخل ہوئی تو ہال کے سامنے چوراہے پر کئی حضرات منتظر ملے، ان سے معلوم ہوا کہ اس مختصر وقت میں ایک مخصوص جلسہ رکھا گیا ہے تاکہ شہر کے مسلم اور غیر مسلم مستفید ہوں۔

قاضی عبد القدوس صاحب نے ناشتہ کا بڑے پیمانہ پر اور پر تکلف انتظام کیا تھا، ناشتہ سے جلد فارغ ہو کر پاریکھ صاحب، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب اور راقم سطور جلسہ گاہ پہونچے اور جلسے کی کارروائی شروع کر دی، راقم سطور کے افتتاحی کلمات کے بعد جناب عبد الکریم صاحب پاریکھ نے تقریر کی، دوران تقریر حضرت مولانا مدظلہ، اور مولانا معین اللہ صاحب ندوی ہمارے میزبان قاضی عبد القدوس صاحب کے ہمراہ تشریف لے آئے، پاریکھ صاحب نے اپنی تقریر مختصر کر دی، بعد حضرت مولانا نے اپنی تقریر میں محبت، بھائی چارہ اور بلا تفریق مذہب و ملت سب کی خدمت پر زور دیا، جلسے میں سابق منسٹر شری پردھان صاحب، مقامی میونسپلٹی کے صدر اور کئی سربرآوردہ غیر مسلم شریک تھے، ان لوگوں کو حلقۂ پیام انسانیت کا لٹریچر دیا گیا، ایک مقامی غیر مسلم ایڈوکیٹ نے شکریہ کی رسم ادا کی اور ہار پھول سے مہمانوں کا استقبال کیا۔

دھار کے مسلمانوں کے فخر و مسرت اور غیر مسلموں کے اچھے تأثرات کا مشاہدہ کرتے ہوئے ہمارا قافلہ شہر کے ان تاریخی آثار کو دیکھتا ہوا (جن کا ذکر گذر چکا) "ناشاد" "شادی آباد" یعنی مانڈو روانہ ہوا ـــ دھار سے مانڈو ۲۲ میل کے فاصلے پر ہے، چلتی کار میں حضرت مدظلہ کی ایماء پر راقم سطور نے شہر شادماں، مانڈو کی تاریخ اور وہاں کے تاریخی آثار پر ایک کتاب "شادی آباد" پڑھ کر سنائی جو قاضی عبد القدوس صاحب سے حاصل ہوئی تھی، قاضی عبد القدوس صاحب مالوہ کی تاریخ مرتب کر رہے ہیں، جس کا مسودہ وہ اپنے ساتھ لائے تھے، قاضی صاحب کی یہاں کی تاریخ پر گہری نظر ہے، دھار اور مانڈو کے سفر میں وہ ہمارے بہت اچھے رہنما (گائیڈ) ثابت ہوئے۔ شہر شادماں، مانڈو قریب آگیا، جابجا مسلمانوں کی سطوتِ رفتہ کے نشان نظر آئے ؎

تلک الآثار تدل علینا فانظر بعدنا الی الآثار

ناشاد، شادی آباد ـــــ مانڈو: اندور سے ساٹھ میل، دھار سے ۲۲ میل، مھو سے ۵۸ میل، رتلام سے ۷۶ میل کے فاصلے پر مالوہ کی بےنظیر راجدھانی مانڈو واقع ہے، مسلمانوں کے دورِ حکومت میں اس کا نام شادی آباد پڑ گیا تھا، اب یہ ناشاد، شادی آباد، اسکی تاریخی

عمارتیں، اس کے آثار اپنے بانیوں کی شوکت و سطوت کی داستان پارینہ دُہرا رہے ہیں سلاطین مالوہ کے تمدنی، ثقافتی اور تاریخی کارنامے آج اس قدر غبار آلود ہیں کہ ان پر عام لوگوں کی نگاہیں نہیں پڑتیں، ہندوستان میں تاریخی لحاظ سے صرف دار الخلافہ دہلی کا نام روشن ہے، یہ دہلی کی خوش قسمتی ہے، ورنہ بہار، بنگال، دکن اور مالوہ اپنے دورِ عروج میں دہلی سے کچھ کم نہیں تھے، اور یہ ابھی کی بہاریں تھیں جو دہلی میں نظر آنے لگیں، آج بھی حسرت کدۂ مانڈو کے ذرہ ذرہ سے تاجدارانِ مالوہ کی عظمت کی جھلک، علم و فضل کی شعاع، اور فیاضی کی تنویر ایسی نظر آتی ہے کہ دیکھنے والے تصویر حیرت بن جاتے ہیں، فردوس ارضی مانڈو، شرق سے غرب تک پانچ میل اور شمالاً جنوباً چار میل تک پھیلا ہوا ہے، پہاڑی پر عالیشان سنگین قلعہ کی وسعت سیاحوں کو محوِ حیرت کر دیتی ہے، قلعہ کا حصار بقول مورخ فرشتہ ۱۹ کوس اور حسب پیمائش شہنشاہ نور الدین جہانگیر ۱۰ کوس ہے، جہاں کسی زمانے میں شاہی نقارے بجتے تھے، اب وہاں موت کا سناٹا ہوتا ہے یا جنگلی جانوروں کی گونج سنائی دیتی ہے۔

مانڈو کی وجہ تسمیہ: مانڈو کی وجہ تسمیہ تاریخ فرشتہ، کتاب سیر المتاخرین اور تزکِ جہانگیری میں اس طرح درج ہے کہ مانڈو یا منڈو ایک لوہار کا نام تھا، قدیم زمانہ میں ایک بھیل اس کے پاس ایک ہنسیا لے کر آیا اور کہا کہ پتھر پر گھسنے سے یہ پیتل کا ہو گیا ہے، اس کو بدل دو، مانڈو سمجھ گیا، ہنسیا بدل دی، بھیل سے پتھر کا نشان پوچھا اور اس کی نشاندہی سے اُٹھا لایا، راجہ جے سنگھ اس وقت بھیلوں کے علاقہ پر قابض تھا، جس کا دار الحکومت دھار تھا، ایک روز مانڈو آہن گر اس راجہ کے پاس گیا اور تنہائی میں کہا کہ میرا ارادہ ایک شہر اور قلعہ آباد کرنے کا ہے بشرطیکہ نام میرا ہو اور ملکیت تمہاری۔ راجہ نے منظور کیا، مانڈو لوہار نے سمت ۳۷۲ بکرمی میں پہاڑی پر بنیاد قائم کر کے ایک حصار میں شہر بسایا جس میں ایک لاکھ مکان تھے، اسی لوہار کے نام سے قلعہ مانڈو آج تک مشہور ہے، لیکن یہ ایک افسانہ معلوم ہوتا ہے، تاریخی لحاظ سے اس کی کوئی وقعت نہیں ـــ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ریاست مالوہ کے راجہ مانجھ دیو کے نام پر اسے مانڈو سے موسوم کیا گیا۔

مسلم دورِ حکومت: سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں ۱۳۰۴ء میں مسلمانوں نے اسے فتح کیا، اس وقت سے ۱۳۹۷ء سلطان محمد شاہ تغلق کے آخر عہد تک یہ سلطنت دہلی کے ماتحت رہا، اس کے بعد دلاور خاں غوری نے تخت دہلی سے علیحدگی اختیار کی اور مالوہ میں خود مختار سلطنت قائم کی، دلاور خاں غوری جس کا اصل نام حسین تھا، سلطان شہاب الدین غوری کے خاندان سے تھا، وہ سلطان فیروز شاہ تغلق اور اس کے بیٹے سلطان محمد شاہ کے زمانہ میں صوبہ مالوہ کا ناظم رہ چکا تھا، سلطان محمد شاہ کے انتقال کے بعد دلاور خاں خود مختار حیثیت سے صوبہ مالوہ پر حکومت کرتا رہا، لیکن صحیح طور پر وہ ۱۴۰۱ء (۸۰۵ھ) میں اس وقت مالوہ کا بادشاہ ہوا جب کہ اس نے اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا، ۸۰۵ھ سے ۹۶۷ھ (۱۴۰۱ء تا ۱۵۶۳ء) تقریباً ۱۶۳ سال تک دس بادشاہ گذرے ہیں، جس میں ہوشنگ شاہ، اور سلطان محمود خلجی کے کارنامے قابل ذکر ہیں، انہوں نے اس سلطنت کو استحکام و وسعت، قوت و سطوت اور شان و شوکت کے اعتبار سے اس مقام پر پہونچا دیا تھا کہ ہندوستان میں سوائے سلطنت گجرات کے کوئی دوسری حکومت اس کی ہمسر نہ تھی۔

۹۶۷ھ میں شہنشاہ اکبر نے اس علاقہ کو فتح کیا، ۱۱۵۶ھ تک یہ سلطنت دہلی کے ماتحت رہا، مغل سلطان ناصر الدین محمد شاہ نے ۱۱۵۶ھ میں بالاجی راؤ پیشوا کو مالوہ کی سند حکومت عطا کی جب سے یہ خطہ تخت دہلی سے علیحدہ ہوا۔

عظمت رفتہ کا مرثیہ: ہماری کار پیچ در پیچ راستوں سے گذرتی ہوئی وندھیاچل پہاڑی سلسلہ کی دو ہزار فٹ بلندی پر واقع شہر شادماں مانڈو میں داخل ہوئی، پہاڑوں کے قدرتی حصار نے اس شہر کو ناقابل تسخیر بنا دیا ہے، کیسے بلند حوصلہ اور آہنی عزم کے مالک تھے وہ مجاہد جنہوں نے اس ناقابل تسخیر شہر کو فتح کیا، ہماری کار ریسٹ ہاؤس کے سامنے رُکی جو کسی قدیم محل میں ترمیم کر کے بنایا گیا ہے، ریسٹ ہاؤس کی عمارت کے سامنے جہاز محل، داہنے بائیں جھیلیں چاروں طرف سبز مخملی فرش اور حسین مناظر قدرت، اپنے زوال اور ویرانی میں اس کے حسن و دلآویزی کا یہ عالم ہے تو شاید اپنے دورِ عروج میں اس کی نظیر وشمالی ہندوستان کا کوئی خطہ نہ ہوگا، مغل شہنشاہ جہانگیر نے تو یہاں فردوس بریں کی لطافت محسوس کی اور اپنی تزک میں لکھا کہ "میں نے

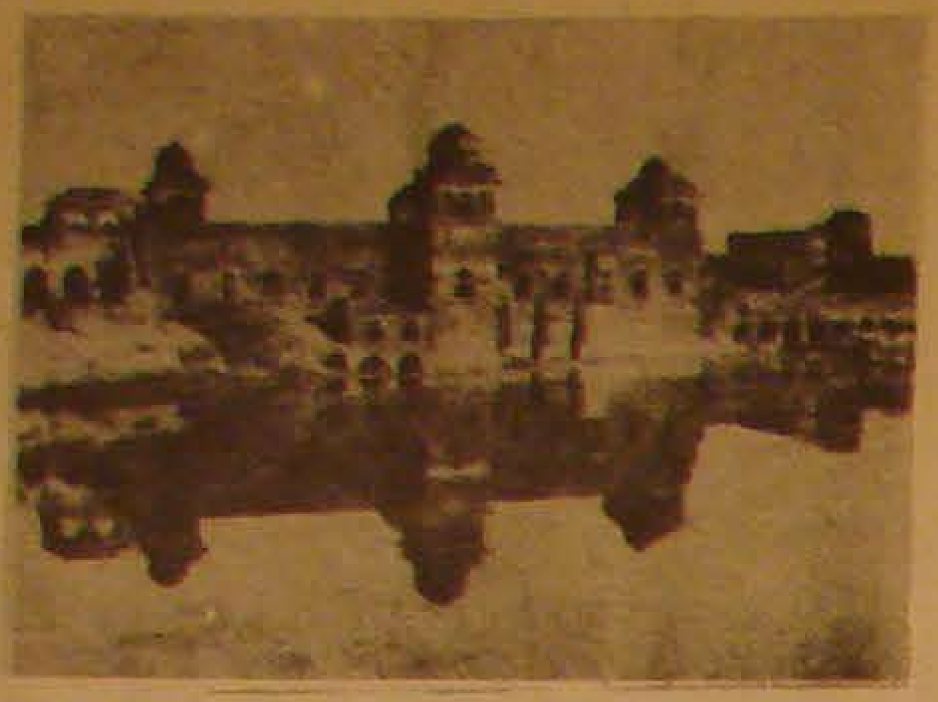

Jahaz Mahal جہاز محل (مانڈو)

موسم بہار میں مانڈو سے بڑھ کر فرحت بخش، روح افزا، دلکش و دلفریب مقام کوئی اور نہیں دیکھا"

اندور کے احباب ایک بس میں مانڈو پہونچ گئے تھے، ظہر کی نماز باجماعت ریسٹ ہاؤس کی چھت پر ادا کی گئی، اذان کی آواز اور نماز کا یہ منظر اس فردوس گم گشتہ کے آسودۂ خاک خدا کے بندوں کے لئے یقیناً روحانی مسرت کا باعث ہوا ہوگا، نماز کے بعد سب ساتھی حضرت مولانا مدظلہ کے ارشادات کو سُننے کے لئے سمٹ آئے، مولانا نے اثر و تاثر کی ایک خاص کیفیت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

ہم اس وقت اس خطے، اس شہر میں ہیں جس کو کسی زمانہ میں "شادی آباد" کہا جاتا تھا، اور اب اس کو "ناشاد شادی آباد" کہنا صحیح ہوگا، اور یہی خطہ ناشاد نہیں، بلکہ ہم وقت ہم سب ناشاد ہی ہیں ـــ دو وجوہ سے، ایک تو یہ کہ یہاں کی فضا ناشاد ہے، فضا کا اثر دل و دماغ پر پڑتا ہے ـــ دوسرے ہم یوں ناشاد ہیں کہ **ہم نے نااہلی کا ثبوت دیا اور اس زمین کی وراثت سے محروم کر دیئے گئے۔**

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے کہ جب ان کی قوم نے ان کا دامن پکڑ کر کہا اوذینا من قبل ان تاتینا من بعد ماجئتنا، تو انہوں نے کہا، قال موسیٰ لقومہ استعینوا باللہ و اصبروا ان الارض للہ یورثھا من یشاء والعاقبۃ للمتقین، موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی مدد چاہو، صبر سے کام لو، حقیقت تو یہ ہے کہ زمین اللہ کی ہے وہ جسے چاہے وارث بنائے اور انجام خیر متقین کا ہے۔

جہاں اس وقت ہم جمع ہیں، وہاں چاروں طرف قبریں، محلوں کے کھنڈرات، گذرتے ہوئے قافلوں کے نشانات بچھے ہوئے ہیں، اقبال کا یہ شعر بے اختیار یاد آتا ہے ؎

آگ بجھی ہوئی اِدھر، ٹوٹی ہوئی طناب اُدھر
کیا خبر اس مقام سے گذرے ہیں کتنے کارواں

اور خاص طور پر میں تو اقبالؒ ہی کے الفاظ میں یہ کہہ سکتا ہوں ؎

میں کہ میری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
میری تمام زندگی کھوئے ہوؤں کی جستجو

جہاں جاتا ہوں تو وہ پُرانا زمانہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور پوری تاریخ نگاہوں کے سامنے پھر جاتی ہے، آپ یہی خیال کیجئے کہ سلطان ناصر الدین کا محل ہے، وہ یہاں دادِ عیش دے رہا ہے، یہاں شہر کے مختلف مقامات پر اللہ کے بندے، علم و معرفت کے چراغ جلائے ہوئے بیٹھے ہیں، اور اس کو اپنے دامن سے پناہ دے رہے ہیں کہ بجھنے نہ پائے، بادشاہ بھی ہیں، فقیر بھی ہیں، یہاں جس جگہ آپ کے قدم پڑیں سمجھئے کہ یہاں کسی اللہ کے بندے کی پیشانی کبھی ٹِکی ہوگی، اور کبھی اس پر اسلامی فوجیں گذری ہوں گی، جیسا کہ غالبؔ نے کہا ہے ؎

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہائے گراں مایہ کیا کئے

اور عربی کا شاعر کہتا ہے ؎

خفف الوطأ ما اظن ادیم الارض الا من ھذہ الاجساد

وقیع بنا وان قدم العهد　　دعوات الآباء والاجداد
بس ان استطعت فی الهواء رویدا　　لا اختیالاً علی رفات العباد

اے بے خبر مسافر! ذرا آہستہ آہستہ سنبھال سنبھال کر قدم رکھ، یہ خاکی فرش جو نظر آتا ہے، خاک کے ذروں سے نہیں بنا، بلکہ یہ گوشت کے ریشوں اور لاشوں کے ڈھیر سے بنا ہے، یہ لاشیں بچھی ہوئی ہیں، فرش خاکی یا پتھر نہیں،

یہ بڑے عیب کی بات اور باپ دادا کی توہین ہے، چاہے زمانہ کتنا ہی پرانا ہو جائے کہ ان کے سر پر اپنا پاؤں رکھ کر گذرے۔

ہو سکے تو تم فضا میں خراماں خراماں، اکڑتے ہوئے اور ناز و نخوت کے ساتھ چلو۔

لیکن اللہ کے بندوں کی لاشوں پرسے اور ان کے جسم کے ٹکڑوں پر سے نہ چلو۔

عبرت کی بستی:

مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ نے کہا ہے ؎

یہ بلبلوں کا صبا مشہد مقدس ہے ✻ قدم سنبھال کے رکھیو یہ تیرا باغ نہیں

یہ عبرت کی ایک بستی ہے، یہ عبرت زار ہے، ہمیں سمجھنا چاہئے کہ یہاں کسی چیز کو بقا نہیں، اس خطہ پر حکومت کرنے والوں پر جنہوں نے اپنی قوت اور سطوت کے نقش قائم کر دئے، پہاڑوں کو تسخیر کیا، پتھروں کے جگر کاٹ کر نہریں بہائیں، خشکی پر عیش و عشرت کے جہاز محل کھڑے کر دئے، آج کوئی آنسو بہانے والا نہیں، قرآن مجید نے اس قسم کے زوال کی تصویر کشی کی ہے، كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ، وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ، كَذَٰلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ، فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ، کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیت اور شاندار محل تھے، جو وہ چھوڑ گئے، کتنے ہی عیش کے سر و سامان تھے، جن میں وہ مزے کر رہے تھے، انکے پیچھے دھرے رہ گئے، یہ ہوا ان کا انجام اور ہم نے دوسروں کو ان چیزوں کا وارث بنا دیا، نہ آسمان ان پر رویا، نہ زمین نے ان پر نوحہ کیا اور ان کو مہلت بھی نہیں دی گئی۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ

(ہر چیز فانی ہے، بقا صرف اللہ کو ہے)

سب کو فنا ہے، آج جو باقی ہیں، ان کی بقا کی کوئی ضمانت نہیں، فنا کا سلسلہ جب چلتا ہے تو سلطنتیں ختم ہوتی ہیں، اگر ایک چراغ بجھتا ہے تو ہر چراغ بجھ سکتا ہے، پہلا چراغ اگر نہ بجھتا تو امید ہوتی کہ ہمارا چراغ نہ بجھے گا، لیکن جب ایک چراغ گل ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر چراغ گل ہو سکتا ہے،

اس وقت ہم ایسی تاریخی جگہ بیٹھے ہیں، جس کے چاروں طرف بڑے بڑے بادشاہوں کے کر و فر، سطوت و جبروت اور شان و شوکت کے نشانات پھیلے ہوئے ہیں، کوئی چپہ اس سے خالی نہیں، لیکن جیسا کہ ہمارے والد صاحب (مولانا حکیم عبدالحی صاحبؒ ناظم ندوۃ العلماء) نے اپنی کتاب "یاد ایام، تاریخ گجرات" میں گجرات کے باخدا اور باعظمت سلاطین، وہاں کے اہل کمال کے حالات، علوم اسلامیہ، فنون لطیفہ اور فن تعمیر کی ترقیوں کے بعد ان کے زوال کی داستان بیان کرنے کے بعد لکھا ہے

چمن کے تخت پر جس دم شہ گل کا تجمل تھا　　ہزاروں بلبلیں تھیں باغ میں، ایک شور تھا غل تھا
کھلی جب آنکھ نرگس کی نہ تھا جز خاک کچھ باقی　　بتاتا باغباں رو رو، یہاں غنچہ یہاں گل تھا

اس سے ہمیں عبرت لینی چاہئے اور وہ صفات اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے جن سے آخرت کی لازوال نعمتیں حاصل ہوں، ہمیں اپنے اندر داعی کی صفات پیدا کرنا چاہئے، صاحب دعوت ملت اور جماعت کی بہار کبھی خزاں سے نہیں بدلتی، باقی سلطنتوں، حکومتوں کے زوال کا کیا شکوہ ؎

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ ایک عارضی شئی تھی ✻ نہیں دنیا کے آئین مسلّم سے کوئی چارہ

Jami Masjid　　جامع مسجد (مانڈو)

یہ حکومتیں آتی جاتی ہیں، تلك الايام نداولها بين الناس۔ لیکن دعوت کا کام باقی رہتا ہے، اخلاق کا اثر دائمی رہتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ۔ اور ان کی جگہ ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور بنا کر رکھے گئے تھے اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا، جسے ہم نے برکتوں سے مالا مال کر دیا تھا، اس طرح بنی اسرائیل کے حق میں تیرے رب کا وعدۂ خیر پورا ہوا، کیونکہ انہوں نے صبر سے کام لیا تھا اور فرعون اور اس کی قوم کا وہ سب کچھ برباد کر دیا گیا جو وہ بناتے اور چڑھاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نصیحت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، یہاں کے آسودگان خاک پر اپنی رحمت کی چادر ڈھانپ دے، ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے، ہزار کمزوریوں کے باوجود وہ اسلام سے نسبت رکھتے تھے، اس نسبت گرامی پر فخر کرتے تھے، اس کے نام پر محل بناتے تھے، شہر آباد کرتے تھے، ان کے اندر ایمان کا ذرہ تھا، اور ایمان کا ذرہ کبھی ضائع نہیں ہوتا،

انہوں نے علم اور علماء کی سرپرستی کی، مشائخ کا اکرام کیا، اپنے شہروں کو انہوں نے علوم و فنون کا مرکز بنایا، جہاں وہ بیٹھ جاتے تھے، مشرق و مغرب کے اہل کمال اور اہل دل وہاں کا رُخ کرتے تھے، یہ ان کی سرپرستی کرتے تھے، ان کو ہر طرح سے مطمئن کر کے دین اور علم کی خدمت کے لئے فارغ کر دیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہی چیز قبول ہوگی۔ اللہ تعالیٰ انکی ستاری اور غفاری فرمائے گا۔

تذکرۃ الابرار میں بڑی تعداد میں ان اولیاء اللہ کا تذکرہ آتا ہے جن کا تعلق مانڈو سے تھا، وہ سلاطین جنھوں نے مسجدیں بنائیں، مدرسے قائم کئے، قلعے تعمیر کئے، ان کی شان و شوکت دیکھ کر نہ جانے کتنے لوگ دائرہ اسلام میں آئے ہوں گے، یہ ان کے نامۂ اعمال میں بہت بڑی دولت ہے، آئیے ہم سب ان کے لئے ایک ایک بار سورۂ فاتحہ پڑھکر ایصال ثواب کریں، اور ان کی مغفرت کے لئے دعا کریں، رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ، رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ۔

ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ان کی روحیں آج ہمارا استقبال کر رہی ہیں اور خوش ہو رہی ہیں کہ یہ قافلہ آیا ہے جو اسلام کا نام لیوا ہے، الحمد للہ ہمیں کوئی حافظ، عالم، قرآن کے فاضل اور دین کے مبلغ ہیں، مجھے صاف محسوس ہو رہا ہے کہ ہماری آمد سے یہ خوش ہوئے، ان کو تسکین ہوئی، ان کو روحانی غذا پہونچی، میں آپ سب سے یہ کہونگا کہ یہاں جو وقت گذرے گا اس میں ایک بار سورۂ یٰسین پڑھ کر بلا تفریق تمام صلحاء، علماء اور سلاطین کے لئے ایصال ثواب کریں۔

آئیے اب سورۂ فاتحہ پڑھ کر ان سب کے لئے دعا کریں، اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید الخ۔

کار جہاں بے ثبات:

شیخ سعدیؒ کا سلطنت عباسیہ اور خلیفہ مستعصم باللہ کے زوال پر مرثیہ جس کا مطلع ہے ؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنیں

مسلمانوں کی فردوس گم گشتہ اندلس کے زوال پر کرد علی کی کتاب "حاضر الاندلس وغابرها"، میر دبیر قاضی ولی محمد صاحب کا "سفرنامۂ اندلس"، اقبالؒ کی نظم مسجد قرطبہ جس کے چند شعر یہ ہیں ؎

سلسلۂ روز و شب، نقش گر حادثات　　سلسلۂ روز و شب، اصل حیات و ممات
سلسلۂ روز و شب، تار حریر دو رنگ　　جس سے بناتی ہے ذات، اپنی قبائے صفات
سلسلۂ روز و شب، ساز ازل کی فغاں　　جس سے دکھاتی ہے ذات، زیر و بم ممکنات
تجھ کو پرکھتا ہے یہ، مجھ کو پرکھتا ہے یہ　　سلسلۂ روز و شب، صیرفی کائنات
تیرے شب و روز کی، اور حقیقت ہے کیا　　ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر　　کار جہاں بے ثبات، کار جہاں بے ثبات

اول و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو، منزل آخر فنا

ان میں کچھ ایسی تاثیر ہے کہ آج بھی اسے پڑھتے ہوئے آنکھیں نم ہو جاتی ہیں، ناشاد شادی آباد یعنی مانڈو کے ماحول سے ہر شخص متاثر تھا، جہاں زمانہ کی بے ثباتی، حکومتوں کے ادبار اور شان و شوکت کے زوال کی داستانیں چپہ چپہ پر ثبت ہیں، غم و یاس کی اس کیفیت و فضا میں حضرت مولانا کے سوز و گداز میں ڈوبے ہوئے کلمات نے لوگوں کو اشکبار کر دیا، یہ تقریر نہ تھی بلکہ شادی آباد کے زوال کا مرثیہ تھا، مولانا نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور مجمع نے بھیگی پلکوں اور گلوگیر آواز میں آمین کہا، حضرت مولانا کی ہدایت پر ساتھیوں نے سورۂ یٰسین پڑھ کر اس شہر خموشاں کے متوفین کو ایصال ثواب کیا،

اب تاریخی آثار دیکھنے کا پروگرام تھا، ہم کار میں بیٹھے، حضرت مولانا بلند آواز سے سورہ یٰسین تلاوت فرما رہے تھے، میں نے ٹیپ ریکارڈر میں اسے محفوظ کر لیا، اب جب بھی اسے سنتا ہوں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا شادی آباد کے آسودگان خاک کی روحیں اس تحفہ پر مسرور و ممنون ہوں۔

اگر فردوس بر روئے زمیں است:

شہر شادی آباد مانڈو، کوہ بندھیاچل کے پہاڑی سلسلہ کی دو ہزار فٹ بلندی پر اس طرح واقع ہے جیسے زرق برق ملکہ نے مرصع تاج پہن رکھا ہو، اس گھاٹ کے وادی نما علاقے میں وسیع و عریض کشادہ میدان پھیلے ہوئے ہیں جن سے یہ مقام بہت پُر فضا بن گیا ہے، سبز پوشاک پہنے ہوئے مانڈو میں اُبلتے چشمے، شور مچاتے آبشار اور جھرنے، ہزاروں فٹ نشیب میں دور دور تک بکھرے ہوئے سبزہ زار، ہرے بھرے مخمل جیسی گھاس کے میدان، بل کھاتی ہوئی جھیلیں اور جھرنے، سیاحوں کو دعوت نظارہ دیتے ہیں۔

۱۳۰۴ء میں خلجیوں نے مانڈو کو تسخیر کر کے سلطنت دہلی میں شامل کیا، ۱۴۰۱ء میں اس صوبہ کے گورنر دلاور خاں نے دہلی سے آزاد مملکت بنائی، ۱۴۰۱ء سے ۱۵۲۶ء تک پہلے غوریوں اور پھر خلجیوں نے مالوہ پر حکمرانی کی اور پایۂ تخت مانڈو ہی رکھا، ان حکمرانوں کے دور میں مانڈو نے خاص ترقی کی انہوں نے یہاں اپنی فتح و کامرانی کی ایک عظیم سات منزلہ "منارۂ فتح" Tower of victory بنایا، سنگ مرمر سے اشرفی محل، عظیم جامع مسجد، ہوشنگ شاہ کا مقبرہ اور شاندار جہاز محل تعمیر کئے،

قلعہ مانڈو کے بارہ دروازے ہیں ایک کا نام گاڑی دروازہ ہے اس کے پاس ایک مسجد ہے، اس پر ایک عبارت کندہ ہے لیکن عبارت کا پتھر جا بجا سے ٹوٹ گیا ہے اس لئے پوری عبارت پڑھنا مشکل ہے، دوسرے دروازے کا نام دہلی دروازہ ہے، اس کے سامنے شاہان غوری اور خلجی کے محلات ایک میل تک چلے گئے ہیں، ان میں سے اکثر شکستہ اور بعض بعض گر کر پتھر، چونے کا ڈھیر ہو گئے ہیں، ایک پختہ تالاب پر عالیشان عمارت جہاز کی شکل کی بنی ہے یہ جہاز محل ہے، یہ ۳۶۰ فٹ لمبا ۵۰ فٹ چوڑا ۳۲ فٹ اونچا ہے، یہ محل کپور تالاب اور منج تالاب کے دو آبے پر واقع ہے، اس کو Ship Palace بھی کہتے ہیں، یہ پُر فضا، پُر رونق اور صناعی کا اعلیٰ نمونہ ہے، وسیع و عریض تین کشادہ ہال ہیں، درمیانی شہ نشین کی چھت پر آسمانی اور زر دوزی کاری اور پچی کاری

Hoshang Shah Tomb　　مقبرۂ ہوشنگ شاہ

کے کام ہیں، اس کے جنوب میں خوبصورت وضع کا غسل خانہ ہے، اسی کے قریب ایک دو منزلہ محل ہے، اس سے متصل ہنڈولا محل موٹی چوڑی دیواروں پر مشتمل ہے، جو ۷۷ ڈگری زاویہ پر مخروطی تعمیر کی گئی ہیں، اس کی ترچھی، جھکی ہوئی دیواروں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جھول رہی ہوں، اسکی تعمیر انگریزی حرف T کی وضع پر ہے، اوپر کی بناوٹ ۱۱۰ فٹ طویل، ۶۰ فٹ چوڑے اور ۳۸ فٹ اونچے ہال پر ہے، اس محل میں بادشاہ کی آمد کے لئے خفیہ راستے تھے، شاید یہاں دربار منعقد ہوتا ہو، اس کا بیرونی منظر نہایت سادہ لیکن پُر شکوہ ہے،

اس کے قریب اصطبل کی پختہ وسیع عمارت ہے، جس میں سینکڑوں گھوڑوں کے تھان ہیں، اس کے بعد ایک باغ اور چمپو کر محل ہے جو اب منہدم ہے، اس کے آگے چینی مسجد تھی، جس میں چینی کا روغن کیا ہوا تھا، وہ بھی منہدم پڑی ہے، اس کے آگے باولی محل اور نقار خانہ تھا، شاہی کارخانے کے سینکڑوں مکانات تھے وہ اب خاوية علی عروشها پڑے ہیں، اس کے آگے تالاب اور چار محل کی عمارت تھی اور ملکی محل بنا ہوا تھا جس میں ملک حفظ کے مسافر اترتے تھے۔

منج تالاب کے جنوب، محلات کے کھنڈر میں چمپا باولی ہے جہاں کا پانی گل چمپا سے مشابہت رکھتا تھا، باولی کے ساتھ پُر پیچ زمین دوز راستے تھے جو مخصوص پوشیدہ خلوت گاہوں میں نکلتے تھے، جھیل اور کنویں کی ٹھنڈی ہوا سے یہ کمرے ہر وقت اس درجہ ٹھنڈے رہتے تھے کہ گرمی اور تمازت کی شدت بھی ان پر کچھ اثر نہ کر پاتی ہوگی، کنویں سے متصل ٹھنڈے اور گرم پانی کے علیحدہ علیحدہ حمام تھے، اس محل سے قریب ہی دلاور خاں کی مسجد ہے جو ۱۴۰۵ء میں تعمیر ہوئی تھی، اس کے بام و در آج اذان سے محروم اور نمازیوں کے نہ ہونے پر مرثیہ خواں ہیں، یہ مسجد مانڈو کی قدیم ترین تعمیرات میں سے ایک ہے، جو خاص طور پر شاہی خاندان کے افراد کے ادائیگی فرض کے لئے بنوائی گئی تھی،

بے کسی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق:

مانڈو کی سب سے شاندار عمارت جامع مسجد ہے، جو دمشق کی جامع اموی کا چربہ معلوم ہوتی ہے، یہ افغان طرز تعمیر کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے، اس کی تعمیر سنہ ۱۴۵۴ء میں ہوئی۔ مسجد ۲۸۸ مربع فٹ وسیع و عریض ہے، جس کے مشرق میں باب الداخلہ ہے، جس پر خوشنما گنبد ہے، داخلہ پر زینے بنے ہوئے ہیں، سنگ مرمر سے تراشا ہوا دروازے کا چوکھٹ نہایت ہی خوشنما اور اس پر کی گئی نقاشی قابل دید ہے اور دروازۂ مسجد پر حسب ذیل اشعار کندہ ہیں ؎

مسجد عالی بنائے مسجد گردوں مقام　　ہست ہر رکن حطیمش ہمسر بیت الحرام
از در تعظیم قدرش چوں کبوتر در حرم　　قدسیاں اندر طواف او بعز و احترام
بانی ایں بیت اقدس خسرو غوری ہوشنگ　　ثانی محمود و مسعود و شہاب الدین و سام
ذاتقضائے حادثات دہر زاوضاع فلک　　چوں برآمد آفتاب عمر او بالائے بام
گفت با محمود خلجی نور عینین ہشت　　از رہ روشن دلی آں شاہ دار احتشام
در ترقی ہائے عمرانات و دفع دشمناں　　می کنم بر تو وصیت من بجد و اہتمام
ہم برائے اہتمام مسجد جامع کہ من　　طرح آں افگندہ ام چوں مسجد والائے شام
صورت الطاف حق سلطان علاء الدین کہ ہست　　مظہر انوار دیں مرآت حاجات انام
کرد از تاریخ سالی ہشت صد و پنجاہ و ہشت　　ہم بحکم ایں وصیت ایں عمارت را تمام

دروازے سے گذر کر اندرونی ہال میں جو پردہ کی جالیاں ہیں وہ خوش رنگ، حاشیہ دار استرکاری کی ہوئی ہیں، چھت پر جملہ ۸۶ گنبد ہیں، جن میں سے تین بہت بڑے سائز کے ہیں، مغرب میں ایک بڑی کمان میں محراب وطاق ہیں، طاق کی بناوٹ اور استرکاری میں سنگ سیاہ استعمال کیا گیا ہے، یہ غالباً مسجد کا زنانہ حصہ ہے، اب اس حصہ میں چمگادڑوں اور کبوتروں کا مسکن ہے، ان کی ہزاروں آوازوں کی بازگشت صحنِ مسجد میں ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے کسی کارخانے کی مشینیں مسلسل چل رہی ہوں۔ مسجد میں ۲۳۰ منار ۳۶۰ محرابیں ہیں۔

حضرت مولانا نے اور اکثر ساتھیوں نے اس ویران مگر عالیشان مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی، مسجد کے بانیوں کے لئے دعائے مغفرت کی اور اس مسجد کی آبادی اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بازیابی کی اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کی۔

مسجد کے روبرو اشرفی محل کے کھنڈرات ہیں، جو کبھی عالیشان مدرسہ تھا، مولانا ابوالبرکات صاحب کی دوربین سے مسجد کے مصلّے پر سے یہ عمارت صاف نظر آتی تھی، حسرت کے عالم میں مسجد سے باہر نکلے، حضرت مولانا کے زبان پر غالب کا یہ شعر تھا ؎

بے کسی ہائے تماشا کہ عبرت ہے نہ ذوق | بے بسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

جامع مسجد کے دروازے پر کچھ آبادی ہے، پاریکھ صاحب نے اور میں نے یہاں مانڈو کی مشہور املی خریدی، اس املی کی جسامت آم سے بڑی، چھوٹے پپیتے کے مشابہ ہوتی ہے خول سخت ہوتا ہے اور اندر اخروٹ کی طرح مغز، جس میں کھٹاس ہوتی ہے، جامع مسجد سے متصل شاہ عبد اللہ شطاریؒ کا مزار ہے، یہ بزرگ غیاث الدین شاہ کے عہد میں خراسان سے مانڈو تشریف لائے تھے، بہت سی قبریں اس مزار کے گرد احاطہ میں ہیں، قبرستان کے قریب ایک بڑا محل بنا ہے، محل کے روبرو خانہ باغ تھا جو مٹی کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکا ہے، اسکے قریب اشرفی محل کے کھنڈرات درسِ عبرت بنے ہوئے ہیں، اس محل میں کبھی لاکھوں طلائی اشرفیاں جڑی ہوئی تھیں، ۶۰ سال سے زائد عرصہ گذرا کہ ایک شخص کو یہاں ایک اشرفی ملی اس نے اندراؤ راجۂ دھار کے نذر کی، ۳۰ ماشہ وزن تھا، کلمہ طیبہ اس پر نقش تھا، اب اس مکان کا نہ در ہے نہ دیوار، پتھر چونے کا بڑا انبار ہے۔ یہ پہلے درسگاہ تھی بعد میں اسے اس کے بانی محمود شاہ (۱۴۳۶ء۔ ۱۴۳۹ء) کے مقبرہ میں تبدیل کر دیا گیا، سنگ مرمر کے زرد تراشے ہوئے چبوترے پر محمود شاہ کا مزار ہے، دیواروں کی زیبائش میں سیاہ، سفید، زرد رنگ کے سنگ مرمر استعمال ہوئے ہیں، ایک منارۂ فتح بھی اس درسگاہ کے جنوب مشرق میں واقع ہے، جو چتوڑ کے رانا کو شکست دے کر بطور یادگار بنوایا گیا ہے، یہ سات منزلہ سڈول منارہ شاید ۱۵۰ فٹ بلند تھا، یہ تینوں عمارتیں اگرچہ جلد ہی منہدم ہو گئیں، لیکن اس کا ملبہ اور کھنڈرات آج بھی جاذب نظر اور دیدہ زیب ہیں۔

جامع مسجد کے پیچھے ہوشنگ شاہ کا مقبرہ ہے، اس مقبرہ کی بنیاد خود ہوشنگ شاہ (۱۴۰۵ء تا ۱۴۳۲ء) نے رکھی، اس کی تکمیل اس کے جانشین محمود خلجی نے ۸۴۳ھ زر کثیر صرف کر کے کی۔ یہ ابتک قائم ہے، اس مقبرہ کی کرسی بہت بلند، ہشت پہلو سنگ مرمر کی ہے اور دروازے کا احاطہ سنگ سرخ کا ہے، مقبرہ کے احاطہ میں سیکڑوں قبریں سنگ ماش کی بنی ہوئی ہیں، متعدد حجرے ہیں، گنبد کے للاؤ اور دیواروں میں ریاضی کے اصول پر ایسے سوراخ رکھے گئے ہیں کہ ان میں ہوا نفوذ کرتی اور منجمد ہو کر پانی کے قطرے گنبد سے ٹپکتے تھے، عوام اس کو ہوشنگ شاہ کی کرامت تصور کرتے تھے، مقبرہ کے مغرب میں ایک بڑا لنگر خانہ بنا ہوا ہے جہاں ہزاروں فقراء اور محتاجوں کو کھانا ملا کرتا تھا، مقبرہ ہوشنگ شاہ کے طرز تعمیر سے متاثر ہو کر شہنشاہ شاہجہاں نے تاج محل کی تعمیر سے قبل ماہرین تعمیرات و معماروں کی ایک جماعت کو آگرہ سے مطالعہ اور مشاہدہ کی غرض سے یہاں روانہ کیا تھا۔

یہاں غنچہ وہاں گل تھا:

ایک تاریخی آثار، اس کی ویرانی یا کھنڈر دیکھ کر ہمارا قافلہ دوسرے تاریخی مقام کی طرف بڑھتا، درمیانی وقفہ میں حضرت مدظلہ کوئی حسب حال شعر، جملہ یا آیت پڑھتے، ایک موقع پر یہ اشعار پڑھے تو سناٹا چھا گیا، تفریحی فضا پر سنجیدگی طاری ہو گئی، اطراف کا ماحول درس عبرت بن گیا ؎

چمن کے تخت پر جس دم شہ گل کا تجمل تھا | ہزاروں بلبلیں تھیں باغ میں اک شور تھا غل تھا
کھلی جب آنکھ نرگس کی نہ تھا جز خاک کچھ باقی | بتا تا باغباں رو رو یہاں غنچہ وہاں گل تھا

"بتاتا باغباں" پر حضرت نے ہمارے محاذ جواب قاضی عبد القدوس صاحب کیطرف ہاتھ سے اشارہ کیا ـــ حضرت مولانا جب یہ اشعار پڑھ رہے تھے تو میں نے ٹیپ ریکارڈ آن کر کے انہیں ٹیپ کر لیا تھا۔ حضرت کی نگاہ پڑی تو فرمایا کہ میں نے "بتاتا باغباں" کہہ کر قاضی عبد القدوس صاحب کی طرف اشارہ کیا تھا، ٹیپ ریکارڈ اسے کیسے محفوظ کرے گا، اس پر قاضی عبد الحمید صاحب نے کہا "حضرت ہو سکتا ہے آئندہ ایسے ٹیپ ریکارڈ بھی ایجاد ہوں جن میں یہ بھی محفوظ ہو جائے۔"

Hindola Mahal — ہنڈولہ محل

قاضی عبد القدوس صاحب اس دیار کی تاریخی معلومات کے چلتے پھرتے انسائیکلوپیڈیا ہیں، وہ جس تفصیل اور جزئیات کے ساتھ ایک ایک چیز کا تعارف کراتے تھے، اس کو دیکھتے ہوئے حضرت نے۔ ع

بتاتا باغباں رو رو، یہاں غنچہ وہاں گل تھا

کہہ کر قاضی عبد القدوس صاحب کی پوری تصویر کشی فرمائی تھی۔

جامع مسجد اور احاطہ مقبرہ سے ملحق تریولیا تھا جو گر گیا ہے۔ مگر دروازہ کے نشانات باقی ہیں، اس کے آگے ساغر تالاب ہے، جس کو اب ساگر تال کہتے ہیں، اس کے آگے بازار اور میلوں تک شہر آباد تھا، جامع مسجد کے جنوب کی طرف جو شہر تھا، وہ بالکل ویران ہے، صرف دریا خاں کا مقبرہ اور چند تالاب باقی ہیں، تالاب کا نام موتی چور، رنگ را تالاب ہیں، اس تالاب پر اکبر خاں کا مقبرہ ہے، اس کے ستون ہاتھی کے پائے کی شکل کے ہیں، اس سے آگے دریا خاں کی بیگم کا مقبرہ ہے، پھر حافی خاں کا مقبرہ، پھر مسجد و باؤلی، خلجی خاں کا مقبرہ، اعظم ہمایوں کا مقبرہ، اس کے بعد لال باغ تھا جس کی پختہ روشوں کا کہیں کہیں نشان باقی ہے، اس کے بعد دور تک عمارتوں کے نشانات پائے جاتے ہیں، اس کے بعد ایک عالیشان مسجد ہے، جس پر یہ اشعار کندہ ہیں ؎

بفالِ خوب و وقتِ سعد و فرخ سال و مہِ انور | چہارم ماہ شہر اللہ روز جمعہ سعد اکبر
سنین سی و پنج و ہشت صد سال از ہمیں ہجرت | شمردہ بود او زِ ماہ در حکم عرب یکسر
کہ شد ایں مسجد اسلام را بنیاد در عالم | کہ سقف و گنبد او سود سر با گنبدِ اخضر
بنائے مسجدِ عالی مغیث الدین والدنیا | الغ اعظم ہمایوں خاں ہفت اقلیم و نہ کشور
ز دستِ ہمت او شد مرتب ایں چنیں مسجد | کہ کس دار الاماں خواند کسے کعبہ کند باور
مرتب شد بسلخ ماہ شوال ایں بنا خیر و بابرکت | کہ باد ایں خیر اندر نامۂ اعمال خاں مضمر
مزین کرد شانِ خطبۂ محمود شہ والا | بود ایں بر زمیں کوہ تا ماند بر چرخ اختر

اس مسجد سے متصل ایک پختہ سرائے ہے، اور مغربی جانب ساگر تال اور دو مقبرے ہیں، داہنی طرف ایک وسیع امام باڑہ تھا، جو اب منہدم ہو گیا ہے، صرف ایک دالان سبیل خانہ کا باقی ہے اس پر کندہ ہے، "دم آب بخور بیاد حسین"۔ یہاں سے کچھ فاصلہ پر پہاڑ کے نشیب میں پتھر کا ایک مکان ہے، اس میں جا بجا پانی جھرتا ہے اور حوضوں میں پہونچتا ہے، یہ مکان دلچسپ و پر فضا ہے، اس پر یہ بیت کندہ ہے ؎

تواں کردن تمامی عمر را مصروف آب و گل
کہ شاید یک دمے صاحبدلے ایں جا کند منزل

اس بیت کے نیچے مظفر خاں ۹۸۲ھ کندہ ہے، بقول قاضی عبد القدوس صاحب یہ شاہ بداغ خاں کا محل ہے، اسے نیل کنٹھ بھی کہا جاتا ہے، اسے بعض سادھوؤں نے اپنا مسکن اور ہندوؤں نے پوتر استھان بنا لیا ہے، یہاں مورتی اور چڑھاوے بھی چڑھائے جاتے ہیں، ہندو سیاح بڑی عقیدت سے یہاں آتے ہیں، اس عمارت کے ایک پتھر پر یہ عبارت کندہ ہے:۔

"جلوس سکندر موافق ۱۰۰۸ھ اعلیٰ حضرت جہاں پناہ فلک بارگاہ ظل اللہ اکبر شاہ متوجہ فتح دکن بودند باینجا عبور افتادند۔"

دوسری جانب یہ اشعار کندہ ہیں ؎

تا کے گوئی کہ چرخ شد عمارت ما | خندند بما و بر دلِ دیوانہ ما
زافسانۂ دیگراں بیا عبرت گیر | زاں پیش کہ بشنوند افسانۂ ما
دیدم چغدے نشستہ در وقتِ پگاہ | بر کنگرۂ مقبرۂ نوشیرواں شاہ
زیاد کناں نزاد ہے عبرت می گفت | کو آں حشمت و منال و آں جاہ

اس مقام تک پہونچنے کے لئے کئی بڑی بڑی سیڑھیاں اترنا پڑا، مولوی خشاق علی ندوی نے (جو آجکل کامیاب ڈاکٹر ہو گئے ہیں) یہاں تک رہنمائی کی، واپسی میں زینہ چڑھنے کا مرحلہ سخت تھا، مسلسل چلتے چلتے، کھلی فضا اور شفاف ہاضم پانی نے بھوک کو چمکا دیا تھا، لیکن جب اپنے بزرگوں حضرت مولانا مدظلہ، اور مولانا معین اللہ صاحب ندوی وغیرہ کو یہ مرحلہ طے کرتے دیکھا تو اپنی کمزوری اور سہل پسندی پر ندامت ہوئی، اس کے نیچے پہاڑ کے غار میں بیرم دیو کی سرائے، قمر بیگم دختر سلطان محمود خلجی ثانی کا سنگ مرمر کا مقبرہ ایک مسجد اور ایک چھوٹا سا قلعہ بنا ہوا ہے، اسکے اندر دو حوض ایک تالاب، دو بڑے حمام ہیں، وقت زیادہ ہو گیا تھا اس لئے نیچے جانا نہیں ہوا۔ پہاڑ کی ترائی میں اترنے کے لئے ۔۔۔ سنگین زینے بنے ہوئے ہیں۔

محل ہفت منزل جس کی تعریف جہانگیر نے اپنی تزک میں لکھی ہے اب مٹی کا ڈھیر ہے، اس کے قریب سلطان محمود خلجی کا دار الشفا ہے، جس کو اس نے ۸۴۹ھ میں تعمیر کرایا تھا، اس شفا خانے میں ہزاروں مریض زیر علاج رہتے تھے، حکیم الحکما فضل اللہ اس دواخانہ کے مہتمم تھے قلعہ کے آخری سرے پر سلطان ناصر الدین مانڈوی بانی عمارت کا تیلی دیہہ اوجین کا محل ہے، یہ محل اب منہدم ہے، ایک حوض جس کو ریوا کنڈ کہتے ہیں باقی ہے، محل کے بڑے دروازے پر ایک کتبہ تھا، اس کا پتھر ٹوٹ گیا ہے۔ آخری سطر باقی ہے جس پر السلطان العادل الاعظم الخاقان العالم ناصر الدین شاہ ۹۱۴ھ کندہ ہے، اور بہت سے محلات کھنڈر پڑے ہیں۔

ریوا کنڈ کے کنارے باز بہادر کا قصر شاہی ہے جس کے چاروں طرف خوشنما صحن اور بیچوں بیچ خوبصورت حوض ہے، جنوب میں پہاڑ کی چوٹی پر باز بہادر کی ملکہ روپ متی کا طاؤسی تخت ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ خاتون یہاں سے دریائے نربدا کے درشن کرتی تھی، مالوہ کے دیہاتوں کی مدھر تانوں اور محبت سے بھرے، رسیلے نغموں میں آج بھی باز بہادر زندہ ہے، یہ مانڈو کا آخری خود مختار حکمراں ثابت ہوا، اس نے بڑے ہی ہنکلے پن سے عنان حکومت سنبھالی، رانی روپ متی سے اس کا معاشقہ افسانوی رنگ اختیار کر گیا، ۱۵۶۱ء میں اکبر کے ایک سپہ سالار نے اسے شکست دیکر مانڈو پر قبضہ کر لیا۔

واپسی میں ہماری کاریں "نقطہ صدائے بازگشت" Echo Point پر رکیں اس مخصوص جگہ کھڑے رہ کر صدا لگانے سے بازگشت سنائی دیتی ہے، اللہ اکبر اور مختلف نام لیکر ہر ایک باری باری پکارتا رہا اور بازگشت صاف سنائی دیتی رہی، اس موقع پر عبد الکریم صاحب پاریکھ کو حسب حال، حسب موقع ایک آیت سوجھی انہوں نے بلند آواز سے "قل اللّٰهم مالك الملك تؤتي الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير انك على كل شيء قدير" (آل عمران ع)

(کہو! خدایا! ملک کے مالک! تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے بھلائی تیرے اختیار میں ہے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔

ایک ایک لفظ پر وہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے رہے اور پورے ماحول میں کلام الٰہی کی یہ گونج پھیل گئی، حضرت مولانا نے پاریکھ صاحب کے اس انتخاب کی داد دی، ہم سب نے حضرت سے اسی آیت کو پڑھنے کی درخواست کی، حضرت نے بلند آواز سے اسے پڑھا، بازگشت سنائی دیتی رہی، راقم سطور کو ٹیپ ریکارڈ کے استعمال کا ایک نادر موقع مل گیا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت وکارسازی کا مشاہدہ ہم کھلی آنکھوں کر رہے تھے، آیت تؤتي الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء شادی آباد مانڈو میں کسی تفسیر و تشریح اور دلیل وثبوت کی محتاج نہیں تھی، تاریخ کی ورق گردانی کیجئے تو ؎

کجا یند شاہان جم اقتدار | ز ہوشنگ و جم تا باسفندیار
فریدوں و کیخسرو و جام کو | کجا رفت شاپور و بہرام کو

Echo Point — نقطہ صدائے بازگشت

ہمہ خاک دارند بالین و خشت | خنک آنکہ جز نام نیکی نہ کشت
دارا رہا نہ جم، نہ سکندر سا بادشا؟ | تخت زمیں پہ سیکڑوں آئے چلے گئے

اندرا گاندھی اور ذوالفقار علی بھٹو کا زوال تو ایسا تازہ ہے کہ یہ ابھی تاریخ کا حصہ بھی نہیں بنے،

سلاطینِ مالوہ کے علمی وتمدنی کارنامے:

۸۰۴ھ میں سلاطین دہلی کی اطاعت سے آزاد ہو کر ۹۷۶ھ تک ان گیارہ سلاطین نے اس مملکت پر حکومت کی، دلاور خاں غوری، ہوشنگ بن دلاور خاں، محمد شاہ غوری، سلطان محمود خلجی، سلطان غیاث الدین، سلطان ناصر الدین، سلطان محمود ثانی، قادر شاہ، شجاعت خاں، باز بہادر ـــ ان میں ہوشنگ شاہ، سلطان محمود خلجی اور اس کا بیٹا سلطان غیاث الدین خلجی کا دور حکومت سیاسی، تمدنی، علمی ہر اعتبار سے کامیاب رہا،

ہوشنگ شاہ باحوصلہ، جواں مرد، ہوشمند، فاتح سلطان گذرا، صنعت ملکی کی طرف بھی اس کی خاص توجہ رہی اور تعمیرات کا بھی شوق رہا، ۳۰ سال سلطنت کر کے ۸۳۸ھ میں دنیا سے رخصت ہوا، "آہ ہوشنگ شاہ نماند" مادہ تاریخ وفات ہے، مدھیہ پردیش کا ضلع ہوشنگ آباد اسی سلطان کا آباد کیا ہوا ہے۔

سلطان محمود خلجی نے (۸۳۹ھ ـ ۸۷۳ھ) غوری سلطنت کا خاتمہ کر کے خلجی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ فرزانگی، تدبر، شجاعت، سیاست، فتوحات، شان وشوکت، عدل و سخاوت میں اس کو نہ صرف مالوہ بلکہ ہندوستان کے دیگر معاصر بادشاہوں پر امتیاز و تفوق حاصل تھا، عیش وعشرت کا اس کی زندگی میں گذر نہیں تھا، اس کی زندگی جہاد تھی اور مشغلہ فتوحات، چنگ و رباب کی جگہ جنگی نقارے اور حسینوں کی بجائے عروس تیغ اس کی رفیق و ہمدم تھی، علوم وفنون کا عاشق، بزم عدالت کا نوشیرواں، فیاضی میں ابر گہر بار، سینہ میں اسلامی درد، دل میں کمزوروں اور مظلوموں کی محبت ـــ تعمیرات سے بھی اسے خاص دلچسپی تھی۔ روضۂ ہوشنگ شاہ، جامع مسجد، مدارس، شفا خانے، مہمان سرائیں، شاہی ایوانات وغیرہ اس کے دور میں تعمیر ہوئے، اس نے ۱/۲ ۱۵ گز بلند جو ہفت منار تعمیر کروایا تھا، اسے دیکھ کر شہنشاہ نور الدین جہانگیر جیسا نقاد حیرت زدہ رہا،

یہ بادشاہ علماء و اہل کمال کا پرستار اور طلبۂ علوم کا سرپرست تھا، اپنے حدود سلطنت میں اس نے بکثرت مکاتب و مدارس قائم کئے، علماء اور اہل کمال، سلطانی قدردانی کی کشش سے دار السلطنت مانڈو میں اس کثرت سے جمع تھے کہ اس وقت مانڈو شیراز ثانی کہلاتا تھا فرشتہ لکھتا ہے:۔

"چوں سلطنت او قرار گرفت در تربیت علماء و فضلاء کوشید و مدارس ساخت، از باطراف عالم فرستادہ و مستعداں را طلب داشت و بالجملہ بلاد مالوہ یونانِ ثانی گشت۔"

ہندوستان سے باہر بھی سلطان محمود کے کارناموں کی جھلک پہونچی، شاہ بخارا نے سفیر بھیج کر اور خلیفہ مستنجد باللہ نے مصر سے خلعت اور منشور خلافت بھیج کر محاربانہ تسلیم کا شرف دیا ـــ

فرشتہ کی رائے میں "مالوہ ادبی لطافت میں شیراز و سمرقند سے مقابلہ کرتا تھا۔"

سلطان محمود خلجی کی دریا دلی اور علم دوستی سے ایک عظیم الشان مدرسہ جامع مسجد مانڈو کے سامنے قائم ہوا تھا، اس درسگاہ میں تعلیم کے لئے علماء اور محدثین ملک کے مختلف حصوں اور مکہ معظمہ سے بلائے گئے، ان محدثین میں شیخ عبد الرحمٰن السخاوی کے دو شاگرد مانڈو آئے تھے، ایک حضرت ابو الفتح بن رضی المکی تھے، ان کا قیام تیرہ سال تک مانڈو میں رہا اور وہ درس حدیث دیتے رہے، مانڈو

سے واپسی کے بعد ۱۲۸۱ھ میں مکہ معظمہ میں ان کا انتقال ہوگیا ـــ دوسرے محدث شیخ احمد بن صالح تھے، جن کے والد مکہ معظمہ کے باشندے تھے اور ہجرت کرکے ہندوستان آگئے تھے، شیخ احمد کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی تھی مگر تعلیم مکہ معظمہ میں ہوئی تھی، الحوآمی کے شاگرد تھے، شیخ احمد بن صالح سلطان غیاث الدین خلجی کے عہد میں مانڈو تشریف لائے تھے۔

سلطان محمود کا جانشین سلطان غیاث الدین ایک علم دوست اور خدا ترس بادشاہ تھا، اس بادشاہ کی ایک علمی خدمت اس کو تمام پیشرو اور معاصر بادشاہوں میں ممتاز کرتی ہے، علامہ شبلی نعمانی "اعلام وشفاء الغرام" تاریخ مکہ کے حوالے سے اپنے مقالے "مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم" میں لکھتے ہیں،

"اس عہد میں یہ واقعہ بھی ایک عجیب یادگار ہے کہ ہندوستان کے حکمرانوں میں ایک بلند حوصلہ بادشاہ سلطان غیاث الدین نے مکہ معظمہ میں مدرسہ قائم کرنے کے لئے شریف مکہ کے پاس زر خطیر روانہ کیا۔ ہندوستان کا یہ پہلا بادشاہ ہے جس کے نام سے ایک مدرسہ مکہ میں منسوب کیا گیا ہے۔ بارہ مثقال زمین خریدی گئی، اور مدرسے کے متعلق بہت سے مکانات تیار ہوئے۔ ۱۰ محرم ۸۸۲ھ میں بڑی شان و شوکت سے یہ کھولا گیا، ۶۰ طالب علم اسی وقت مدرسہ میں داخل ہوئے اور سب کے لئے وظیفہ مقرر ہوا، چاروں مذہب کے مدرس اس میں مقرر تھے"۔

سلطان غیاث الدین نے اور چار مدرسے قائم کئے، اس نے تعلیم نسواں کی طرف بھی توجہ دی، حرم کی خواتین کو تعلیم دینے کے لئے قابل استانیاں مقرر کی گئیں، اس کے حرم میں ۷ خواتین حافظ قرآن تھیں۔

اسی بادشاہ نے مانڈو کا نام تبدیل کرکے شادی آباد رکھا۔

سلاطین مالوہ کی علم پروری کے زیر سایہ یہ شہر علم کا مرکز بن گیا، اس کی خاک سے متعدد اساطین علم اٹھے، خاقانی کا مشہور شارح محمد داؤد علوی شادی آبادی اسی خاک سے پیدا ہوا، دارالحدیث شادی آباد نے دو نامور محدثین پیدا کئے ایک، شیخ المحدثین شیخ سعد اللہ المنڈوی (مورث اعلیٰ مولانا معین اللہ صاحب ندوی، نائب ناظم ندوۃ العلماء) اور دوسرے مولانا علیم الدین المنڈوی۔

شادی آباد مانڈو میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں سے چند یہ ہیں،

۱۔ مآثر محمود شاہی، از۔ علی بن محمود الکرمانی "شہاب حکیم" (۲) تاریخ ناصر شاہی (۳) مکتوبات اشرفی از سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ (۴) لطائف غیبیہ از شیخ عبد اللہ شاہ شطاریؒ (۵) فصوص الحکم از مولانا علیم الدین شریف (۶) شرح دیوان انوری (۷) شرح دیوان خاقانی، از محمد بن داؤد علوی شادی آبادی (۸) نعمت نامہ، دربار ناصر شاہی، (۹) گلزار ابرار، از غوثی گوالیاری۔

ابھی دیکھنے کے لئے بہت کچھ باقی تھا، لیکن عصر بعد ہمیں دیپالپور کے لئے روانہ ہونا تھا، تین بج چکے تھے، ابھی تک دوپہر کا کھانا نہیں کھایا تھا، ہم ریسٹ ہاؤس واپس ہوئے ـــ نیر الدین صاحب اور سبحان صاحب نے کھانے کا انتظام کر رکھا تھا، بہت بڑی جماعت کھانے پر تھی، مانڈو کی آب و ہوا اور بھوک کی شدت میں کھانا بہت لذیذ معلوم ہوا، ویسے بھی اس میں بہت تنوع اور اہتمام تھا ـــ کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کیا، عصر کی نماز پڑھی گئی اور مانڈو پر حسرت بھری الوداعی نگاہ ڈالتے ہوئے ہمارا قافلہ دیپالپور روانہ ہوگیا۔

شادی آباد مانڈو کے کھنڈر آج بھی زبان حال سے اپنے عہد ماضی کے قصے سنارہے ہیں۔ مانڈو حادثات زمانہ سے آج خاک کا ڈھیر ہے اور اس کے اولو العزم سلاطین اس عبرتناک منظر کے نیچے شب مالوہ کی خنکی کے اثرات سے میٹھی نیند سو رہے ہیں، لیکن ان کے مٹے ہوئے نقش و نگار تحریر پیچھے ہیں شاید یہ کہتے ہوں ؎

طمع فاتحہ از خلق نداریم نیاز
عشق اندر پسِ من فاتحہ خوانم باقیست

مانڈو سے دیپالپور:

مانڈو سے دھار ہوتے ہوئے دیپالپور تقریباً ۵۴ میل ہے، دھار سے کچھ پہلے مانڈو سے براہ راست دیپالپور جانے والی سڑک سے ہماری کار دیپالپور پہونچی، قاضی عبد الحمید صاحب کی کار جس میں مولوی عبد اللہ حسنی ندوی، مولوی ہارون ندوی، بھائی عبد الرزاق صاحب اور دو حضرات تھے، دھار رک کر دیپالپور آئی، اس کے پہونچنے میں تاخیر ہوئی تو سب کو تشویش ہوئی، مغرب کی نماز لب سڑک ایک کھلے کھیت میں پڑھی گئی، دیپالپور پہونچے عشاء کا وقت ہوچکا تھا، مولانا ابو البرکات صاحب اور قاضی عبد القدوس صاحب کے بڑے بھائی ڈاکٹر عبد السلام صاحب کے مکان پر کچھ دیر ٹھہر کر اور رات کا کھانا کھا کر قاضی محمد امین صاحب کے مکان منتقل ہوئے، رات وہیں قیام رہا، دیپالپور میں ایک شب قیام تھا، صبح اندور واپسی تھی۔

شب میں قصبہ کے بھرے بازار میں جلسہ ہوا، حضرت مولانا اپنی طبیعت کی ناسازی، مسلسل سفر کی تکان کی وجہ سے جلسہ میں شریک نہیں ہو سکے، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب، عبد الکریم پاریکھ صاحب اور راقم سطور، مولانا ابو البرکات صاحب، قاضی عبد الحمید صاحب کے ہمراہ ٹھیک وقت پر جلسہ گاہ پہونچے، تلاوت قرآن مجید کے بعد قاضی عبد القدوس صاحب نے مہمانوں کا تعارف کرایا، مقامی میونسپلٹی کے ایک غیر مسلم چیرمین نے اس علاقے کی مخصوص روایت کے مطابق پھولوں کے ہار پہنا کر مہمانوں کا سواگت کیا، مولانا ابو البرکات صاحب کی افتتاحی تقریر کے بعد راقم سطور کو خطاب کی دعوت دی گئی، جلسۂ عام چوراہے پر تھا، اس میں غیر مسلموں کی بہت بڑی تعداد شریک تھی، جن میں قصبہ کے ممتاز سربرآوردہ لوگوں کے علاوہ، حکومت کے اعلیٰ افسران بھی تھے، اندور کے نیگور ہال کے جلسے کی رپورٹ نے ہمارے وفد کا پہلے سے خاصا تعارف کرادیا تھا، اور ہر مقام پر غیر مسلموں کی بڑی تعداد ہمارے پیام کو سننے کے لئے آتی رہی، حضرت مولانا تشریف نہیں رکھتے تھے، راقم سطور نے کھل کر بات کی، ایک گھنٹہ کی تقریر کا مرکزی موضوع مانوتا کا سندیش تھا، بعد جناب عبد الکریم صاحب پاریکھ نے مفصل تقریر کی، مجمع سکون و خاموشی کے ساتھ پورا پروگرام سنتا رہا۔ یہ ہمارے لئے خوش آئند بات تھی اور حضرت مولانا کی دعا کی برکت، ہم نے یہاں آمد کے بعد محسوس بھی کیا اور کچھ سرگوشیاں بھی سنیں کہ ہمارے پروگرام سے ہر تعمیری کام اور صحیح دینی خدمت کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرکے ثواب کی امید رکھنے والے بریلوی حضرات کو اتفاق نہیں اور وہ لوگوں کو ہمارے جلسے سے روکنے کی اور اس میں انتشار پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنے والے ہیں۔ جلسہ گاہ میں ابتدا میں گھٹن اور اجنبیت کی فضا رہی، کچھ لوگوں کی سرگرمیاں مشکوک معلوم ہوئیں، لیکن جب تقریریں شروع ہوئیں تو مجمع کی دلچسپی خاص طور پر غیر مسلموں کی پرسکون سماعت کو دیکھ کر انتشار پیدا کرنے والوں کو مایوسی ہوئی ـــ دیپالپور کے اس جلسے اور ہمارے پروگرام کو کامیاب بنانے محمد اسحٰق صاحب ایڈوکیٹ نے بڑی حکمت عملی، ہمدردی اور تعلق کا ثبوت دیا، پاریکھ صاحب کی تقریر کے بعد جلسہ بخیر و خوبی ختم ہوا۔ جلسہ گاہ میں حضرت مولانا کے تشریف نہ لانے پر معذرت کرکے صبح ۸ بجے ملاقات کے خواہشمند لوگوں کو آنے کی دعوت دی گئی۔

پیام محبت و اتفاق:

رات گذری صبح کی نماز کے لئے ہم مسجد پہونچے، یہاں اجنبیت سی محسوس ہوئی، امام صاحب بریلوی مکتب فکر کے تھے، یہ مسجد غالباً اس قصبہ کی واحد مسجد ہے، اس کا نظم و انتظام قاضی عبد القدوس صاحب کے خاندان سے متعلق ہے، لیکن اپنی ملازمت اور مشغولیت کی وجہ سے یہ حضرات باہر رہتے ہیں، برادری میں کچھ ناچاقی تھی اس کا فائدہ بریلوی حضرات نے اٹھایا، مسجد پر ان کا قبضہ ہے، امام صاحب اور ان کے حواریوں میں ہم ناپسندیدہ مہمان تھے، قاضی عبد القدوس صاحب نے اکرام ضیف کے جذبہ سے کہا کہ ہم میں سے کوئی عالم نماز پڑھائے، مگر امام صاحب کو یہ گوارا نہیں ہوا، دیپالپور میں باہمی ناچاقی، اپنے علاوہ تمام مسلمانوں کو اور دین و علم کے خادموں کو خارج از اسلام اور حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگان دین کا معاذ اللہ دشمن سمجھنے والے گروہ کی شر انگیزی اور افتراق بین المسلمین کی مذموم کوششوں کو دیکھ کر بڑا افسوس ہوا، یہاں کے مختصر وقت کا بڑا حصہ انقباض اور گھٹن میں گذرا، اس ماحول کی اصلاح صحیح دینی تعلیم اور دعوت دین کے ذریعہ ہی ممکن ہے، حضرت مدظلہ اور مولانا معین اللہ صاحب نے اس پر مقامی لوگوں کو خصوصی توجہ دلائی۔

صبح کی نماز کے بعد تالاب تک چہل قدمی کے لئے جانا ہوا، راستے میں جینیوں کا ایک مندر تھا، جس کا طرز تعمیر اسلامی تھا، معلوم ہوا کہ یہ اصلاً مسلم دور حکومت کی کوئی عمارت یا مقبرہ ہے، جس میں بعد کے دور میں مندر بنا دیا گیا، واپسی میں قبرستان میں استاذ گرامی مولانا معین اللہ صاحب ندوی کے اعزہ کے قبروں پر فاتحہ پڑھی، ناشتہ مولانا معین اللہ صاحب کے برادر نسبتی ماسٹر صغیر صاحب کے یہاں ہوا، جس میں مقامی حضرات اور بیرونی مہمانوں کی بڑی تعداد مدعو تھی، ناشتہ سے فارغ ہوئے تو ہماری قیام گاہ کا ایک بڑا کمرہ ملاقات کے خواہشمند لوگوں سے بھر چکا تھا، ہمارے میزبانوں نے لاؤڈ اسپیکر کا انتظام کیا تھا، اندرون خانہ خواتین کی بڑی تعداد تھی، کمرہ میں گنجائش کم تھی، باہر چبوتروں پر بڑی تعداد میں لوگ بیٹھے تھے،

رات کے عام جلسے میں صبح ملاقات کا اعلان ہوا تھا اس لئے صبح کی اس خصوصی نشست میں غیر مسلم بھی آگئے، ان میں دو سکھ سردار صاحبان بہت نمایاں تھے، یہ رات کے جلسے میں بھی شروع

سے آخر تک بہت توجہ اور عظمت سے ہماری باتیں سنتے رہے اور اس وقت خاص طور پر حضرت مولانا کی زیارت کے لئے آئے تھے، مولانا نے اس قصبہ کی ضرورت کو محسوس فرما کر اتحاد و اتفاق دین پر ثابت قدمی، علم دین کے حصول کا جذبہ اور شوق پیدا کرنے پر خصوصی توجہ دلائی، موقعہ کی مناسبت سے آپ نے آیت قرآنی وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا۔ تلاوت کرکے فرمایا:۔

میرے بھائیو! میں نے قرآن شریف کی ایک آیت پڑھی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے پر اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، ایک دوسرے کا منہ دیکھنے کے روادار نہیں تھے، اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے، اللہ نے دلوں کو ملادیا۔ یہ آیت ایک واقعہ سے متعلق ہے، جب مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو خدا کی بندگی اور عبادت مشکل ہوگئی اور وہاں کے لوگوں نے اپنی ناسمجھی سے اس بات کو نہیں سمجھا کہ یہ ہمارا بھلا چاہتے ہیں، یہ ہمیں زمین کی نیستی سے اٹھانا چاہتے ہیں، ذلت و رسوائی کی زندگی سے نکال کر ایسی قوم بنانا چاہتے ہیں، جس سے ساری دنیا میں روشنی پھیلے، ساری دنیا میں محبت عام ہو، ساری دنیا میں اختلافات اور جھگڑے ختم ہوں، سارے دنیا کے انسانوں کو اپنی زندگی کا مقصد معلوم ہوجائے، اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیت دی ہے، شجاعت، سخاوت، محبت اور دولت کی جو نعمت عطا کی ہے اس کا صحیح استعمال کریں، جو صلاحیتیں چھوٹی چھوٹی معمولی باتوں میں صرف ہورہی ہیں، قومیں قوموں سے لڑ رہی ہیں، ملک ملک کے دشمن ہیں، برادریوں میں ہزار جھگڑے ہیں، خدا کی نافرمانیاں عام ہیں، ایسی باتیں سرزد ہورہی ہیں کہ جن سے خدا ناراض ہوتا ہے اس کا غضب بھڑکتا ہے، جنگل میں جانور جس طرح جانوروں کا شکار کرتے ہیں اس طرح انسان انسان کا شکار کر رہا ہے۔ ع

تعجب ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے

اسلام یہ چاہتا تھا کہ ان کو پستیوں سے اٹھا کر بلندی تک پہونچادے، لیکن مکہ کے لوگ اسے نہیں سمجھے، ان کے اندر یہ جذبات کام کر رہے تھے کہ فلاں خاندان، فلاں گھر کا کوئی شخص اتنا بڑھ جائے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کی زندگی مکہ میں دشوار ہوگئی تو انہیں اپنے محبوب وطن کو چھوڑ دینا پڑا،

وطن ہر شخص کو پیارا ہوتا ہے، لیکن زندگی کا مقصد اس سے زیادہ عظیم تر ہوتا ہے۔

اوس وخزرج کی معرکہ آرائی:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیرو جب مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو یہاں ایک دوسری مصیبت تھی، یہاں دو برادریاں تھیں اور دونوں عرب تھے، مگر عرصہ سے ان میں دشمنی تھی، ہر برادری اپنی خوبی اور دوسرے کی خرابی بیان کرتی، جب کوئی بڑا مقصد سامنے نہیں ہوتا تو چھوٹی چھوٹی باتوں میں لڑائیاں ہوتی ہیں۔ میں زمیندار خاندان کا فرد ہوں، میرے ننہال کا بڑے زمینداروں میں شمار تھا، ہمارے علاقہ میں زمینداری کے دور میں چھوٹی چھوٹی باتوں میں لڑائی ہوتی، مقدمے چلتے، اختلاف ہوتا، کسی ببول کے درخت، حد بندی یا دو کھیتوں کے درمیان کی مینڈھ پر۔ یا یہ کہ میں گذر رہا تھا فلاں نے سلام نہیں کیا، بس لڑائی چھڑ جاتی، بائیکاٹ ہوتا، بچوں کو ہدایت کی جاتی کہ فلاں کے گھر نہ جائیں، بچے ان باتوں کو کیا سمجھتے، انہیں کھیل ملادیتا،

چاہئے تو یہ تھا کہ علم سب کو ملادے، لیکن آج دنیا میں کھیل ملاتا ہے، ایک ملک کی ٹیمیں دوسرے ملک جاتی ہیں، سب مل جل کر کھیلتے ہیں، بڑے افسوس کی بات ہے کہ علم نہ ملائے اور کھیل ملائے، سنجیدگی نہ ملائے اور تفریح ملائے۔

جب کوئی بڑا مقصد سامنے نہیں ہوتا، انسانی دنیا میں جو آگ لگی ہوئی ہے، جو خرابی ہے، خدا کے غضب بھڑکانے والے انسانیت کی ذلت و پامالی کے جو واقعات ہورہے ہیں ان کا درد و احساس جب نہیں رہتا، تو بچوں کی طرح کھیل تماشوں میں جی لگتا ہے یا ایسے معمولی معمولی اختلافات کو لوگ اہمیت دینے لگتے ہیں جن پر رنج بھی ہوتا ہے اور ہنسی بھی آتی ہے ـــ مدینہ والوں کا بھی حضورؐ کی آمد سے پہلے یہی حال تھا، اوس و خزرج کے لوگ آپس میں ایسے لڑتے تھے، ایک دوسرے کے خون سے پیاس بجھاتے تھے گویا اس سے بڑھ کر اور کوئی اعلیٰ مقصد نہیں۔ یہ جذبہ ان میں برسوں سے تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ مدینہ پہونچے تو ان کے سامنے بڑا مقصد آیا، بڑی حقیقتیں کھلیں تو ان کی کایا پلٹ گئی۔ اب وہ آپس میں شیر و شکر، ایک جان و دو قالب ہوگئے، انہوں نے اپنے ماضی کو بالکل بھلا دیا، مدینہ میں آباد یہودیوں کو یہ پسند نہیں تھا، انہوں نے لڑانے کی بہت کوشش کی، بعض مرتبہ دور جاہلیت کے وہ اشعار سنائے جن میں قبائلی عصبیت اور جاہلی حمیت کا ذکر تھا، اوس و خزرج نے اس کا اثر قبول نہیں کیا، اللہ اور اس کے رسول کی محبت نے ان عداوتوں کو دھو دیا تھا، ان کو اپنا ماضی ایسا ذلیل معلوم ہونے لگا کہ اسے سوچ کر ان پر لرزہ طاری ہوجاتا تھا، رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے ـــ جب کوئی مشترک خطرہ یا مشترک محبوب سامنے آجاتا ہے، جیسے کعبہ کے گرد سب جمع ہوجاتے ہیں، ایک لباس میں، ایک کلمات کے ساتھ، ویسے ہی کعبۂ مقصود سامنے آجاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی رضا کا حصول، اللہ کے بندوں کی خدمت، ان کے دکھ درد دور کرنے کا جذبہ تو چھوٹی چھوٹی باتیں ایسی حقیر معلوم ہوتی ہیں کہ ان کے تصور سے ہنسی آتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی موقع پر ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ "ٹھوکر مارو ایسی گندی چیز کو" واقعہ یہ تھا کہ انصار اور مہاجرین کے درمیان ایک کنویں پر لڑائی ہوگئی، ایک نے اپنے قبیلہ کو آواز دی، دوسرے نے اپنے ساتھیوں کو دہائی دی، تو حضورؐ نے فرمایا چھوڑو یہ بڑی ذلیل حرکت ہے، حضورؐ کی تربیت اور اسلام کی برکت سے مہاجرین و انصار میں ایسا انقلاب آیا کہ میدان جنگ میں زخموں سے چور ہیں اور نزع کے عالم میں پیاس لگی ہے، پانی آتا ہے تو دوسرے زخمی کی طرف اشارہ کرکے اسے پہلے پلانے پر اصرار کرتے ہیں۔ ایثار کا یہ جذبہ، اسلام کے رشتہ، مقصد سے عشق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے پیدا کیا تھا۔ اس رشتہ کا نشہ ایسا طاری ہوگیا کہ مدینہ کے انصار نے مکہ کے مہاجرین کو اپنی دکان، اپنے کھیت، اپنی جائداد میں برابر کا شریک کیا۔

شرک کے بعد سب سے ناپسندیدہ چیز باہمی رنجش:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے بعد سب سے زیادہ جس چیز کی مذمت کی ہے وہ باہمی رنجش ہے، حدیث میں آتا ہے کہ شب برات یعنی نجات کی رات کو جس میں عام مغفرت و معافی ہوتی ہے، جب دریائے رحمت جوش میں آتا ہے، تین آدمیوں کو پروانۂ مغفرت نہیں ملتا، ماں باپ کا نافرمان، عادی شرابی اور وہ شخص جس کے دل میں کسی مسلمان بھائی کی طرف سے بغض و کینہ ہو۔ آپؐ نے خاص طور پر رشتہ داریوں کا خیال کرنے کی تاکید فرمائی ہے، کل ہی ٹیگور ہال کے جلسے میں پاریکھ صاحب نے ایک حدیث سنائی، کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے، ان میں یہ بھی ہے کہ ان اصل من قطعنی و اعفو من ظلمنی و اعطوا من حرمنی، میں اس سے رشتہ جوڑوں جو میرا رشتہ ناطہ کاٹے، اس کو معاف کروں جو مجھ پر ظلم کرے، اس کو عطا کروں جو مجھے محروم کردے۔

جو دوستی اور محبت کا معاملہ کرے اس سے اچھے تعلقات رکھنا کوئی کمال نہیں، اعلیٰ بات تو یہ ہے کہ جو دشمنی کرے، نقصان پہونچائے اس سے حسن سلوک کیا جائے، ہمارے اسلاف اور بزرگوں کا یہی عمل تھا، شیخ سعدیؒ نے اسی کو کہا ہے ؎

شنیدم کہ مردانِ راہ خدا | دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام | کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

میں نے سنا ہے کہ مردانِ راہ خدا دشمنوں کا دل بھی میلا نہیں کرتے تھے، تمہیں یہ مقام کیونکر میسر آسکتا ہے کہ تمہیں اپنے دوستوں سے لڑنے کی فرصت نہیں۔

میں نے خود ایسے اللہ والوں کا نمونہ دیکھا ہے، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ہندوستان کی تقسیم کے مخالف تھے، وہ ہندوستان میں مسلمانوں کو رکھنا چاہتے تھے، پاکستان کے قیام سے انہیں اتفاق نہیں تھا، اسی وجہ سے انہیں بہت تکلیف دی گئی، توہین کی گئی، بعض مرتبہ تو ان کی جان پر بن گئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بچایا، سید پور میں لوگ ان پر پتھر پھینک رہے تھے اور مولانا مدنیؒ آنکھیں بند کئے مراقبے میں بیٹھے تھے، چوٹ لگ رہی تھی اور آپ صبر و ضبط کئے رہے، پھر اللہ نے ان گستاخی کرنے والوں اور ایذا پہونچانے والوں کے ساتھ جو کیا وہ کیا، کوئی تالاب میں ڈوب کر مرگیا، کوئی پاگل ہوگیا، لیکن دیکھنے والوں نے مجھ سے بیان کیا اور خود میں نے دیکھا کہ ۱۹۴۷ء کے بعد جب یہاں کانگریسی حکومت قائم ہوگئی تھی، جب وہ مخالفین سامنے آتے تو بڑی خوشدلی کے ساتھ ملتے، اگر کوئی اپنے رویے کی معافی چاہتا تو فرماتے کہ کوئی بات نہیں، مجھے کوئی شکایت نہیں ـــ آپ اطمینان رکھیں، شکوہ و شکایت

سُنانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ دیکھنے والوں نے بیان کیا کہ حضرت مولانا مدنیؒ رو رو کر دعا فرماتے تھے کہ "یا اللہ اب ان کو معاف فرما، یا اللہ میری طرف سے ان کو معاف فرما، میری طرف سے دار و گیر نہ فرما، میری ذات سے کوئی نقصان نہ پہونچا"۔

اور حضرت علیؓ کا واقعہ کہ ابن ملجم نے جب زہر میں بُجھا ہوا خنجر مارا، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ شربت کا پیالہ لے کر آئے تو فرمایا، "کسی کو اس سے باز پرس کا حق نہیں، اگر میں زندہ رہا تو میں جانوں اور وہ، اور اگر میں مرگیا تو مرنا مقدر میں تھا ہی"۔

بھلا بتایئے دنیا میں جو جھگڑے ہیں ان کی اب کہاں گنجائش ہے، قومی جھگڑے ہوں، ملکی جھگڑے ہوں، فرقہ وارانہ جھگڑے ہوں، خاندان، برادری کے جھگڑے ہوں، ان واقعات کو سُننے کے بعد بھلا ان کی کہاں گنجائش؟ سب محبت ہی محبت ہے، سب رحمت ہی رحمت ہے، کوئی اس کا تجربہ کرکے دیکھے کہ زندگی میں کیا مزا آتا ہے، خاندانی ناچاقیاں ہر جگہ ہوتی ہیں، خود ہمارے خاندان میں بھی ایک زمانہ میں یہ کمزوری رہ چکی ہے، ہر چیز کے ساتھ ایک نہ ایک کمزوری لگی رہتی ہے، لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور ہمارے والد صاحب نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "اصلاح" ہے ہم مولوی معین اللہ صاحب سے کہیں گے کہ وہ رسالہ چھپوا کر یہاں گھر گھر پہونچا یا جائے، کیونکہ یہ کتاب بہت درد سے لکھی گئی ہے، اس وقت سے الحمد للہ وہ بات ختم ہوگئی۔ اور یہ خاندان ہی کے متعلق نہیں بلکہ جس بستی میں جانا ہوا وہاں یہی سُنا ہے، اس کی وجہ سے بہت بے برکتی ہوتی ہے، ایسی بے برکتی کہ وہاں رہنے میں وحشت ہوتی ہے، وہاں رہنے کا مزا نہیں، پھر اس میں شیطان کود پڑتا ہے اور اس کو مذہبی رنگ دے دیتا ہے۔ عقیدے اور مسلک کا نام دے دیتا ہے، شیطان کی اس سازش اور شر سے پناہ مانگئے اور اللہ والے بن جایئے۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں "راشننگ" نہیں:

اللہ تعالیٰ کا قرب، اس کی معرفت، اس کی محبت ہر مسلمان کو حاصل ہوسکتی ہے بشرطیکہ وہ اس راہ میں کچھ محنت و کوشش کرے ——
ہمارے شیخ حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائپوریؒ کو ایسی مقبولیت اور محبوبیت عطا ہوئی کہ ہر شخص چاہتا تھا، ہر علاقہ تمنا کرتا تھا کہ حضرت ہمارے یہاں تشریف لائیں۔ لوگوں کے اس جذبہ اور اشتیاق کو دیکھ کر وہ فرماتے تھے، مجھ میں کچھ نہیں، اگر ہے تو صرف یہ کہ میں نے کچھ عرصہ تک اللہ کا نام لیا، یہ سب اس کی برکت ہے، آپ لوگوں میں سے کوئی لاہور لیجانا چاہتا ہے، کوئی راولپنڈی، کوئی کراچی تو کوئی رائپور، یہ سب اللہ کے نام کا خلوص کے ساتھ ذکر کرنے کی برکت ہے کہ تم پروانہ وار گرتے ہو، تم خود اللہ کا ذکر خلوص سے کیا کرو، تم بھی اس کی برکت پاؤگے۔

دوسری بات یہ کہ اپنی اولاد کو دینی تعلیم دیجئے، مدرسوں میں بھیجئے، یہاں مدرسہ قائم کیجئے، دین کی دعوت کی محنت کیجئے، آپ کے یہاں کے طلبہ دور دور تک گئے ہیں یہاں حرم بھی جاچکے ہیں، سارے بزرگوں کی ان پر نظر کرم ہے، یہیں کے مولوی ابو البرکات ہیں جنھوں نے اندور میں بڑا مدرسہ قائم کیا ہے، ایک بڑا جلسہ وہاں کیا، کتنے ہی آپ کے یہاں کے طلبہ مدینہ منورہ میں اور ندوہ میں پڑھ رہے ہیں، دین کی خدمت کر رہے ہیں، کوئی یوگنڈا میں کام کر رہا ہے، اپنے لڑکوں کو پڑھایئے، اللہ سے تعلق قائم کیجئے، مسجد میں کچھ دیر بیٹھ کر اپنی پچھلی زندگی پر آنسو بہایئے، پھر اللہ سے عہد کیجئے، دعا مانگئے، اللہ تعالیٰ آپ کو وہی خصوصیات عطا فرمائے گا، جو اس نے آپ کے بزرگوں کو عطا کی تھیں۔ اس کے یہاں راشننگ نہیں، اس کا رزق ختم نہیں ہوتا —— ہمیں آپ لوگوں سے محبت ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں دوبارہ حاضری ہوئی، ورنہ زندگی میں ایک بار کہیں گئے تو دوبارہ جانا نہیں ہوا، آپ کی محبت ہی ہمیں کھینچ کر لائی ہے۔

عورتوں کو بھی ولایت نصیب ہوسکتی ہے:

اپنی بہنوں سے بھی ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا نام لیجئے، ولایت صرف مردوں کا حصہ نہیں، عورتوں کو بھی اللہ تعالیٰ مقام ولایت نصیب فرماتا ہے، حضرت رابعہ بصریؒ اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی والدہ اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی والدہ کو ولایت کا مقام حاصل تھا، یہ خواتین بھی خدا کو یاد کرتی تھیں، یہ نہیں کہتی تھیں کہ میں فلاں ولی کی والدہ ہوں، بلکہ خود عمل کرتی تھیں۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے تھے کہ مجھے جو کچھ ملا ہے میری والدہ کی دعاؤں سے ملا ہے، ان کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

آپ بھی مصلے پر بیٹھنا اور خدا کو یاد کرنا سیکھئے، اللہ کا نام جو بھی سچائی سے لے گا وہ اثر کئے بغیر نہیں رہے گا۔ مہندی کے پتوں کو رگڑنے سے اس میں رنگ پیدا ہوتا ہے۔ ع

"رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھِس جانے کے بعد"

اس کو آپ سے بہتر اور کون جانتا ہے کہ مہندی گھِس جانے کے بعد رنگ لاتی ہے، تھوڑی سی محنت اللہ کا نام رٹنے میں کیجئے، جو کچھ مانگنا ہو اسی سے مانگئے، اللہ کے نام میں بڑا اثر ہے، اللہ کے نام میں جو رنگ ہے وہ کسی چیز میں نہیں۔ بچوں کی بہتر سے بہتر دینی اور اخلاقی تربیت کیجئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

تقریر ختم ہوئی، ہم سب روانگی کی تیاری میں لگ گئے، دوران تقریر ایک دلچسپ واقعہ ہوا، ٹین کی چھتوں پر دھماکوں کی آواز سے سب چونک اُٹھے، معلوم ہوا کہ بندر چھلانگ لگا رہے ہیں اور اُچھل کود کر رہے ہیں، حضرت مولانا نے اس پر ایک دلچسپ جملہ فرمایا کہ "معلوم ہوتا ہے انہیں بھی کسی نے بھیجا ہے، شاید انہیں ہماری باتوں سے اتفاق نہیں"۔ دیپالپور کے ماحول کے پس منظر میں اس معنی خیز جملے کا مجمع نے بہت لُطف لیا۔

رُخصتی مصافحوں اور معانقوں کے بعد اب اندور واپسی تھی، وہاں اس وقت کچی مسجد رانی پورہ کے تبلیغی اجتماع میں حضرت کا بیان تھا، دیپالپور سے اندور کا راستہ معلومات افزا گفتگو میں کٹا، حضرت مولانا نے فرمایا کہ یہ دورہ اور یہاں کا استقبال مولانا معین اللہ صاحب ندوی (جو اسی علاقے کے باشندے ہیں) کے طفیل اور ان کے تعلق اور کوشش کا نتیجہ ہے، حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے ۱۹۳۳ء کا وہ دن اور وہ منظر یاد ہے جب دو شریف، صالح اور خاندانی بچے ندوہ کے کتب خانہ میں نظر آئے معلوم ہوا کہ یہ اندور کے علاقہ کے ہیں اور ندوہ میں پڑھنے آئے ہیں، یہ تھے مولانا معین اللہ صاحب ندوی اور ان کے حقیقی بھائی مولوی نور اللہ ندوی مرحوم، مولوی نور اللہ مرحوم ندوہ سے فراغت کے بعد لکھنؤ طبیہ کالج میں پڑھ رہے تھے کہ بیمار ہوئے اور عین عالم جوانی میں انتقال فرما گئے۔

گفتگو میں وقت گذر گیا، ہم اندور میں داخل ہوئے اور سیدھے رانی پورہ کی کچی مسجد پہونچے، ہم لوگوں کو دیپالپور سے نکلتے نکلتے کچھ تاخیر ہوگئی تھی، یہاں سب لوگ منتظر ملے، مسجد کا اندرونی حصہ اور صحن سامعین سے بھر چکا تھا، حضرت مدظلہ، نے پہونچتے ہی تقریر شروع فرمادی۔
آغاز میں تاخیر سے پہونچنے پر معذرت فرماتے ہوئے کہا:۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بہت غیور ہے:

میں معافی چاہتا ہوں کہ ہم بہت دیر میں پہونچے، وہاں کے لوگوں نے ایسی محبت اور اشتیاق کا مظاہرہ کیا کہ جلدی کرتے کرتے اتنی دیر ہوگئی، آپ یہاں دیر سے بیٹھے ہیں، آپ کو اس کا ثواب ملتا رہا، شاید اس کا آپ کو اندازہ بھی نہ ہو۔ آپ میں سے بہت سے بھائی یہ سمجھتے ہوں گے کہ وقت ضائع ہوا، اتنی دیر ہم نے کوئی اور کام کیا ہوتا لیکن ہمیں بتایا گیا ہے کہ نماز کے انتظار میں جو وقت صَرف ہوتا ہے وہ نماز ہی میں شمار ہوتا ہے، نماز تو نماز ہی ہے، اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی نیک کام میں آدمی نیک ارادے سے بیٹھ جائے، تو وہ نیکی ہی میں شمار ہوگا۔ ہم اور آپ جو اس وقت ذکر کر رہے ہیں اس کا شمار ثواب ہی میں ہو رہا ہے، خدانخواستہ اگر تبلیغ میں ثواب نہ ملے اور نماز قبول نہ ہو تو کیا فائدہ۔ ثواب ہی اصل چیز ہے، اگر بیٹھے بیٹھے مل جائے تو سبحان اللہ، انتظار میں مل جائے تو سبحان اللہ۔ آپ نے اپنا وقت ہمارے انتظار میں گذارا وہ انشاء اللہ ضائع نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، ہر چیز میں اس کی ایک سنّت ہے، سخاوت اور فقر اسی کا عطیہ ہے، وہ واحد المعطا یا ہے، وہ وہّاب ہے، قہّار ہے، منّان، احسان کرنے والا ہے، وہ بے نیاز ہے، وہ غنی ہے، وہ حکیم ہے، اس نے یہ سنّت طے کرلی ہے کہ جو چیز اس کی نگاہ میں قیمتی ہے اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی، اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ جس چیز پر بندہ کی محنت و مال صرف ہوگا، اس کا اس کے دل میں قدر اور احترام ہوگا، مفت کی چیز کی قدر نہیں ہوتی، دین سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے، اللہ کا سودا بڑا گراں ہے، اور اللہ کا سودا کیا ہے؟ اس کی رضا ہے، جنّت ہے، دین کی قیمت یہ ہے کہ اس کی قدر کی جائے، اس کا حق ادا کیا جائے، پھر اللہ تعالیٰ نے محنت کا معیار مقرر نہیں کیا، جہاں سر کٹانے کی ضرورت ہو وہاں سر کٹایا جائے، جہاں سر جھکانے کی ضرورت ہو وہاں سر جھکایا جائے،

مقصد یہ ہے کہ ہم میں دین کی قدر ←

ہو، اور دین بغیر محنت کے حاصل نہیں ہوتا، بغیر سیکھے نہیں آتا، جوتا گانٹھنا، کپڑے سینا، مکان بنانا جب سیکھنا پڑتا ہے، بغیر محنت کے اور بغیر سیکھے آجائے ایسا ممکن نہیں۔ ایک پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑا غیور ہے، اس کی غیرت کے یہ منافی ہے کہ وہ دین کی دولت جس کو چاہے دیدے، خواہ وہ لینا چاہتا ہو یا نہ لینا چاہتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں —— اگر سر کے بل آنکھوں کے بل، پلکوں کے بل آؤگے تو وہ تم کو دے دیگا۔ اگر اس کے بعد بھی عطا کردے تو عنایت ہی عنایت ہے، اگر کوئی صاحب یہ کہیں کہ ہم نے بہت محنت کی تھی ہم کو تو ملنا ہی چاہیے تھا، تو "ملنا ہی چاہیے" کا قانون اللہ کے یہاں نہیں ہے، وہ کسی جھونپڑی کے مسکین کو اُٹھا کر تخت سلطنت کا مالک بنا دیتا ہے اور کسی کو بت خانہ سے اٹھا کر حرم کا پاسبان اور اس کا امام بنا دیتا ہے، حضرت عمرؓ کون تھے؟ وہ چلے تھے اسلام کا خاتمہ کرنے کے لئے، لیکن امیر المومنین، عمر فاروقؓ بن گئے۔ اور کبھی وہ مسجدوں سے نکال کر بت خانہ میں پہونچا دیتا ہے، بہر حال اللہ تعالیٰ بہت غیور ہے اور دین کوئی راستے میں پڑا ہوا مال نہیں ہے کہ اٹھا لیا جائے، بلکہ اس کے لئے کچھ کرنا پڑتا ہے،

غلہ کتنی محنت و مشقت کے بعد حاصل ہوتا ہے، کن کن مراحل سے گذر کر وہ روٹی سامنے آتی ہے جسے ہم کھاتے ہیں، دین بغیر محنت و کوشش کے کس طرح حاصل ہوسکتا ہے؟ ہمارے رات دن کے مشاغل، ہمارے کمانے کھانے کی مصروفیات میں دین کس طرح آسکتا ہے؟ دین زبردستی گلے کا ہار نہیں بنتا۔ دین تو ہماری ضرورت ہے۔ اسی سے ہماری زندگی بنےگی، بھائیو! دین کے لئے کچھ کرنا چاہیے، اس کو سیکھئے اور اپنی زندگی میں پیوست کرنے کے لئے کچھ طریقے ہیں، پہلے ایک دور ایک گذرا ہے کہ دین کی حقیقت، اس کی کیفیت کو پانے کے لئے لوگ بڑا مجاہدہ کرتے تھے، یکسوئی حاصل کرنے کے لئے خانقاہوں میں ذکر و شغل کرتے تھے، کسی اللہ والے کی خدمت میں زندگی کے دن گذار دئے جاتے تھے، یہ بھی ایک طریقہ تھا،

آج کے مشغول زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے دین سیکھنے سکھانے کے لئے یہ ایک طریقہ بتایا ہے جو آپ کے تبلیغی کام کے نام سے پوری دنیا میں چل رہا ہے، اس کام کا مقصد اور بنیادی پیام یہی ہے کہ دین کوشش اور مشق سے آئے گا وقت فارغ کرکے جب تک ہم اسے نہیں سیکھیں گے اس وقت تک یہ نہیں آسکتا۔ حج کرنے سے پہلے حج سیکھنا ضروری ہے، تبلیغ میں اسی لئے باہر نکلنے کی دعوت دیجاتی ہے، اس کا مقصد تجارت اور کاروبار سے چھڑانا نہیں ہوتا بلکہ زیادہ بہتر تجارت، صحیح طریقہ سے کاروبار اور خدا کی یاد کے ساتھ بازار میں بیٹھنے کی مشق کرانا ہوتا ہے، کسی بزرگ نے کہا ہے کہ مسجد کے کونے میں بیٹھ کر خدا کو یاد کرنے سے ذکر الٰہی کی مشق نہیں ہوتی ہے بلکہ بازار میں جب خدا کی یاد اور اسکے ذکر کی مشق ہوگی تب وہ مشق مسجد میں بھی کام آئے گی۔

دین میں دنیاداری اور دنیا میں دینداری:

ایک بزرگ نے کسی شخص کو طواف میں بہت آہ و زاری کرتے دیکھا، وہ الحاح و زاری کے ساتھ دعا کر رہا تھا، اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر مانگ رہا تھا، اس کے آنسو ایسے رواں تھے کہ ہر شخص اس کی حالت دیکھ کر متاثر تھا لیکن جب انہوں نے اس کے قلب پر نظر کی تو اس میں ذرہ بھر بھی خدا کی یاد کی لگن اور استحضار نہیں پایا، انہی بزرگ نے بازار میں ایک تاجر کو دیکھا جس کی دکان پر گاہکوں کی ایسی بھیڑ تھی کہ سلام کے جواب اور سر اُٹھانے کی مہلت اسے نہیں ملتی تھی، لیکن اس کا قلب یاد الٰہی سے معمور تھا، ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی دُکانداری اسے اللہ سے غافل نہ ہونے دیتی، رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله،

ذہن دینی ہو تو دنیا بھی دین بن جائے گی اور اگر ذہن غیر دینی ہے تو خالص دینی خدمت بھی پکّی دنیاداری ہوگی،

ایسی تجارت جس میں دین سے غفلت نہ ہو اس کی مشق دین کے لئے کچھ وقت نکالنے سے ہوگی۔

آپ بہت دیر سے بیٹھے ہیں، کہنا یہی ہے کہ یہاں آکر ہمیں بڑی خوشی ہوئی، یہاں بڑے اچھے لوگ ہیں، بڑی نرم زمین ہے، بڑا اچھا شہر ہے، ہمارے بڑے بڑے جلسے ہوئے، شیگور ہال کے جلسے میں پورے شہر کا کھٹن اور جوہر جمع ہوگیا تھا، لیکن ہمیں اس کا افسوس رہا کہ اتنے بڑے شہر میں جس پیمانہ پر تبلیغی کام ہونا چاہیے ویسا نہیں، اس کی کوشش کرنی چاہیے، تبلیغی کام ایمان کی دعوت کا کام ہے، یہ تمام کاموں کی روح ہے، جسم کا مدار روح پر ہے اور روح کی زندگی ایمان پر ہے، جب ایمان کی دعوت کا کام ہوگا تو دین کے ہر کام میں جان پیدا ہوگی۔

نئی زندگی کا مژدہ:

حضرت سید احمد شہیدؒ کے حالات میں پڑھا ہے کہ سید صاحبؒ کے اصلاحی دورے جن جن مقامات پر ہوتے تھے وہاں ایمان و اخلاق کی بہار آجاتی تھی، لوگوں کی زندگیاں بدل جاتی تھیں، عادی مجرم ان کے ہاتھ پر توبہ کرکے عابد و زاہد بنجاتے تھے، اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی عام فضا پیدا ہوجاتی تھی، سیرت سید احمد شہیدؒ میں خدا کے ایک محبوب بندے کے حالات پڑھے تھے، آج خانوادۂ سید شہیدؒ کے ایک فرزند اور انہی سے نسبت کا اظہار رکھنے والے، اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے کے سفر کے برکات و ثمرات کا مشاہدہ آنکھیں کر رہی تھیں، کچی مسجد کے تبلیغی اجتماع کے بعد مولانا ابو البرکات صاحب کی قیام گاہ آئے جہاں خواتین کی بہت بڑی تعداد حضرت مولانا سے بیعت کی منتظر تھی، حضرت نے کلمۂ طیبہ پڑھا کر انہیں توبہ کرائی، اس عمارت کی نچلی منزل کے ہال میں جہاں مدرسۂ ریاض العلوم کا دفتر ہے، مردوں کی بہت بڑی تعداد جس میں بیشتر تعلیم یافتہ نوجوان تھے حضرت مدظلہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی، حضرت نے ابتدا میں ایک تقریر فرمائی جس میں بیعت کی اہمیت، ذمہ داری، اس کا عصر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا ثابت کیا، صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے ہاتھ پر عہد کیا تھا، اور پھر دل کی گہرائی سے یہ کلمات پڑھے جسے مجمع دُہرا رہا تھا،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، اللہ کے سوا کوئی مالک، معبود نہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں، یا اللہ! ہم توبہ کرتے ہیں کفر سے، شرک سے، بدعت سے، جھوٹ بولنے سے، پرایا مال ناحق کھانے سے، کسی پر بہتان لگانے سے، نماز چھوڑنے سے، اور سب گناہوں سے جو ہم نے اپنی ساری عمر میں کئے، چھوٹے ہوں یا بڑے، اور اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ تیرے سب حکموں کو مانیں گے، تیرے رسول پاکؐ کی تابعداری کریں گے، یا اللہ! تو ہماری توبہ قبول فرما، ہمارے گناہوں کو بخش دے، ہمیں توفیق دے نیک عملوں کی، اپنے رسول پاک کی تابعداری کی۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ یہ تو توبہ ہوگئی ہم نے بھی توبہ کرلی، آپ نے بھی کرلی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر قائم رکھے، خلاف شرع تمام کاموں سے بچیں، شادی بیاہ کی چیزیں ہوں یا رسم و رواج کی سب میں شریعت کا لحاظ رکھیں، نماز کی پابندی کریں، موت کو ہمیشہ یاد رکھیں، مرکر سب کو اللہ کے یہاں جانا ہے، وہاں سوائے اللہ کی رحمت کے اور کچھ کام نہیں آئے گا، یہاں جو کچھ نیک عمل کیا وہی کام آئے گا، ایک تسبیح درود شریف کی، ایک تسبیح تیسرے کلمے کی اور ایک تسبیح استغفار کی روزانہ پڑھا کریں، چوبیس گھنٹے میں کسی وقت۔ اس کے بعد حضرت نے دعا فرمائی۔

بیعت کے وقت مجھ سے قریب بیٹھے ہوئے ایک نوجوان کو جس کے چہرے پر متانت و سنجیدگی اور رشد کے آثار جھلک رہے تھے، میں نے مبارکباد دی —— یہ تھے میاں خالد —— مولوی معاذ ندوی، مولوی زبیر ندوی کے برادر خورد، مولوی معاذ ندوی ان دنوں مدینہ یونیورسٹی میں پڑھ رہے ہیں، گذشتہ سال محب محترم مولانا سید الاعظمی ندوی کی معیت میں مملکت سعودی عربیہ کے دار السلطنت ریاض میں منعقدہ موتمر فقہ اسلامی میں شرکت کے بعد حج بیت اللہ اور زیارت مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت نصیب ہوئی تھی، مولوی معاذ اور مدینہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم ندوی طلبہ وقار عظیم، سید احمد، اقبال مسعود، ابو سحبان، علی احمد، سجاد نعمانی، محفوظ اعظمی وغیرہ نے جس اپنائیت و خلوص کا معاملہ کیا، اس کا نقشہ نگاہوں کے سامنے پھر گیا، اس مبارک سفر کے نقوش ذہن میں ابھر آئے ہیں اور صفحۂ قرطاس پر منتقل ہونے کے منتظر ——

ظہر کی نماز کا وقت ہوچکا تھا، یہ طے پایا کہ نماز ظہر گرین فیلڈ کالونی میں ادا کی جائے، ←

گرین لینڈ کالونی شہر کے مضافات میں ایک خوبصورت کالونی ہے۔ ظہرانے کی دعوت عبدالمجید صاحب غوری برادران کے یہاں تھی، ان کا ٹرانسپورٹ کا کاروبار ہے، اچھے ہوئے خیال کے، پڑھے لکھے اور ہمارے پورے سفر میں اور تمام پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے، ہماری کار گرین لینڈ کالونی میں غوری صاحب کے خوبصورت کاٹیج کے سامنے رکی، دو منزلہ مکان کے سامنے شامیانہ لگا ہوا تھا، اسی میں نماز ادا کی گئی، پھر کھانا ہوا، کھانے کا تنوع اور معیار دیکھ کر حضرت مدظلہ نے ہم لوگوں سے کہا کہ آئندہ جب بھی حلقۂ پیام انسانیت کا سفر ہو اس میں کھانے پینے رہائش وغیرہ میں پوری سادگی کو ملحوظ رکھا جائے، ہماری خاطر یہ اسراف اور دعوتوں میں سابقت مناسب نہیں۔

بوہرہ نوجوان کی آپ بیتی: کھانے سے فارغ ہوکر حضرت مولانا اور مولانا معین اللہ صاحب ندوی اپنی قیام گاہ ہارون منزل روانہ ہوگئے۔ پاریکھ صاحب، ڈاکٹر اشتیاق صاحب اور راقم سطور کو یہ ہدایت دی کہ ہمیں غوری صاحب کے یہاں کچھ دیر آرام کرکے اندور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے جلسے میں شریک ہوں، عبدالمجید غوری صاحب نے ہم تینوں کی راحت و آرام کا بڑا اہتمام کیا تھا، آرام کا یہی وقت تھا جو ہیں نے پروفیسر محمد حسین (لیکچرر کرسچن کالج) کو دیا تھا، یہ بوہرہ برادری سے تعلق رکھتے تھے اور اپنی جماعت اور اس کے سربراہ کی بعض بندشوں سے سخت نالاں تھے، انہوں نے جو تفصیلات سنائیں وہ راقم سطور کے لئے نئی نہیں تھیں، اس معاملہ میں ہمارا نقطۂ نظر میں نے پیش کیا، جن چیزوں میں کسی انسان کے اُلوہیت کے مقام کا شائبہ ہو مثلاً اسے سجدہ کرنا وغیرہ یا جو انسان صاحب تشریع بن کر ایسے قوانین و رسوم وضع کرے جو دین و اخلاق اور عام سماجی انصاف کے منافی ہوں تو اس سے ہمیں اتفاق نہیں، حضرت مولانا نے بھی یہی بات بھوپال میں اُس بوہرہ وفد سے کہی تھی جو وہاں کے عامل صاحب کی قیادت میں حضرت مولانا سے ملنے آیا تھا، یہ بات زیادہ دنوں تک چلنے والی نہیں، نئی نسل میں بغاوت کے اس رجحان کو روکنا مشکل ہوجائے گا، بہتر یہ ہے کہ غیر مطمئن گروہ سے افہام و تفہیم کی بنیاد پر، ان کی جائز شکایتیں رفع کرکے اور مناسب مطالبات تسلیم کرکے اس مسئلہ کو حل کیا جائے ـــــ اس مسئلہ کا ایک سنگین پہلو جو پروفیسر محمد حسین صاحب نے بیان کیا۔ یہ ہے کہ اپنی برادری سے دھتکارے ہوئے لوگوں کو جب ملت کے سوادِ اعظم کی ہمدردی نصیب نہیں ہوتی تو وہ بہائی، عیسائی یا کسی اور غیر مسلم طبقہ میں شامل ہوجاتے ہیں، ظاہر ہے کہ انسان سماج کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، شادی بیاہ، موت و غم اور نہ جانے زندگی میں کتنے ایسے مواقع آتے ہیں جب اسے سماج کی ضرورت پڑتی ہے ـــــ

میں نے پروفیسر صاحب کی گفتگو سُن کر یہ بھی کہا کہ آپ کا ترقی پسند گروپ (ابو پرگتی منڈل) اپنے داخلی مسئلہ میں غیر مسلموں خاص طور پر ان لوگوں کو اپنا رہنما بنائے ہوئے ہے جو حمید دلوائی ذہن کے ہیں، خود پروگریسیو گروپ میں اصغر علی انجینئر جیسے غیر محتاط شخص کی قیادت جس کی تحریریں حمید دلوائی کی فکر سے متاثر معلوم ہوتی ہیں، مسلم دانشوروں اور عوام و خواص میں آپ کی تحریک کو مشکوک بنا دیتی ہیں اور ان کی ہمدردی اور تعاون کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں، آپ کی قیادت کو یہ چاہئے تھا کہ جن تنظیموں اور شخصیتوں پر ملت کی اکثریت کو اتفاق ہے ان سے مل کر اپنا مسئلہ پیش کرتے، انہیں ثالث بناتے، ان کے ذریعہ سے اپنی جماعت کے سربراہ سے باہمی گفت و شنید کی راہ ہموار کرتے ـــ تار کنڈے کمیشن تک نوبت پہونچانے سے پہلے یہ مرحلہ ضروری تھا، میں نے ان صاحب کو حضرت مولانا سے ملانے کا وعدہ کیا، وہ رخصت ہوئے چند لمحے آرام کیا تھا کہ چار بج گئے ـــــ وضو سے فارغ ہوکر عبدالمجید صاحب غوری کے بھائی کے مکان پر چائے پی، جن کا خوبصورت مکان اسی کالونی میں ہے، ایک اور صاحب کے اصرار پر جو پڑوس ہی میں رہتے تھے دوبارہ چائے پینی پڑی، اس کالونی میں محبت و خلوص کی فضا ملی، عبدالمجید صاحب غوری اپنی کار میں پہلے کھجرانہ روڈ پر اسلامیہ کریمیہ کالج کی زیر تعمیر عمارت کے معائنہ کے لئے لے گئے، وہیں نماز عصر ادا کی، ہارون رشید صاحب بھی ہمراہ تھے، کالج کی یہ زمین بہت کشادہ اور لب سڑک واقع ہے، اطراف کا ماحول پُرسکون ہے، اگر یہ عمارت جلد تکمیل کو پہونچ جائے تو کالج کے شایانِ شان ہوگی ـــ اس وقت بعض وجوہ کی بنا پر تعمیر کا کام بند ہے، اللہ تعالیٰ باہمی اختلافات کو ختم کرکے ملت کو مثبت انداز میں فلاحی کام کی توفیق مرحمت فرمائے۔

ہم لوگوں نے اس سلسلے میں بعض مفید مشورے دئے، جنہیں کالج کے انتظامیہ اور اسٹاف کے ممبران نے پسند فرمایا۔ یہاں سے رخصت ہوکر ٹھیک ساڑھے چار بجے ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن پہونچے جہاں کے صدر کی طرف سے تقریر کی دعوت اقبال احمد صاحب ایڈوکیٹ دوپہر کو دے گئے تھے۔

اندور ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن میں: جگور ہال کے پروگرام میں اندور کے وکلاء کی بڑی تعداد شریک تھی، ان کی خواہش تھی کہ بار ایسوسی ایشن میں حضرت مولانا اور ان کے رفقاء کی تقریروں کا خصوصی پروگرام ہو، بار ایسوسی ایشن کے صدر اور سکریٹری کا یہ پیام لے کر اقبال صاحب ایڈوکیٹ آئے تو وقت کے سلسلے میں اتفاق نہیں ہو پا رہا تھا، بار ایسوسی ایشن کے لئے دن کے ڈیڑھ بجے کا وقت موزوں تھا اور ہمارے نظام الاوقات میں اس کی گنجائش نہیں تھی، اختتام کا وقت طے ہوا، حضرت مولانا نے فرمایا کہ آپ لوگ اس سے نمٹ لیں، پاریکھ صاحب، ڈاکٹر صاحب اور راقم سطور نے یہ طے کیا کہ اگر وہاں پہونچ کر ضرورت محسوس ہوئی تو بہر حال حضرت مولانا کو زحمت دی جائے گی۔ ہائیکورٹ کے عظیم الشان عمارت کے کمپاؤنڈ میں ہماری کار داخل ہوئی تو وکلاء کی بڑی تعداد کو منتظر پایا، جلسے میں ابھی دس منٹ باقی تھے لیکن بار ایسوسی ایشن کا ہال وکیلوں اور جج صاحبان سے پُر ہو چکا تھا، ٹھیک وقت ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی نے تعارفی تقریر شروع کی، اُدھر عبدالمجید صاحب غوری ہم لوگوں کے ایما سے حضرت مولانا کو لانے کے لئے ہارون منزل روانہ ہوئے، ڈاکٹر صاحب کی تعارفی تقریر کے بعد عبدالکریم صاحب پاریکھ کی تقریر شروع ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ حضرت مولانا اور مولانا معین اللہ صاحب ندوی اپنے میزبان حاجی ہارون صاحب کے ہمراہ تشریف لے آئے، وکلاء نے کھڑے ہوکر حضرت کا استقبال کیا، حضرت نے پاریکھ صاحب کو اپنی تقریر جاری رکھنے کا اشارہ کیا، پاریکھ صاحب اپنے خطابت کے جوہر سے پورے سفر میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کو متاثر کر چکے تھے، اس تعلیم یافتہ طبقہ اور قانون دانوں کی مجلس میں ان کی حسب حال تقریر کو مجمع بڑی دلچسپی اور خاموشی سے سُن رہا تھا،

عصر اور مغرب کے درمیان یوں بھی وقت کم ہوتا ہے، پاریکھ صاحب نے اپنی تقریر کو ختم کیا اور بار ایسوسی ایشن کے صدر شری ایس۔ ڈی سانگھی ایڈوکیٹ نے (جن کا شمار مدھیہ پردیش کے ممتاز قانون دانوں میں ہے) حضرت مدظلہ سے تقریر کی درخواست کی، حضرت نے اپنی تقریر میں فرمایا:۔

میری زندگی کا تاریخی دن: میرے فاضل اور معزز دوستو! آج کا دن میری زندگی میں تاریخی دن ہے، اس لئے کہ میں اپنی زندگی میں دو مرتبہ کورٹ گیا ہوں، ایک مرتبہ تو ترجمان Interpreter کی حیثیت سے، بہت زمانہ ہوا ہمارے شہر لکھنؤ میں ایک صاحب ہمارے Colleague تھے، ان پر کسی ایسے بائی لاز bylaws میں جو میونسپلٹی کے ہوتے ہیں کیس قائم ہوگیا، وہ عربی بولتے تھے اور کوئی زبان نہیں جانتے تھے تو میں Trans lator کی حیثیت سے کورٹ گیا تھا لیکن اس دن مقدمہ نہیں ہوا اور خارج ہوگیا، اور میں پیش نہ ہو سکا، دوسری مرتبہ اپنی والدہ کی جائداد کی رجسٹری کے سلسلے میں کورٹ گیا تھا، اور آج کورٹ میں یہ تیسری حاضری میرے لئے historical ہے۔ میں مدعی کی حیثیت سے نہیں آیا ہوں اس میں تو بڑی زحمت ہوتی ہے۔ میں آیا ہوں اچھے اہل دماغ اور معزز شہریوں کے چیدہ مجمع سے ملنے اور ان سے گفتگو کرنے۔

لیڈر شپ قانون داں طبقہ کے ہاتھ میں: آپ یہ جانتے ہیں کہ ہندوستان کی رہنمائی قانون داں طبقہ نے کی، اور آج بھی ہندوستان کی لیڈر شپ قانون دانوں lawers کے ہاتھ میں ہے، مہاتما گاندھی سے لے کر جواہر لال نہرو تک، سر علی امام، محمد علی جناح، سر تیج بہادر سپرو، سردار ولبھ بھائی پٹیل، بیرسٹر آصف علی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اکثر لیڈر قانون داں طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، ہندوستان کی جنگ آزادی اسی طبقہ نے لڑی، انگریز جیسی قانونی legal اور دماغ رکھنے والی قوم کا مقابلہ Legal طریقے سے کرنا چاہئے تھا، انگریز اگر کوئی غلط کام کرنا چاہتا ہے تو اسے بھی قانونی اور Legal طریقے پر کرنا چاہے گا، اور ٹھیک کام کرتا ہے تو وہ بھی دستوری اور قانونی انداز میں کرتا ہے، اس نے اپنے بڑے بڑے محسنوں مثلاً لارڈ کلائیو وغیرہ کو جنہوں نے برٹش امپائر کا فاؤنڈیشن Foundation رکھا تھا، مقدمہ چلایا، اور برٹش پارلیمنٹ میں برکلے کی تقریریں آپ کو یاد ہوں گی۔ ہندوستان میں انکے خلاف لڑائی بھی وہی لوگ لڑ سکتے تھے جو قانون کے ماہر تھے، اور قانون کا جواب قانون سے دے سکتے تھے،

موت و حیات کی جنگ: اس لئے آپ حضرات اس وقت بھی ملک میں بہت اہم رول role ادا کر سکتے ہیں، اس وقت ہمارا ملک ایک خاص اسٹیج Stage پر پہونچ گیا ہے، ایک بہت بڑے بحران crisis کو Face کر رہا ہے ـــ یہ قانون کا نہیں بلکہ انسانیت Humanity کا ہے، یہ Moral crisis اور character crisis ہے، اس وقت ملک لڑائی کے ایک دوسرے میدان میں داخل ہو رہا ہے، یہ لڑائی زندگی اور موت کی لڑائی ہے، اس لڑائی میں آپ حضرات کے رہنمائی کی ضرورت ہے۔

میں history کا طالب علم ہوں، میرا مطالعہ یہ کہتا ہے کہ تہذیب ... civilization اور سوسائٹی پر دو دور آتے ہیں، ایک اس وقت جب سوسائٹی کا اعلیٰ دماغ، ذہین اور قابل طبقہ Intelligentsia اچھے رُخ پر چلتا ہے، Constructive بن جاتا ہے، تو اس وقت تہذیب کی بہار آجاتی ہے سوسائٹی اپنے نقطۂ عروج climax پر پہونچ جاتی ہے۔ پھر ایک دور وہ آتا ہے جب یہ ذہانت Destructive بن جاتی ہے، وہ پروفیشنل Professional بن جاتی ہے اور اس کو اس سے بحث نہیں ہوتی کہ سوسائٹی ڈوبے گی یا پار اُترے گی، ہمارا سماج تباہ ہوگا یا پنپے گا۔ انہیں بس اپنی فیس سے مطلب ہوتا ہے، خوش قسمتی جب انسان اور انسانی سوسائٹی کو نصیب ہوتی ہے تو Genius لوگ Intelli-gentsia۔ جو ذہنی صلاحیت رکھتے ہیں اور عام سطح سے بلند ہوتے ہیں، وہ سوسائٹی کو بچانے کی فکر کرتے ہیں، وہ اپنی ساری ہوشیاری، سارا Talent، سارا فن، سارا سائنس، اپنا پورا اسکیل، اپنا تمام experiment اور جو کچھ انکے پاس ہوتا ہے سب کچھ داؤں پر لگا کر سوسائٹی کو تباہی سے بچاتے ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ ان کا انجام کیا ہوگا، پیسہ ملے گا یا نہیں ملے گا، ہمارا پیشہ کامیاب رہے گا یا ناکام۔ وہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ کسی طرح سماج بچ جائے، سوسائٹی ڈوبنے نہ پائے۔

سب ڈوب جائیں گے: اس وقت ہندوستان کو آپ کی ذہانت، آپ کی قانون دانی، آپ کی محنت، آپ کی شرافت کی بے حد ضرورت ہے، یوں سمجھئے کہ ایک کشتی ایک ناو طوفان میں پھنس گئی ہے، خوفناک لہریں منہ کھولے ہوئے اس کی طرف بڑھ رہی ہیں، اس کشتی میں کچھ کمزور لوگ سوار ہیں، کشتی ڈوبنے کے بالکل قریب ہے، ایسے وقت میں کوئی ایسا ملاح، ایسا کھیون ہار آجائے جو اس کشتی کو پار لگا دے تو وہ بہت بڑا محسن ہوگا۔ آج ہمارا ملک، جس پر ہم کشتی کی طرح سوار ہیں، اس میں سوراخ کیا جا رہا ہے، اگر یہ کشتی ڈوب گئی تو اچھے اور بُرے، پڑھے لکھے اور اَن پڑھ، غریب اور مالدار چھوٹے اور بڑے بچے اور جوان سب ڈوب جائیں گے۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کشتی کی مثال دیکر یہ بات فرمائی ہے کہ اگر نیچے کے حصے کے لوگ اس میں سوراخ کریں تو اوپر کے لوگوں Upper class والوں کو تماشائی نہیں بننا چاہئے، اس لئے کہ کشتی ڈوبی تو وہ بھی نہیں بچیں گے۔

سوراخ ایک ہی طرح کا نہیں ہوتا، کوئی چھوٹا ہوتا ہے، کوئی بڑا، کوئی خوبصورتی سے ہوتا ہے، کوئی بدنما، کوئی پھاوڑا مار کر سوراخ کرتا ہے، کوئی سائنٹفک ذریعہ سے سوراخ کرتا ہے ـــ ہماری سوسائٹی کرپٹ Corrupt ہو رہی ہے، پوری سوسائٹی میں مختلف نشتر سے سوراخ کیا جا رہا ہے،

اب آپ انصاف کیجئے، میں انصاف کا نام اس ہائیکورٹ میں لیتا ہوں اور یہاں انصاف کی دہائی دیتا ہوں، آپ کے کامن سنس common sense کو اپیل کرتا ہوں، بتائیے نیچے سوراخ ہوگیا تو کیا ہم بچیں گے؟ آج یہی ہو رہا، ہندوستان سے باہر بھی میں بار ہا گیا ہوں، تمام دنیا میں یہی ہو رہا ہے، ۱۹-۲۰ کا فرق ہے، کوئی ملک یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہماری سوسائٹی آئیڈیل ideal سوسائٹی ہے، پوری انسانی سوسائٹی کرپٹ ہو رہی ہے، اس میں بغاوت سے پھیلی ہے، ...... Frustration ہے، confusion ہے، سب پریشان ہیں، کوئی مطمئن نہیں، سکھی نہیں، اس وقت تمام دنیا کا اور تمام طبقوں کا یہی حال ہے، اوپر کے طبقہ والے یہ نہیں سوچتے کہ ہماری قسمت نیچے کے طبقہ والوں سے وابستہ ہے۔

آپ میدان میں نکل آئیں: انسانوں اور جانوروں میں فرق ہے، جانور روز مارے جاتے ہیں کوئی بغاوت نہیں ہوتی، لیکن ایک انسان مارا جائے تو کھلبلی مچ جاتی ہے، ایک آدمی کسی جرم میں گرفتار ہوتا ہے تو ساری سوسائٹی میں چرچا ہوتا ہے، ہماری فطرت میں، ہمارے Nature میں ایک دوسرے کا احساس، ایک دوسرے سے تعلق کا جذبہ قدرت نے رکھا ہے، احساس کی یہ دولت اس لئے دی گئی ہے کہ ہم اس سے صحیح کام لیں، اپنے ملک کو اور پورے انسانی سماج کو تباہی سے بچائیں، ایک دوسرے کے دُکھ درد میں کام آئیں۔

آپ حضرات اس بات کی سب سے زیادہ اہلیت رکھتے ہیں، قابلیت رکھتے ہیں،

ملک کی ناؤ جو منجدھار میں گھر کر ڈانواں ڈول ہو رہی ہے، اس کو بچانے کے لئے اپنا کچھ وقت لگائیں۔ اپنے پیشے کا حرج کریں، اپنے پیسے کو خرچ کریں، اپنی خدمات کو پیش کریں۔

آپ میدان میں نکل آئیں، ملک کے کونے کونے میں پہونچیں، اور کہیں کہ یہ بد اخلاقی، انسان دشمنی، کمزور کشی، بد دیانتی، ملک دشمنی نہیں ہونا چاہئے۔ میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ اپنی ذہانت اور صلاحیت کا رُخ کچھ اس طرف بھی پھیریں۔

جنگ آزادی میں وکیل صاحبان جس طرح صفِ اوّل میں تھے، آج بھی ملک کو بنانے اور سنوارنے اور اس کی بے لوث خدمت کرنے کے لئے انہیں آگے بڑھنا چاہئے،

آپ کا پیشہ ایک معزز پیشہ کہلاتا ہے، مجھے معلوم ہے کہ پہلے زمانہ میں اگر کسی شہر میں کوئی اچھا بیرسٹر، ایڈوکیٹ آتا تھا تو سارے شہر میں اس کی عزت ہوتی تھی، اس لئے کہ انہوں نے اپنی قابلیت اور خدمت کا سکہ ملک میں جما دیا تھا،

میں اپنی عزت افزائی سمجھتا ہوں کہ آج آپ کے طبقہ سے، سوسائٹی کے دماغ سے مجھے کچھ عرض کرنے کا موقع مل رہا ہے، میں آپ سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ انسانیت کے احترام، آدمی کی عزت کے پرچار کے لئے میدان میں آئیں۔

ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں: خدا کے نزدیک انسان بڑا پیارا ہے، آدمی کا آدمی ہونا یہ سب سے بڑی کوالیفکیشن ہے ـــ اس کے علاوہ اسے اور کسی کوالیفکیشن کی ضرورت نہیں۔ آدمی جس وقت ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا اسی وقت اُس کے سر پر دنیا کی سلطنت کے ولیعہدی کا تاج رکھ دیا گیا، ہم انسان کو ہر چیز پر ترجیح دیں، ہم ایک دوسرے کی قدر کریں، ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں، ایک دوسرے کے لٹریچر، کلچر، سسٹم، سویلائزیشن، ریلیجن کو ایمانداری کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں،

ہزار برس سے ہندو مسلم بھائی اس دیش میں رہ رہے ہیں، پڑوسی ہیں، دیوار سے دیوار ملی ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ایک دوسرے کی ابتدائی باتیں، بنیادی چیزیں بھی نہیں جانتے،

اس کی ایک مثال دیتا ہوں، ایک مرتبہ میں ٹرین میں چند ساتھیوں کے ساتھ سفر کر رہا تھا، نماز کا وقت ہوا، ہم نے جماعت سے نماز پڑھی، جب ہم نماز میں رکوع اور سجدے میں جاتے ہیں تو اللہ اکبر کہتے ہیں، ہمارے ساتھ سفر کرنے

والے ایک ہندو بھائی نے جو پڑھے لکھے آفیسر تھے، نماز کے بعد پوچھا۔

"مولوی صاحب! آپ جب نماز پڑھتے تھے تو کیا اکبر بادشاہ کو یاد کرتے تھے۔؟"

ملک میں ہر جگہ مسجدیں ہیں، ہر وقت اذان، نماز میں اللہ اکبر کی آواز آتی ہوگی، لیکن انہوں نے کبھی خیال نہیں کیا کہ پوچھیں اللہ اکبر کا مطلب کیا۔؟ اسے کیوں بولا جاتا ہے؟، اسی طرح ہمارے ہندو بھائیوں کی بہت سی ایسی باتیں ہوں گی جن کی جانکاری ہمیں ہونی چاہیئے، بغیر کسی اہانت کے یہ معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

ہمارے اس سفر میں اس میٹنگ کی بڑی اہمیت ہے کہ ہمیں موقع ملا کہ اپنے خیالات واحساسات Feeling آپ جیسے پڑھے لکھے لوگوں کے سامنے پیش کرسکیں، خدا کرے کہ اور شہروں میں بھی ایسے مواقع بار بار ہوں، جس سے ہم ایک دوسرے کو سمجھیں، ہمدردی، محبت، تعلق پیدا ہو، ملنے جلنے سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں، اس میں بڑے فائدے ہیں، ہمارے درمیان سوشل تعلقات ہونے چاہئیں، مجھے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ کیا سوچتے ہیں، آپ کا مذہب کیا کہتا ہے، آپ بھی میرے بارے میں جانیں، میرے مذہب کے بارے میں معلومات حاصل کریں،

یہ حیرت کی بات ہے کہ غیر ممالک میں ہم ہندوستانی بڑی محبت سے ملتے ہیں، لیکن اپنے وطن میں نہیں ملتے۔

میں جب امریکہ میں تھا اور میری آنکھ کا آپریشن ہوا تھا، تو اس ہاسپٹل کے ایک ہندو ڈاکٹر میرا ہندوستانی نام دیکھ کر ملنے آئے اور روزانہ بڑی محبت سے ملتے رہے، یہ صرف وطن کا رشتہ تھا جو پردیش میں محبت کی سوغات بن گیا، یہ بات وطن میں تو اور زیادہ ہونی چاہیئے۔ یہ بہت نامناسب بات ہے کہ آدمی دوسرے آدمی سے ڈرے یا شک کی نگاہ سے دیکھے،

اس کام میں آپ حضرات کی کوشش کی بڑی ضرورت ہے، آپ جو وقت کورٹ میں دیتے ہیں اپنے موکلوں کو دیتے ہیں، اس میں سے تھوڑا سا وقت غلط فہمیوں کو دور کرنے اور Goodwill کی فضا پیدا کرنے، انسانیت کا احترام دلوں میں بٹھانے کے لئے صرف کریں، انسان انسان ہے چاہے وہ کسی بھی مذہب وملت کا ہو، وہ ہمارا بھائی ہے، اس سے ہمیں محبت کرنی چاہیئے، اس سے ساری مصیبت، سارے دُکھ درد ختم ہو جائیں گے۔

ہم شکر گذار ہیں کہ آپ نے ہمیں بلا کر اعتماد کا اظہار کیا، محبت کا مظاہرہ کیا، اور مل بیٹھنے کا موقع دیا —

انہوں نے پرکاش پردان کیا: حضرت مولانا کی تقریر کے بعد بار ایسوسی ایشن کے صدر شری شمبھو دیال سانگھی نے اپنی شکریئے کی تقریر میں کہا:۔

آدرنیہ (محترم) مولانا صاحب اور مہمان حضرات! بہت پہلے میں نے ایک کتاب پڑھی تھی، اس کا ٹائیٹل (نام) بتا دوں کیونکہ اس کا مہتو (اہمیت) ہے، ایک فرنچ رائٹر کی وہ کتاب تھی، اس کا نام تھا 25th Hour، سب جانتے ہیں کہ 25th Hour تو ہوتا نہیں 24th. Hour ہوتا ہے، لیکن اس کا مقصد یہ تھا کہ پچیسواں گھنٹہ ثابت کرے۔ اس نے وشو (دنیا) کی سبھی سبھیتاؤں (تہذیبوں) کی تلنا (موازنہ) کی تھی، اور یہ نتیجہ نکالا تھا کہ 24th Hour is past چوبیس گھنٹے ختم ہو چکے ہیں، انسانیت اب تباہی کے کنارے ہے اور کوئی اسے بچا نہیں سکتا، لیکن اس نے آگے لکھا کہ اگر کہیں بہت ہی مدھم روشنی Dimlight نظر آتی ہے تو وہ ہندوستان ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے دیش میں مولانا صاحب اور انکے ساتھی جنہوں نے اپنی پوری زندگی اس کام کے لئے وقف کی، اور ابھی آپ نے خود دیکھا کہ کیسا پرکاش انہوں نے پردان کیا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم وکیل لوگ پڑھے لکھے تو ضرور ہیں، لیکن پتہ نہیں کیوں سماج سے بالکل کٹ گئے ہیں، اور سماج کے پرتی ہمارا کوئی یوگ دان ہے، ایسا کم ہے کہ مجھے تو معلوم نہیں ہوتا کہ ہم سماج کے لئے کچھ کر رہے ہیں، اور جو بات مولانا صاحب نے بتائی کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھیں، آپس میں کیسے بھائی چارہ پیدا ہو اور کیسے ہم انسان کو انسان سمجھیں، واستو (حقیقت) میں کیریکٹر آج وشو (دنیا) کی سمسیا (مسئلہ) بنی ہوئی ہے، اس نظریے سے اپنے یہاں انصاف کا جو طریقہ ہے کہ جج صاحب اس کی بھی بات سُنتے ہیں اور اُس کی بھی بات سنتے ہیں اور پھر فیصلہ کرتے ہیں، اگر کیول (صرف) اتنی سی بات بھی ہماری زندگی میں آجائے کہ ہم اس پکش (پارٹی) کو بھی سُن لیں دوسرے پکش کو بھی سُن لیں، اور اپنی پوروا گرہ کو چھوڑ دیں تو واستو میں جو روشنی آپ نے پردان کی اس کا صحیح نتیجہ نکل سکتا ہے اور ہندوستان جو وشو (دنیا) کو روشنی دیتا رہا ہے، آگے بھی وشو کو مارگ درشن کرسکتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مولانا صاحب اور آپ سب صاحبان نے جو مارگ اپنایا، طے کیا، بتایا، اس میں جتنا بھی ہم سہیوگ (تعاون) دے سکیں ہم دیں، میں مولانا صاحب کا بہت آبھاری (ممنون) ہوں، واستو میں جب ہمارے مہمان پاریکھ صاحب تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا کہ مولانا صاحب کی طبیعت ناساز ہے، اور آپ بھی دیکھ رہے ہیں کہ ان کے کئی کاریہ کرم (پروگرام) ہو رہے ہیں، تو شاید وہ تشریف نہ لاسکیں، تو تھوڑی نراشا (مایوسی) تو ضرور ہوئی، لیکن آپ نے ہم لوگوں کو اس لائق سمجھا کہ آپ سب تکلیفوں کے باوجود تشریف لائے میں بہت بہت آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور میں ان سے نویدن (درخواست) کروں گا کہ وہ اس وِشئے (موضوع) میں آگے بھی مارگ درشن (رہنمائی) کریں۔

جلسے کے بعد ٹی پارٹی تھی، وہاں بھی بہت اچھی فضا میں چائے نوشی ہوئی، چند کتابیں بار ایسوسی ایشن لائبریری کو پیش کی گئیں جو بہت ممنونیت کے ساتھ قبول ہوئیں، اندور بار کونسل اور بار ایسوسی ایشن کے بارے میں لوگوں نے بتایا کہ یہاں اکثریت جن سنگھی اور آر، ایس، ایس ذہن کے وکلاء کی ہے، لیکن خلوص ومحبت میں ایسی تاثیر ہوتی ہے جو سب کو مسحور کر دیتی ہے اور ہمارا قافلہ اسی متاع بے بہا کو لے کر چلا تھا، ع

میرا پیام محبت ہے جہاں تک پہونچے

مدھیہ پردیش کا علاقہ خالص ہندی علاقہ ہے، پاریکھ صاحب اور راقم سطور ہندی میں بخوبی کام چلا لیتے ہیں، حضرت مدظلہ، افہام وتفہیم کے لئے انگریزی الفاظ اصطلاحات کو بکثرت استعمال کر کے اپنا پورا مافی الضمیر بحسن وخوبی ادا کر دیتے تھے، اس سفر میں حضرت نے بعض مواقع پر ہندی کے الفاظ ایسے برمحل اور حسب حال استعمال فرمائے کہ مجھے اور پاریکھ صاحب کو اس قوت اخذ پر حیرت ہوئی، پاریکھ صاحب حضرت کی تقریر میں ہندی الفاظ کو شمار کر کے بعد میں تبلاتے تھے کہ آج سات لفظ استعمال فرمائے، اس تقریر میں ہندی کے پانچ الفاظ تھے۔

مغرب کی نماز کا وقت قریب تھا، ہمیں نماز پڑھتے ہی مہو روانہ ہونا تھا جہاں ہمارے سفر کا آخری پروگرام تھا، مغرب کی نماز قیام گاہ پر پڑھ کر اندور سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر واقع مہو پہونچے، جہاں کے ہزاروں لوگ اور عظیم الشان جلسہ حضرت اور ان کے رفقاء کا منتظر تھا، — عشاء کی نماز مہو کی جامع مسجد میں ادا کی، اس کے بعد جناب عبدالغفور صاحب کے مکان پر کھانا ہوا، اندور اور مقامی احباب کی کثیر تعداد کھانے میں شریک تھی، کھانے سے فارغ ہوتے ہی جلسہ گاہ پہونچے، مولوی عبداللہ حسنی ندوی کی قرأت سے جلسے کا آغاز ہوا، تمہیدی تقریر راقم سطور نے کی، حضرت مولانا مدظلہ نے اس جلسۂ سیرت النبیؐ کی مناسبت سے سیرت کے موضوع پر ایسی تقریر فرمائی جسے سلاست وروانی، ادب وبلاغت، حسن بیان اور اپنے مضامین کے عمق ووسعت میں بینظیر کہا جاسکتا ہے۔

سب سے زیادہ پیارا لفظ: خطبۂ مسنونہ اور آیت وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میرے بھائیو اور دوستو! دنیا کی زبانوں کے لغتوں میں اور انسانی زبان پر چڑھے ہوئے الفاظ میں، کتابوں میں، ادب وشاعری میں خدا کی یاد، اس کی تعریف اور حمد وستائش میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ان میں اگر یہ سوال کیا جائے، دنیا کے ادیبوں، شاعروں، فلسفیوں، انسانی نفسیات کے ماہروں، نباضوں، دل کی دھڑکن سُننے والوں اکان رکھنے والوں، بے زبانی کی زبان والوں جس میں بچّے کی غوں غاں، مریض کی کراہ، مجنون کی بڑ، سب شامل ہے، ہر ایک اپنے دل کی کہانی سناتا ہے، تڑپنے والا الفاظ سے بے نیاز ہو کر اپنی کرب وبےچینی کو ظاہر کرتا ہے، دل کی، روح کی بھی زبان ہوتی ہے، زبان کے ذخیرے میں اور اس ذخیرے میں بھی جس کا کوئی نام نہیں۔ ع

بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

بہت سی ادائیں ایسی ہوتی ہیں، حسن والوں، محبت والوں کی، خلوص والوں کی جن کا ابھی تک کوئی نام ایجاد نہیں ہوا، ابھی تک ان کے لئے کوئی لفظ تلاش نہیں کیا جاسکا جس سے

وہ کیفیت ادا ہو، انسان محسوس کرتا ہے، زبان سے کہتا ہے، قلم سے لکھتا ہے، شاعری کرتا ہے، تقریر کرتا ہے، اکثر خاموش رہتا ہے، اس خاموش نطق وتکلم کی کوئی کیمرہ مصوری نہیں کرسکتا، کوئی ٹیپ ریکارڈ گرفت نہیں کرسکتا، خود آدمی اسے پوری طرح محسوس نہیں کرتا، محسوس کرتا ہے تو ادا نہیں کرسکتا، ان سب کو اگر سامنے رکھ کر پوچھا جائے، انصاف کا نام لے کر پوچھا جائے خدا کا واسطہ دیکر پوچھا جائے کہ سب سے زیادہ محبوب صفت، سب سے زیادہ محبوب لفظ، جو ساری دنیا کو، خواہ متمدن ہو یا وحشی، نیم برہنہ ہو یا مہذب، **اس آسمان کے شامیانے کے نیچے، زمین کے فرش پر، آفتاب کو قندیل بنا کر، چاند کو شمع بنا کر ایک سوال کیا جائے کہ بتاؤ سب سے زیادہ پیارا لفظ کون سا ہے تو میں سمجھتا ہوں اور دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سب کی طرف سے جواب ہوگا کہ "رحم"۔**

رحم کا کوئی شاکی، کوئی فریادی نہیں: قدرت بھی بڑی چیز، علم بھی بڑی چیز، سخاوت بھی بڑی چیز، صنعت بھی بڑی چیز، ذہانت اور دانائی بھی بڑی چیز، مال ودولت بھی بڑی چیز، حکومت وسلطنت بھی بڑی چیز، مگر یہ کسی کے مخالف ہوں گے، کسی کے موافق، **ان سے ایک نے زندگی پائی ہوگی تو سینکڑوں نے موت کا پیغام، ہزاروں ان کے زندہ کئے ہوں گے تو لاکھوں ان کے مارے ہوئے ہوں گے، ان کے قتیل ہوں گے، ان کے شہید ہوں گے، ہزاروں اگر ان کے تعریف کرنے والے ہوں گے تو لاکھوں کو ان سے گلہ ہوگا،**

حکومت کو لیجئے! حکومت کتنے لوگوں کی محافظ، لیکن کتنے لوگوں کی زندگی سے کھیلتی ہے، اس نے کتنے خون کے دریا بہائے، کشتوں کے پُشتے لگائے، کتنی کھیتیاں اس نے جلا کر سیاہ کر دیں، کتنے ملکوں کے چراغ گل کر دئے، کتنے خاندانوں کا بیج دنیا سے ختم کر دیا، علم کو لے لیجئے تو علم نے کہیں روشنی پیدا کی، کہیں ظلمت پیدا کی، **علم نے کہیں حفاظت کا گُر سکھایا، تو کہیں قفل شکنی — اور نقب زنی کا فن سکھایا، علم نے کہیں تعمیر کا پیغام دیا تو اس سے کہیں زائد تخریب کا پیغام دیا، علم نے اگر سپر بنائی تو علم نے تلوار بھی بنائی،**

علم نے اگر گرتوں کو سنبھالا تو کتنے ٹھہرے ہوؤں کو گرایا، کوئی ایسی چیز نہیں جس کے دو پہلو نہ ہوں، اور جس کی دھار، جس کا عمل بالکل صحیح اور تول پر بالکل پورا اترے — **لیکن ایک چیز جس کا دنیا میں کوئی شاکی نہیں، کوئی اس کا فریادی نہیں،** کوئی اس پر تنقید کرنے والا نہیں، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کا مارا ہوا ہوں، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کا زخمی ہوں، **وہ ہے صرف رحم دل، وہ ہے صرف رحم —**

رحم کا ہر ایک محتاج ہے: کون ہے دنیا میں جو آج بتادے، مخالفوں میں بتادے، ہمنواؤں میں بتادے، فاتحوں اور مفتوحوں میں بتادے، جاہلوں اور عالموں میں بتادے، غبی اور ذہین انسانوں میں بتادے، پسماندہ اور ترقی یافتہ قوموں میں بتادے؟ کہ اس کو رحم کی ضرورت نہیں، اس کو رحم سے انکار ہے، اس کو رحمت نہیں چاہیئے۔؟

ایسا وقت آتا ہے کہ آدمی کو طاقت کی ضرورت نہیں ہوتی، علم کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن کوئی ایسا وقت نہیں کہ جس میں آدمی کو رحم کی ضرورت نہ ہو، رحمت کی ضرورت نہ ہو۔ رحم کا ہر ایک محتاج، ہر ایک قدردان۔

اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ ع

کس چیز کی کمی ہے مولیٰ تیری گلی میں

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بیشمار نعمتیں عطا فرمائیں، وہاں شرافت بھی، وجاہت بھی، شہنشاہیت کا تاج بھی تھا، آپؐ تو عظیم ہستی ہیں، آپؐ کے غلاموں کے قدموں میں دنیا تھی، ان کے غلاموں کے غلام فاتح اور کشور کشا ہوئے، بادشاہ اور شہنشاہ بنے، کہاں عرب کا صحرا اور کہاں ہندوستان اور مالوے کی سرزمین، کہاں افریقہ اور کہاں امریکہ، ہر جگہ نبی عربیؐ کے غلاموں نے اپنی کامیابی کے پرچم لہرائے، جس نے پایا آپؐ کی غلامی کی بدولت پایا، روحانیت پائی، طاقت پائی، علم پایا، امن پایا، سلطنت تک پائی، آپؐ کے غلاموں نے یہاں آکر اپنی ذہانت، حسن انتظام، فن تعمیر، مذاق سلیم کے کتنے نمونے قائم کئے ہے

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے — کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

جو بھی سیاح ہندوستان آتا ہے وہ کہتا ہے کہ یہاں مذاق سلیم رکھنے والے کچھ لوگ گذرے ہیں، یہاں ایسے لوگ گذرے ہیں جنہیں کچھ اور ملا ہو یا نہ ملا ہو، لیکن ذوق جمال، رعنائی خیال، قوت ارادی، سلیقہ مندی، ملی تھی،

اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں، کیا اللہ تعالیٰ نہیں کہہ سکتا تھا کہ "آپ کو ہم نے دنیا کا فاتح بنا کر بھیجا"، ایسا فاتح جس کے غلاموں نے دنیا کا سب سے بڑا امپائر قائم کیا، انہوں مشرق ومغرب، جنوب وشمال میں اپنی کامیابی کے پرچم لہرادئے، انکی حکومت کا جھنڈا چاہے نہ لہراتا ہو، سکّہ چاہے نہ چلتا ہو لیکن **غلامان محمدؐ کی محبت کی فتوحات، محبت کے قلمرو میں ساری دنیا شامل تھی۔ ع**

"جو دلوں کو فتح کرلے، وہی فاتح زمانہ"

جو تہذیب انہوں نے پھیلائی، جو علوم انہوں نے پیدا کئے، علم کے جو دریا بہائے، محبت کے جو چشمے رواں کئے، اس کے بعد آپؐ کو انسانیت کا سب سے بڑا فاتح، سب سے بڑا معلّم اخلاق، سب سے بڑا مصلح کہنا بالکل صحیح ہے، اگر خدا یہ کہتا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو دنیا کا مصلح اور معلّم بنا کر بھیجا تو دنیا کے کسی گوشے سے یہ آواز نہیں اٹھتی کہ "ہمیں اس میں شک ہے"، ساری دنیا کے علماء، فضلاء، فلاسفہ، مفکرین، مورخین، ناقدین سر جھکا کر کہتے کہ آمنّا وصدّقنا، بیشک آپ دنیا کے سب سے بڑے معلّم اور سب سے بڑے مصلح ہیں —

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر وعمل کا انقلاب: ہمارے عزیز اسحٰق جلیس صاحب نے آپ کو جو واقعہ سُنایا اس سلسلے کی چند مثالیں دیتا ہوں۔

لڑکیاں زندہ درگور کی جاتی تھیں، اس رسم کے تمام قبیلے شکار تھے، حضرت عمرؓ کو جب اپنی اس بچی کا خیال آتا جسے انہوں نے خود زندہ درگور کیا تھا، تو آنسو رواں ہو جاتے وہ کہتے ہیں کہ جب میں اسے دفن کرنے کے لئے گڑھا کھود رہا تھا، تو وہ معصوم کہتی کہ ابّا آپ کے داڑھی میں مٹی لگ گئی ہے اور وہ اسے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے جھاڑنے لگتی، اس کی معصوم اور سلیم فطرت باپ کے چہرے پر گرد وغبار برداشت نہیں کرسکتی تھی، لیکن باپ کا دل نہ پسیجا، اسے ترس نہ آیا، اس نے اسے گڑھے میں دھکا دے کر اوپر سے مٹی ڈالدی۔

عرب کے دور جاہلیت، دور بربریت کا یہ ایک نمونہ تھا، لیکن اس کے بعد کیسا انقلاب آیا، معلّم اخلاق ہو تو ایسا ہو، انقلاب لانے والا ہو تو ایسا ہو، چند برسوں میں اس قوم کا یہ حال ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ ادا کرنے کے لئے صلح حدیبیہ کے موقع پر جانے لگے تو ایک بچی دوڑتی ہوئی آئی، اور بھائی صاحب، بھائی صاحب کہہ کر آپ سے لپٹ گئی، یہ حضرت حمزہؓ کی بچی تھی، جو آپ کے چچا تھے، اور جنگ احد میں شہید ہوئے تھے، اب صحابہ کرامؓ میں اس بچّی کی پرورش اور سرپرستی کے لئے مقابلہ شروع ہو گیا، حضرت علیؓ نے فرمایا یہ بچّی مجھے ملنا چاہیئے، میں اس کی پرورش کروں گا، حضرت جعفرؓ نے فرمایا یا رسول اللہؐ! یہ بچی میرے گھر میں آرام سے رہے گی، اس کی خالہ میرے یہاں ہے، میں اس کی پرورش کا زیادہ حقدار ہوں، ایک آزاد شدہ غلام زید بن حارثہؓ آگے بڑھے انہوں نے کہا کہ اسلام کے رشتہ سے میں اس کا بھائی ہوں، یہ بچّی مجھ کو ملنا چاہیئے،

جو لوگ اپنی بچیوں کو زندہ درگور کیا کرتے تھے، ان میں ایسا انقلاب

آیا کو ایک یتیم بچی کی پرورش و پرداخت کے لئے ان میں مسابقت ہونے لگی، قرعہ اندازی ہونے لگی۔

اللہ تعالیٰ فرما سکتا تھا وما ارسلناک الا معلماً للعٰلمین، ہم نے آپ کو سارے جہانوں کا معلم اور مصلح بنا کر بھیجا۔ اس طریقہ سے اور بہت سی صفات ہو سکتی تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی صفات اور اس سے جو کام لینا ہے اس کی حقیقت جس لفظ میں سمٹ کر آ سکتی ہے وہ استعمال فرماتا ہے، وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین،

صفت رحمت، اللہ تعالیٰ کی محبوب صفت ہے، سورۂ فاتحہ کا آغاز بھی اس نے اپنی اسی صفت سے کیا ہے، بسم اللہ میں بھی یہی صفت غالب ہے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ رب العٰلمین، الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید میں ہے، رحمتی وسعت کل شیٔ (میری رحمت سب پر حاوی ہے)، دنیا کو رسول اللہ صلی اللہ کے دامن سے جو کچھ ملا، جو فیض ملا، جو انعام ملا، جو تحفہ ملا، جو زندگی ملی، اس کے لئے اس سے بہتر کوئی لفظ نہیں ہو سکتا تھا، وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین۔

سب سے اہم، سب سے بنیادی، سب سے عزیز، سب سے محبوب، سب سے زیادہ فراوانی کے ساتھ جو چیز ہر برادری، ہر طبقہ، ہر ملک، ہر قوم کو پوری فیاضی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملی وہ ہے "رحمت" آپ کے ذریعہ اللہ کی رحمت کے دروازے کھل گئے، ساری نسل انسانی ہری ہو گئی، ؎

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

مردوں پر آپ نے احسان کیا، عورتوں پر آپ نے احسان کیا، غلاموں پر آپ نے احسان کیا، غریبوں پر آپ نے احسان کیا، جانوروں پر تک احسان کیا، اگر ان احسانات کا ذکر کروں تو پوری رات گذر جائے، قرآن مجید اور سیرت کی کتابوں کا آپ مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ آپ کی شفقت و احسان سے ہر طبقہ زیر بار ہے،

جس نے ظلم کرنے سے روکا، مزدور کو پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دینے کا حکم دیا جس نے سچے تاجر کو پیغمبروں کے قرب کی شہادت دی، جس نے یتیم کے پرورش کرنے والے کی فضیلت بیان کی، جس نے عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی ہدایت فرمائی، جس نے غلاموں کو آقا کا ہمسر بنایا، جس نے رنگ و نسل کے امتیاز کو ختم کیا، جس نے قیدیوں کے ساتھ رحم کا معاملہ فرمایا، وہی ہے رحمت عالم۔ اس کا رحم زندگی کے ہر شعبے میں آپ کو نظر آئے گا، فوجیوں کو ہدایت کی کہ زخمی کا کام تمام نہ کرنا، عابدوں زاہدوں پر ہاتھ نہ اٹھانا، عورتوں اور بچوں کو ایذا نہ پہونچانا، پھلدار درختوں اور ہرے بھرے کھیتوں کو نہ اجاڑنا، کسی بھی قوم کی عبادت گاہ کو نقصان نہ پہونچانا۔

وہ تو سراپا رحمت ہے، اس وقت کی دنیا اور موجودہ نسل انسانی آپ کو خدا کا پیغمبر مانے یا نہ مانے، لیکن سب کے سب آپ کے احسان کے سائے تلے ہیں، سب آپ کے احسانات کے مقروض ہیں، چھٹی صدی مسیحی میں پوری نسل انسانی اپنی افادیت کھو چکی تھی، انسانوں سے آباد ملک، جانوروں کے جنگل بن گئے تھے، بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل رہی تھی، طاقتور کمزور کو کھا رہا تھا، عام انسان غلامی کے لئے اور شہنشاہ اور امراء عیش و عشرت کے لئے زندہ تھے، آپ تاریخ زوال روما پڑھئے، آپ تاریخ اخلاق یورپ پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ ظلم و سفاکی اور عیش و عشرت کے کیا نقشے تھے، امیروں کی دعوت میں رات کے وقت غریبوں کے جسموں سے چراغاں ہوتا تھا، انسانوں کی جسم کی شمعیں جلتی تھیں چند امیرلذت کام دہن میں مصروف رہتے تو چند غریب انسان جل جل کر تڑپ تڑپ کر دم توڑتے، ہماری اس دنیا میں ظلم کی کیسی کیسی داستانیں، کیسے کیسے واقعات ہوئے، کوئی سکندر اور سیزر بن کر دنیا کو تہ تیغ کر رہا تھا، کوئی نیرو کے روپ میں روم کو آگ لگا رہا تھا، ہوس ملک گیری میں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کبڈی کھیلی جا رہی تھی، دنیا نے خدا کے دربار میں نالش کردی تھی کہ ہمیں ختم کر دیا جائے، وہ زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ ہماری اب ضرورت نہیں، ہم وحشی بن گئے ہیں، خدا کو سب بھلائے ہوئے تھے، انسان انسان کا معبود بن گیا تھا، ساری دنیا میں فساد عام تھا، بڑی بات یہ تھی کہ برائیوں کو ہنر سمجھا جا رہا تھا، جیسا کہ ہمارے عزیز مولوی اسحٰق جلیس صاحب نے کہا ہے برائیاں تو ہر زمانے میں رہی ہیں لیکن یہ دور ایسا تھا کہ برائیوں سے روکنے والا، ان سے پنجہ آزمائی کرنے والا کوئی نہیں تھا جبکہ شاعری تھی، ذہانت تھی، ایران میں بڑے بڑے پہلوان تھے، لیکن برائی کی کلائی موڑنے والا کوئی نہیں تھا، ہر شخص پر مایوسی طاری تھی۔ یہ دنیا کسی کی بات ماننے والی نہیں تھی، یہ آسانی سے برائی چھوڑنے کو تیار نہیں تھی، بادشاہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے، فلسفی کسی کو وقعت نہ دیتے، شاعر کسی کا نام نہ لیتے، سب سہمے ہوئے تھے، ڈرے ہوئے تھے ایسے ٹھٹھرے ہوئے تھے گویا برف اور سخت سردی پڑ رہی ہو۔ کہ رحمت الٰہی کو جوش آیا ؎

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا دعائے خلیل اور نوید مسیحا

وہ نبی رحمت تشریف لائے جن کو قرآن مجید نے کہا، وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین،

بھائیو! ہم اسی نبی رحمت کے امتی ہیں، ہم کو بھی رحمت کا مظاہرہ کرنا چاہئے، جو نبی سارے عالم کے لئے رحمت کا پیام بن کر آیا ہو، اس کے ماننے والوں میں شفقت و محبت نہ ہو، انکسار اور نرم دلی نہ ہو، انسان کی توقیر اور غریبوں کی مدد کا جذبہ نہ ہو، ظالموں کو ظلم سے روکنے کا حوصلہ نہ ہو، انصاف پر عمل نہ ہو، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

بھائیو! ہمیں رحمۃ للعالمین کی نسبت کی لاج رکھنی چاہئے، انسانیت کے دکھ درد پر ہمارا دل گداز اور آنکھیں نم ہونا چاہئیے ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

رحمۃ للعالمین کی امت کے دل میں سارے جہان کے لئے رحم کا جذبہ اور درد کا مادہ ہونا چاہئے، میں اقبالؒ کے ان اشعار پر اپنی تقریر ختم کر کے اجازت چاہتا ہوں — اسلام کیا ہے اور اس نے کیا خدمت انجام دی ہے، شیطان کی زبان سے وہ بیان کرتا ہے ؎

الحذر آئین پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظ ناموس زن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیر رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں

حسن اختتام:

اس برجستہ تقریر کا جو ایک گھنٹے سے زائد ہوئی یہ خلاصہ تھا، پوری تقریر فصاحت و بلاغت، علم و فکر، نکتہ آفرینی اور گہرائی، جوش خطابت اور خلوص قلب کا اعلیٰ نمونہ تھی، اس میں علم و مطالعہ کی جھلک، عمل کی دعوت، الفاظ کا توازن اور حسن معنی کا ایسا پرکشش امتزاج تھا جس نے ہزاروں انسانوں کے مجمع کو جس میں مسلم اور غیر مسلم، جوان و معمر، تعلیم یافتہ اور بے علم سبھی تھے، مسحور اور متاثر کیا،

حضرت مدظلہ کی تقریر کے بعد عبدالکریم صاحب پاریکھ اور ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی نے تقریر کی، رات دیر گئے تک جلسہ جاری رہا، جلسے کے اختتام پر اندور واپسی سے پہلے مقامی احباب کے اصرار پر دوبارہ عبدالغفور صاحب . . . . (جن کی غالباً ٹیلرنگ شاپ ہے) یہاں حاضری ہوئی، ایک پیالہ کافی پی کر محبت و خلوص کی قیمتی سوغات لئے ہم اندور روانہ ہوئے۔ ہمارے گیارہ روزہ سفر کا یہ آخری اجتماعی پروگرام تھا، . . . اور اپنے مقصد و موضوع یعنی سیرت نبی رحمتؐ کے اعتبار سے یہ گویا ہمارے دورے کا حسن اختتام تھا،

یوم جمعہ ۹ دسمبر ۷۸ء:

آج بھوپال واپسی کا دن تھا، علی الصبح ہارون منزل سے اپنے اسباب کے ساتھ پہلے آزاد نگر جانا ہوا، جہاں استاذ گرامی مولانا معین اللہ صاحب کے بھانجے مولوی سراج الرحمٰن ندوی اور کئی عزیز رہتے ہیں، ان کے یہاں ہم سب ناشتے پر مدعو تھے، پاریکھ صاحب چند دنوں بعد پاکستان جانے والے تھے، حضرت مدظلہ نے راقم سطور کو حکم دیا کہ پاکستان کے ایک عزیز نوجوان طلعت محمود صاحب مقیم راولپنڈی کے لئے امریکہ کی تقریر ٹیپ کروا کر پاریکھ صاحب کو دیدوں، آزاد نگر کے ایک کمرے میں یہ کام الحمدللہ پورا ہو گیا۔

اس مقام پر ماسٹر منظور صاحب مرحوم (والد مولوی ہارون ندوی) یاد آئے جو ندوہ میں مکتب کے استاد تھے بعد میں اسی عمارت میں جہاں ہم بیٹھے تھے، انہوں نے عرصہ تک مدرسۃ الفلاح نام سے ایک مکتب و مدرسہ چلایا، اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔

چند قدم کے فاصلے پر مولوی معاذ ندوی، مولوی زبیر ندوی اور خالد سلمہ کا مکان ہے وہاں چند منٹ بیٹھے، یہیں سے بھوپال روانگی تھی، اس لئے شہر کے بھی اہل تعلق الوداعی ملاقات کے لئے آ گئے تھے، تعداد اتنی تھی کہ ناموں کی فہرست طویل ہو جائے گی اور شاید حافظہ بھی ساتھ نہ دے، ہر ایک نے بے پناہ محبت و خلوص، عزت و اکرام کا معاملہ فرمایا۔

(بقیہ صفحہ ۵۹ پر)

دار العلوم ندوۃ العلماء

خدمات اور ضروریات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین سیدنا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔

دار العلوم ندوۃ العلماء محتاج تعارف نہیں ہے۔ اس کے قیام کو ۸۷ برس ہو گئے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ اس اثنا میں اس نے گرانقدر علمی اور دینی خدمات انجام دی ہیں، تصنیف و تالیف، درس و تدریس، پند و مواعظ غرض ہر شعبہ میں اس کے فرزندوں اور سرپرستوں نے قابل قدر کام کئے ہیں۔ خوش قسمتی سے تقریباً ۲۰ برس سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی اس کو توجہ اور سرپرستی حاصل ہے، جن کے دور نظامت میں اس کی شہرت دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہونچ چکی ہے اور بجا طور پر آج وہ ایک عظیم اسلامی مرکز بن گیا ہے نیز اس نے ایک بین الاقوامی دینی درسگاہ کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ندوہ کو دینی روح اور دعوتی جذبہ سے بھی نوازا ہے سالہا سال سے اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور دینی زندگی کے فروغ کے لئے اس کے طلبہ، اساتذہ اور کارکنان بڑی سرگرمی سے کوشاں ہیں۔ تبلیغ و دعوت کی جانب خاص طور سے متوجہ ہیں (طلبہ اپنے تعلیمی مشاغل اور علمی ثقافتی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ جو ندوۃ العلماء کا ہمیشہ سے طرۂ امتیاز رہا ہے۔ دینی زندگی میں بھی ممتاز ہیں) جناب ناظم صاحب ندوۃ العلماء کی فکری رہنمائی اور عملی نگرانی میں وہ علم دین کے مراحل بڑی خوبی خوش اسلوبی سے طے کر رہے ہیں ان علمی و روحانی مشاغل میں انہماک کے ساتھ طلبہ کی صحت و ورزش خورد و نوش وغیرہ کی جانب بھی خصوصی توجہ کی جا رہی ہے،

اس وقت دار العلوم ندوۃ العلماء میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ ملیشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، جنوبی افریقہ، ٹرینداد، یوگنڈا اور دوسرے ممالک کے طلبہ بھی زیر تعلیم ہیں مختلف ملکوں سے برابر داخلے کی درخواستیں آتی رہتی ہیں اللہ کے فضل سے عرب ممالک میں ندوہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اندرون و بیرون ملک کے مسلمانوں کی توجہ اس کی تعلیم و تربیت سے استفادہ کی خواہش روز افزوں ہے۔ ان اسباب کی بنا پر داخلوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے مزید اقامت گاہوں کی بیحد ضرورت ہے اس کے علاوہ دار العلوم کے مختلف شعبوں مثلاً دفاتر، دار الحفظ لائبریری وغیرہ کے لئے علیحدہ مستقل عمارتیں درکار ہیں۔ انہی ضروریات کو سامنے رکھ کر مدرسہ ثانویہ کی نئی عمارت (جس کا نام اب معہد دار العلوم ہے) کی تکمیل تیزی کے ساتھ ہو رہی ہے۔ اس کا تعمیری کام اختتام کے قریب ہے، اسی کے ساتھ اللہ کا نام لے کر طلبہ کی نئی اقامت گاہ "رواق اطہر" کا سنگ بنیاد ۲۱ مئی ۷۸ء کو رکھا گیا اور اب الحمدللہ کہ اس کی تیسری منزل زیر تعمیر ہے۔ "معہد دار العلوم" میں جسکو ایک معیاری مدرسہ ثانویہ بنایا جا رہا ہے باوجود وسعت کے گنجائش ختم ہو چکی ہے اور امسال کثیر تعداد میں طلبہ کو واپس کیا گیا ہے، اسی طرح دار العلوم میں بھی بہت سے داخلے محض انہیں مجبوریوں کی بنا پر نہیں کئے جا سکے۔ یہ صورت حال ذمہ داران دار العلوم کے لئے باعث فکر ہے اور محض جگہ کی تنگی کی وجہ سے شائقین علم دین کو واپس کرنا نیز مقیم طلبہ کی بڑھتی ہوئی دشواریاں اور ضرورتیں انکی فکر و بے چینی میں مزید اضافہ کا باعث ہیں، علاوہ ازیں عمارتوں اور ضروری تعلیمی سامان کی کمی کی وجہ سے بہت سے مفید علمی و دینی منصوبے پوری توجہ اور یکسوئی کے محتاج رہتے ہیں ہماری خواہش اور درخواست ہے کہ آپ میں سے جن حضرات کو اللہ تعالیٰ توفیق دیں اور سہولت ہو وہ اپنی تشریف آوری سے حسب موقع ہمیں سرفراز فرمائیں خود آ کر ان نونہالان چمن کو دیکھیں ان کی ضروریات کو سمجھیں فی الوقت جو کام شروع کئے جا چکے ہیں یا مستقبل قریب میں فوری توجہ کے مستحق ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

رواق اطہر:

طلبہ کی یہ اقامت گاہ (ہوسٹل) زیر تعمیر ہے۔ یہ عمارت انشاء اللہ سہ منزلہ ہوگی ہر منزل میں بیس کمرے ہونگے اور ہر کمرے میں چار سیٹیں ہوں گی۔ اس طرح پوری عمارت ساٹھ کمروں پر مشتمل ہوگی اور دو سو چالیس ۲۴۰ طلبہ اس میں قیام کر سکیں گے، اس عمارت میں دو بڑے ہال بھی ہوں گے جو طلبہ اور دار العلوم کی علمی و ثقافتی ضروریات میں کام آ سکیں گے۔

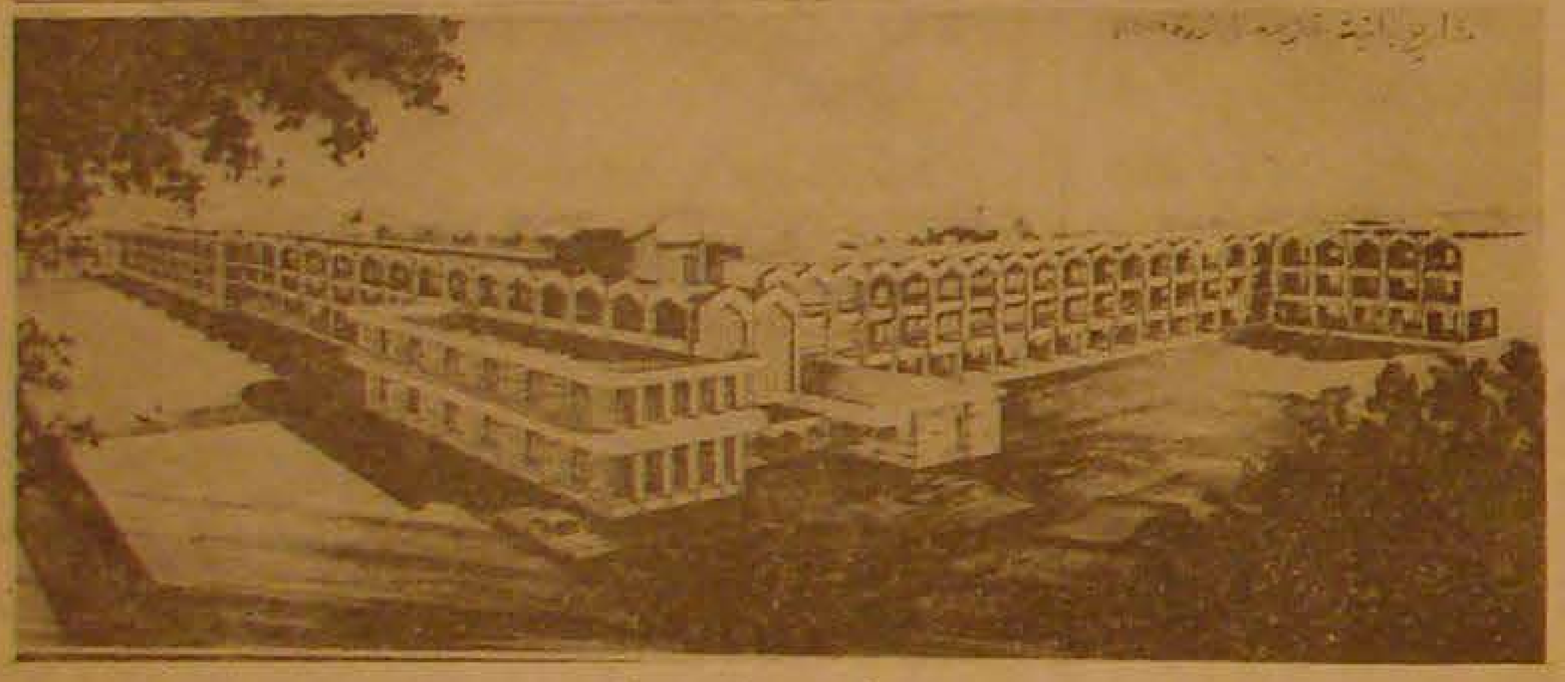

رواق اطہر کا مجوزہ نقشہ

رواق اطہر، تعمیر و تکمیل کے مراحل سے گذرتے ہوئے

معہد دار العلوم

معہد دار العلوم (یا مدرسہ ثانویہ) یہ عمارت فی الوقت دو منزلہ ہے اس میں چوبیس کمرے اور دو ہال ہیں۔ اس عمارت کے دونوں ہال فی الوقت چھوٹے بچوں کی رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہو رہے ہیں (اس عمارت کے دونوں بازوؤں کو سائیکل اسٹینڈ اور وضوخانہ کا خوبصورت شیڈ ملاتا ہے چھوٹے بچوں کی نماز باجماعت ایک ہال میں ہوتی ہے) اب اس عمارت کی تیسری منزل بھی تعمیر ہونا ہے۔

اسٹاف کوارٹرس

حضرات اساتذۂ کرام کے لئے رہائشی مکانات کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔ فی الوقت چار مکانوں کی بنیاد ڈالدی گئی ہے اور تعمیری کام کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ یہ مکانات دو منزلہ ہوں گے۔

کتب خانہ

دار العلوم ندوۃ العلماء کا کتبخانہ ہندوستان کے گنے چنے کتب خانوں میں سے ایک معروف و مشہور کتب خانہ سمجھا جاتا ہے جہاں علوم سے دلچسپی رکھنے والے بیرونی ممالک سے بھی لوگ آکر استفادہ کرتے ہیں ــــ یہ کتب خانہ دار العلوم کے وسیع و عریض ہال میں عرصہ سے قائم ہے اس کے لئے علٰحدہ عمارت کی ضرورت کا عرصہ سے احساس ہو رہا ہے اس کا نقشہ بن گیا ہے اور اب اس عمارت کی تعمیر کا آغاز ہونا ہے۔ الحمد للہ اس مد کی کچھ رقم محفوظ ہے لیکن مزید کی اس میں ضرورت ہے۔

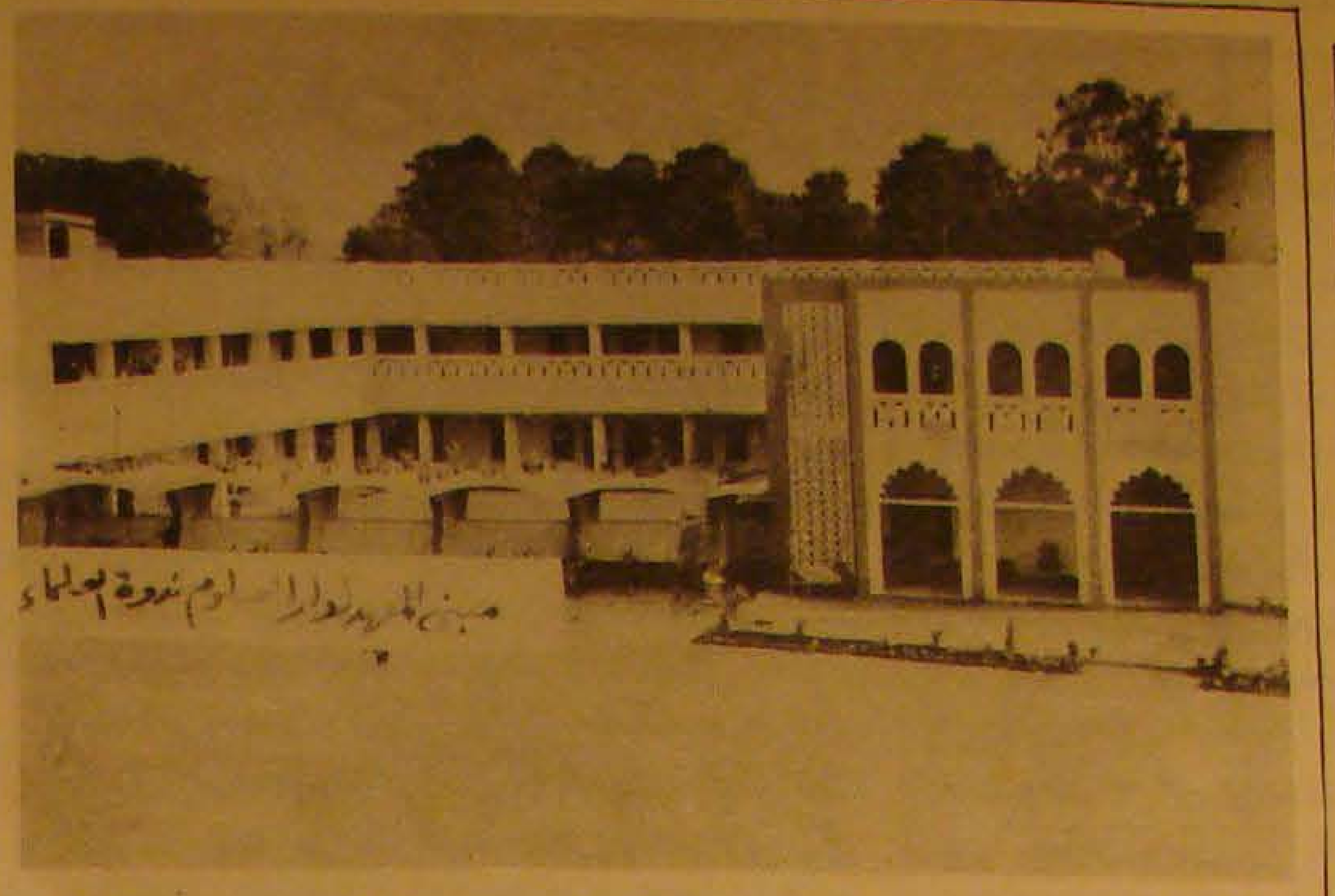

محمد دار العلوم (مدرسہ ثانویہ) کی نو تعمیر عمارت کا ایک گوشہ

دار تحفیظ القرآن الکریم

دار العلوم ندوۃ العلماء نے جب دار العلوم میں شعبہ حفظ کا افتتاح کیا تھا اسی وقت سے یہ ارادہ بھی کر لیا تھا کہ اس شعبہ کے لئے علٰحدہ عمارت ہوگی جس میں تعلیم کے ساتھ رہائش کا بھی نظم ہوگا۔ اس عمارت کا بھی نقشہ منظور ہو گیا ہے اس کی تعمیر کا بھی آغاز ہونا ہے۔

پریس اور دفاتر کی عمارت

پریس اور مختلف دفاتر کیلئے علٰحدہ ایک عمارت بھی عرصہ سے زیر تجویز رہی ہے تاکہ دار العلوم کی عمارت صرف تعلیمی اغراض ہی میں استعمال ہو، سارے درجات اسی میں رہیں جگہ کی تنگی کی وجہ سے جو انتشار کبھی کبھی ہو جاتا ہے وہ ختم ہو جائے چنانچہ اس عمارت کا بھی نقشہ منظور ہو گیا ہے اور اس عمارت کی تعمیر بھی ہونا ہے۔

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دار العلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون و اعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں، آپ میں سے جو لوگ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن تعلیمی میں شریک تھے ان کو یاد ہوگا کہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ، نے غیر ملکی معزز عرب مہمانوں کی طرف سے اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

"یہ سونے کی چڑیاں سب اڑ جائیں گی ہم اور آپ یہاں رہیں گے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی، ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، ہمارے سفیر آپ کے گھروں پر جائیں گے، آپ کی دکانوں پر جائیں گے آپ کے چار آنے آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں ــ یہ جو کچھ دیں گے وہ اس دولت کا

ہزارواں حصہ ہوگا جو خدا نے ان کو دیا ہے اور جو آپ دیں گے وہ آپ کے گاڑھے پسینے کی کمائی ہوگی۔"

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ، اور عظیم الشان عمارتوں سے زیادہ وہ مقصد عزیز ہے جس کے لئے یہ دار العلوم قائم کیا گیا ہے۔ یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی موثر اور صحیح ترجمانی دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنہ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ۔ اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری و امتیاز کا اعلان و اظہار دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، مسئلہ کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد ہمیں اب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں ہے، ہم اللہ کا نام لے کر ان میں سے متعدد اہم کام جن میں سر فہرست "دار تحفیظ القرآن الکریم" اور ایک عظیم الشان لائبریری کا قیام ہے (جہاں انشاء اللہ مطالعہ، بحث و تحقیق اور علمی استفادہ کا اعلیٰ انتظام ہوگا) آغاز کر رہے ہیں ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس طویل و عریض ملک کے کسی علاقے کے ہوں، ہماری مکرر درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپنا ہی کام سمجھیں۔ ہمیں یقین اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر پورا بھروسہ ہے کہ انشاء اللہ مولانا مدظلہ کی بیش قیمت و بابرکت رہنمائی و نظامت میں اگر احباب و مخلصین نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام نہ صرف ملک کے گوشہ گوشہ بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں پہونچے گا۔

وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

(مولانا) عبد السلام قدوائی ندوی
(معتمد تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء)

(مولانا) معین اللہ ندوی
(نائب ناظم ندوۃ العلماء)

(مولانا) محب اللہ لاری ندوی
(مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء)

(جناب) مصباح الدین نقوی
(معتمد مال ندوۃ العلماء)

پرنٹر پبلشر مسئول سید محمد حسنی نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی سے طبع کرا کر دفتر تعمیر حیات ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔
اڈیٹر: اسحٰق جلیس ندوی
کتابت: جلال الدین مستوی ندوی

بقیہ صفحہ: خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا

آپ کی یہ متبرک آمد ہمارے لئے مشعل راہ ثابت ہوگی اور پھر اچھے مسلمان بن کر ہی اچھے شہری بن سکیں اور ملک و قوم کی خدمت کر سکیں گے۔ اس اردو سپاسنامہ کا عربی ترجمہ مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے کیا۔

اس کے بعد مولانا علی میاں مدظلہ نے اپنی تعارفی تقریر میں ایک بار پھر اپنی روح پرور خطابت کے جادو جگا دئے اور مجمع کو مسحور کر دیا انہوں نے فرمایا، آج اس موجزن انسانی سمندر کو دیکھ کر تحریک خلافت کے عہد شباب کی یاد تازہ ہو رہی ہے۔ جب ہم ملک کی آزادی کی جد و جہد کے لئے امین الدولہ پارک میں اسی جوش و ولولے کے ساتھ اپنے رہنماؤں کا استقبال کیا کرتے تھے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ معزز مہمان جو اسٹیج پر جلوہ افروز ہیں، سونے چاندی کے سکے تقسیم کرنے نہیں آئے ہیں، اس کے باوجود صرف ایمانی حمیت اور اس سرزمین قدس اور مرکز اسلام کی محبت کے رشتہ سے یہاں اس سخت سردی کے موسم میں آپ جمع ہوئے جہاں سے یہ حضرات نسبت کا شرف رکھتے ہیں۔ یہ حقیقت اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ابھی مذہب کے سوتے خشک نہیں ہوئے ہیں، مادیت نے روحانیت پر مکمل غلبہ حاصل نہیں کیا ہے ابھی دل قبرستانوں میں تبدیل نہیں ہوئے ہیں، آج بھی علم کی قدر و منزلت انسانوں میں اپنا احترام رکھتی ہے۔ پھر مولانا مدظلہ نے فرمایا، آپ کے ان جذبات عقیدت و محبت کے تمام اعتراف و تحسین کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ کوئی قوم صرف جذبات کے سہارے زندہ نہیں رہتی۔ ضرورت عمل کی ہے، جب یہ معزز مہمان سرزمین قدس اور سرچشمۂ اسلام سے تعلق رکھنے کے باعث آپ کی اس غیر معمولی عقیدت کا مرکز ہیں تو پھر اس مرکز اسلام کا جو پیغام ہے اس کو اپنی عملی زندگیوں کا جزو بنائیے، تب ہی اس کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ اسلامی کردار سے دوسری قوموں پر اثر انداز ہوئیے، مظلوم اور غریب کی مدد کو آگے بڑھئے، فساد، کرپشن، بدعنوانی، بے راہ روی، ذخیرہ اندوزی، رشوت خوری اور انسان کشی کو مٹانے کے لئے آگے بڑھئے۔

مولانا علی میاں مدظلہ کی پُر اخلاص دل سے نکل کر یہ باتیں دلوں میں پیوست ہوتی چلی جارہی تھیں، راقم سطور کی ہم عمر نسل نے صرف کتابوں میں پڑھا اور معمر لوگوں سے سنا ہے کہ عطاء اللہ شاہ بخاری اپنی سحر آگیں خطابت کے جوہر پوری شب دکھاتے تھے اور مجمع شروع سے آخر تک پُرسکون اور گوش برآواز رہا کرتا تھا۔ مولانا ابو الکلام آزاد اپنی پُرجوش تقریروں میں فصاحت و بلاغت کا دریا بہا

اور اس میں سامعین کو جدھر چاہتے بہا لیجاتے تھے۔ نواب بہادر یار جنگ اور مولانا عبد الرحمٰن نگرامی اپنے زمانہ کے مشہور مقررین میں تھے لیکن ادھر چند سالوں میں جن لوگوں نے حضرت مولانا علی میاں کی تقریریں سنی ہیں وہ راقم کی ہمنوائی کریں گے کہ ان کی تقریریں مذکورہ تمام خطیبوں کے جداگانہ امتیازی رنگ سے ہم آہنگ ہو کر ایک منفرد رنگ اختیار کر گئی ہیں۔

مولانا کی تعارفی تقریر کے بعد پہلے ڈاکٹر احمد توتونجی پھر شیخ سعید الجندول اور آخر میں امام کعبہ شیخ عبد العزیز آل الشیخ نے مجمع کو خطاب کیا۔ تینوں کے بیانات کا خلاصہ اور قدر مشترک یہ تھا کہ اسلام قول اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے، آج ہمارے ضعف و انتشار اور مصائب و پریشانیوں کا سبب صرف یہ ہے کہ ہم صرف قومی مسلمان رہ گئے ہیں، عملی نہیں ــ اگر آج بھی مسلمان اسلامی ضابطۂ حیات کو مکمل طور پر دینی زندگی میں رچالے اور کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھام لے تو سرخروئی و کامرانی ہر مرحلہ پر اس کے قدم چومنے لگے گی۔ آج مسلمان مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے، عجیب بات ہے کہ ہمارا خدا ایک، رسول ایک، قبلہ ایک اور قرآن ایک پھر بھی ہم ایک دوسرے کو لعن طعن کرنے میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں (اس میں حالیہ شیعہ سنی فسادات کی طرف اشارہ تھا) یاد رکھئے اتحاد بین المسلمین وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے اسلام نے ہم کو امن و مساوات کا سبق پڑھایا ہے اخلاق و کردار کی پختگی دین کی پختگی کی علامت ہے۔

آخر میں مولانا علی میاں نے مسلمانان شہر کو مبارکباد دی کہ انہوں نے محبت، اخلاق، عزت، انسانی قدروں اور غیر معمولی ڈسپلن اور سکون کا مظاہرہ کیا، اور شیخ سعید الجندول کی پُراثر دعا پر جلسہ کا اختتام ہو گیا۔

امام حرم کعبۃ اللہ کے وفد کی ہندوستان آمد اس کے ثقافتی دورے کے طویل سلسلہ کی ایک کڑی تھی، چنانچہ اس سفر میں وہ دہلی، آگرہ اور علی گڑھ بھی گئے تھے۔ دہلی میں جماعت اسلامی نے ان کے استقبال و خیر مقدمی جلسوں کا اہتمام کیا تھا، لیکن مواصلاتی ذرائع سے معلوم ہوا کہ کارکنان جماعت کسی وجہ سے دہلی کے تمام مسلم حلقوں اور تنظیموں کا تعاون حاصل نہیں کر سکے۔

مہمانوں نے اپنی لکھنؤ آمد کا تار ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں کو بھیجا، تار موصول ہوتے ہی شہر کے تمام سربرآوردہ حضرات اور مختلف دینی، تعلیمی، سماجی تنظیموں کے ذمہ داروں کی ایک میٹنگ دار العلوم ندوۃ العلماء میں طلب کی گئی اور باہمی مشورہ سے امام حرم اور ان کے معزز رفقاء کے استقبال اور پروگرام کو مرتب کیا گیا اور تمام مکاتب خیال کے افراد کو اس موقر وفد سے مستفید ہونے کا موقع نصیب ہوا، اور مہمانوں کے شایان شان تمام پروگرام ہوئے۔

پھر موجودہ امام حرم کعبۃ اللہ کے والد مرحوم شیخ عبد اللہ بن حسن سے (جو اپنے وقت میں سعودی عرب کے قاضی القضاۃ بھی تھے) حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کے گہرے و مخلصانہ روابط اس وقت سے تھے جب شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ ابھی اپنے عہد طفولیت کی منزلیں طے کر رہے تھے غالباً اسی باعث امام کعبہ اپنی لکھنؤ کی تمام تقریروں میں مولانا علی میاں کا نام لیتے وقت والدنا شیخ ابو الحسن (ہمارے والد بزرگوار شیخ ابو الحسن علی ندوی) کہا کرتے تھے، ان تمام وجوہ کے باعث لکھنؤ میں اس معزز وفد کے استقبالیہ پروگراموں میں کارکنان ندوۃ العلماء نمایاں رہے اور وقت نے ثابت کر دیا کہ اسی باعث ہوائی اڈہ سے لیکر حضرت محل پارک کے پروگرام تک امام حرم کا ایک نمایاں شان عدیم المثال خیر مقدم ہو سکا جس کی یاد ندوہ کے جشن تعلیمی کی طرح مدتوں تازہ رہے گی ــ

"خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا"

بقیہ صفحہ ۵۶: دیار مالوہ کا ایک یادگار سفر

حضرت مولانا کی معیت کے طفیل ہم سب کی وہ پذیرائی ہوئی کہ ایک قد آور شخصیت کے زیر سایہ ہم بونوں کو بھی اپنی بلندی کا کچھ احساس ہونے لگا ــ

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا

اندور سے دیواس تک قاضی عبد الحمید صاحب کی کار میں بار مجھ صاحب، ڈاکٹر اشتیاق صاحب اور راقم سطور نے سفر کیا دیواس پہونچکر ترتیب بدل دی گئی اور ہم تینوں مولانا معین اللہ صاحب کی ایما سے حضرت کے ہمراہ کر دئے گئے۔ نشستوں کی اس تبدیلی کا یہ فائدہ ہوا کہ بھوپال تک کا راستہ اس دورے کی روشنی میں حلقۂ پیام انسانیت کی تحریک کو عام کرنے، تنظیمی امور، آئندہ دورۂ پنجاب اور استحان و ہریانہ کی تفصیلات طے کرنے میں صرف ہوا۔

آج جمعہ تھا، ہماری کار تاج المساجد بھوپال بھی جماعت کے وقت پہونچی، نماز سے فارغ ہو کر اپنی قیامگاہ مسجد شکور خاں پہونچے، عبد الکریم پاریکھ صاحب اسی دن سہ پہر کو ناگپور روانہ ہو گئے شب میں قیام کے بعد علی الصبح بھی لکھنؤ ایکسپریس سے ہم عازم لکھنؤ ہوئے۔ بھوپال کے دوران قیام پروفیسر عبد القوی دسنوی صدر شعبۂ اردو سیفیہ کالج اور علامہ تحری صدیقی مرحوم کے صاحبزادے میرا مجتبیٰ صاحب سے سیفیہ کالج حاضری کا وعدہ تھا لیکن صورت نے مہلت نہ دی، مولوی منصور نعمانی ندوی ان دونوں رفیق دار المصنفین کی حیثیت سے اعظم گڈھ میں مقیم ہیں ان سے بھی ملاقات نہیں ہو سکی ــــ اس سفر کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ہمیں اپنی تلاش، امت مسلمہ کی صلاحیت اور اس کے اصل منصب و مقام کے دریافت میں ترقی ہوئی، یہ بھی اندازہ ہوا کہ دنیا منتظر ہے اور معقول بات قبول کرنے کے لئے تیار۔ دنیا استقبال کیلئے آمادہ ہے دعوت کا مخلصانہ عمل اب بھی مؤثر و کارگر ہے بشرطیکہ حالات و وقت کے مطابق ساز گار رہا جا سکے ــ

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں